خوفناک اور سنسنی خیز کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ
خوفناک ڈائجسٹ
فروری 2016
PDFBOOKSFREE.PK
RS:70
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حیرت انگیز سیلیک خوفناک کہانیوں کا ماہنامہ

ماہنامہ خوفناک ڈائجسٹ لاہور

جلد نمبر 19 - شمارہ نمبر 9

ماہ فروری 2016

قیمت - 70 روپے

عاشق پری نمبر

پوسٹ بکس نمبر 3202

غالب مارکیٹ گلبرگ III لاہور

ماہنامہ خوفناک ڈائجسٹ ماہ فروری 2016 کے شمارے عاشق پری نمبر کی جھلکیاں

ماہ فروری 2016
قیمت۔70 روپے

اسلامی صفحہ

آپ کا نام حسن کنیت ابو محمد لقب ریحانۃ النبی رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی سیدہ فاطمہؓ کے بیٹے ہیں مشہور روائت کے مطابق رمضان تین ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدہ ہوئے حضرت حسنؓ کی ولادت کی خبر جب حضور کو ہوئی تو آپ سیدہ فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت حسنؓ کے کان میں اذان کہی حضور ﷺ نے اپنے لعاب دہن سے حضرت حسنؓ کو گھٹی دی حضرت علیؓ نے آپ کا نام حرب رکھا اس کو بدل کر حضور ﷺ نے حسن رکھا صدیقہؓ کائنات ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت حسنؓ کی ولادت پر دو بکریاں ذبح کی گئیں ویسے تو نبی کریم ﷺ اپنے نواسوں سے محبت فرماتے تھے لیکن سیدنا حسنؓ سے خاص محبت کرتے تھے اس کی شاید ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت حسنؓ کی جسمانی مشابہت حضور ﷺ سے تھی حضور ﷺ کی شفقت کا یہ نتیجہ تھا روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کبھی محبت سے سیدنا حسنؓ کو اپنے دوش مبارک پر اٹھالیا کرتے تھے اور پھر فرماتے تھے۔ اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر جب حضور ﷺ ان سے اتنی محبت فرماتے تھے صحابہ کرامؓ ان سے کیوں نہ محبت کرتے ایک روایت میں عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سیدنا حسنؓ کے ساتھ تھا کہ اتفاق سے ہماری ملاقات سیدنا ابو ہریرہؓ سے ہوگئی میں آپ کے جسم کے اس مقام پر بوسہ دینا چاہا جہاں نبی کریم ﷺ بوسہ دیا کرتے تھے حضرت سیدنا حسنؓ نے اپنے پیٹ مبارک سے قمیض اٹھایا سیدنا ابو ہریرہؓ نے ناف کو بوسہ دیا سیدنا حسنؓ بہت عبادت گزار تھے پچیس حج پیدل کیے تین مرتبہ گھر کا سارا سامان اللہ کے رستے میں خرچ کیا حضرت حسنؓ کو حضرت علیؓ کی شہادت کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کر لی اور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو پورا فرمایا جو نبی کریم نے فرمایا تھا حسن میرا بیٹا سردار ہے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کروائے گا (بخاری) حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت حسنؓ کے صلح والے سال کا نام عام الجماعۃ ہے حضرت معاویہؓ سے حضرت حسنؓ کی صلح کرنے پر اہل کوفہ حضرت حسنؓ کے مخالف ہوگئے اور آپؓ پر قاتلانہ حملہ کیا آپؓ کا سارا سامان لوٹ لیا اور آپ کی ران مبارک پر برچھا مار کر زخمی کر دیا۔ چار ۴۱ ہجری حضرت معاویہؓ سے صلح کرنے کے بعد حضرت حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ سمیت مدینہ منورہ میں رہائش پزیر ہوگئے اور حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ اچھے تعلقات رہے پانچ ۵ ربیع الاول انتالیس ۴۹ یا پچاس ۵۰ ہجری میں وفات ہوئی اور اپنی دادی سیدنا فاطمہ بنت اسدؓ کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

اللہ دتہ چوہان پنڈی بھٹیاں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت ہے کہ پیارے نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ شکل بنائی اور اس کے درمیان ایک لکیر کھینچ دی جو اس مربع سے باہر نکل گئی اور ایک طرف سے چھوٹی چھوٹی لکیریں درمیانی لائن کی جانب کھینچیں پھر فرمایا یہ انسان ہے جیسے موت گھیرے ہوئے ہے اور درمیان لمبی لکیر اس کی امید ہے جو اس کی زندگی سے بھی زیادہ ہے اور چھوٹی لکیریں اس سے پیش آنے والے حالات ہیں۔۔۔۔۔ابرار آرمیں گگومنڈی

ماں کی یاد میں

تیری ہر خوشی پہ قربان میری جاں۔ ماں تو سلامت رہے میری ماں
خون دے کے پالے ہیں یہ پودے گلشن کے۔ اس چمن پہ رہتی ہے تو سدا مہرباں
ماں تو سلامت رہے میری ماں
محتاج ہوں میں تیری اک اک دعا کی۔ رہے میرے سر پہ سدا تیری چھاں
ماں تو سلامت رہے میری ماں

میری پیاری ماں تو پیار کا ایک بہت ہی گہرا سمندر ہے تیری گہرائی کو کوئی نہیں جانتا اس اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ماں تیرے پیار کی گہرائی بہت زیادہ ہے جس کا کوئی ناپ تول نہیں ہے میں تیری بیٹی ہوں اور تیری ہی گود میں پلی ہوں ماں میں تو تیرے ہر دکھ کو جانتی ہوں تیری تکلیف کو سمجھتی ہوں ماں کتنے پیارے وہ دن تھے جب تو مجھے اپنے پاس بیٹھا کر کھانا کھاتی تھی بلکہ ماں تو تو کہتی ہے کہ جب تک اولاد کھا نہ لے تجھے بھوک ہی نہیں لگتی ماں تیرے پیار کا اندازہ میں کیسے لگاؤں کہ ایک طرف ڈانٹا اور دوسری طرف گود میں بیٹھا کر پیار کرتی ہو ماں مجھ سے کبھی بھی ناراض نہ ہونا ماں میں تیرا بیٹا نہیں ہوں جو اپنی بیوی کے لے اپنی ماں کو دھکے دے کو نکال دوں گا جو اپنی بیوی کو شاندار گھر میں اور تجھے اندھیری کوٹھری میں رکھوں گا جو بیوی کو طرح طرح کے کھانے اور تجھے اپنے بچوں کا بچا کچا کھلاؤں گا جو اپنی بیوی کے پرانے کپڑے تجھے پہناؤں گا میں تو تیری بیٹی ہوں تیرا چہرا دیکھا سوتی ہوں تیری پیاری صورت اٹھتے ہی دیکھ صبح کا آغاز کرتی ہوں ماں تو مجھے نظر نہ آئے تو تجھے ڈھونڈنا شروع کر دیتی ہوں ماں تیرے بن تو گھر میں اندھیرا سا ہو جاتا ہے ماں میری ہر تمنائیں تو تیری وجہ سے پوری ہوئی ہوتی ہیں ہر خوشی تو تجھے دیکھ کر ملتی ہے پھر میں ان خوشیوں کی تمنا کیوں کروں جن میں تو شامل نہیں ہوتی ماں تیری گود کی نرمی تو آج بھی نہیں بھول پائی ہوں ماں کسی نے سچ کہا ہے کہ جب ماں یا باپ مر جائیں تو بیٹا بار بار گھڑی دیکھتا ہے کہتا ہے جلدی دفنائیں میت کا ٹائم ہونے والا ہے میت کو دفنانے کے بعد کھانا کھلانا ہے مگر ماں بیٹیاں تو اپنی ماں باپ کا چہرہ دیکھ دیکھا کر روتی رہتی ہے ہائے میری امی کو مت لے کر جاؤ میری امی کے بغیر میرے یہ دوازے بند ہو جائیں گے میری امی کو میرے پاس ہی رہنے دو مگر ماں کوئی بھی اس وقت بیٹی کی نہیں سنتا ماں میں تو بیٹی ہوں تجھ سے دور نہیں رہ سکتی ماں میں بیٹا نہیں ہوں جو تجھے بیمار کو چھوڑ کو کسی دوسرے ملک چلا جاؤں گا اور وہاں جا کر کہوں گا ماں میں بہت پیسا کما رہا ہوں تیری پیاری سی بھولائی ہے مگر ماں بیمار ہوتی ہے اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی بیٹے کی بات سن کر کہتی ہے بیٹا اللہ تجھے بہت دے میری دعا ہے کہ اللہ تجھے تیری سوچ سو بھی زیادہ دے اور اپنے بیٹے کی آواز سن کر آنکھیں بھر آتی ہیں دیکھ نہیں سکتی آواز کے ساتھ آنکھوں میں آنسو اور ہونٹوں پہ پھر مسکراہٹ ہی آئی ہے جب آواز بند ہوتی ہے تو رو کر کہتی ہے بیٹا تو جہاں رہے خوش۔

کشور کرن۔ چتوکی۔

ڈر

---تحریر: ابناس سعادت۔ گوجرانوالہ۔ حصہ دوئم۔--

ابو کی پھوپھو کے واحد بیٹے کریم کو اللہ نے دو بیٹے عطا کیے بڑے کا نام شاہد اور چھوٹے کا عثمان یہ کہانی عثمان کریم کی بہن واجدہ بی بی جو کہ وزیر آباد میں رہتی ہیں ہمارے گھر آئیں تو انہوں نے بتایا کہ عثمان کو بہت زور سے دورے پڑنے لگے ہیں اسے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے اس کی عجیب حرکتیں سب کو ڈرا دیتی ہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا ماما جی یعنی میرے دادا جی آپ دعا کریں یہ خبر سنا کر مزید کچھ دیر بیٹھ کر وہ چلی گئیں دو دن بعد انٹی ممتاز اور مام عثمان کا حال پوچھنے انکل کریم کے گھر گئے وہاں سے آ کر مام نے بتایا کہ عثمان کو دورے پڑنے کا دورانیہ زیادہ ہو گیا ہے وہ عجیب و غریب آوازیں نکالتا ہے ورنہ سمجھ آنے والی باتیں کرتا ہے پہلے تو اس کا ڈاکٹری علاج کروایا گیا پر کوئی بھی آرام نہ ایا تو اسے پیر صاحب کے پاس لے گئے ان کا کہنا ہے کہ اس نے کسی ویران جگہ پر پیشاب کیا ہے جس کی وجہ سے اوپری چیزیں اسے چمٹ گئی ہیں۔ بہت علاج کروایا پر کوئی فرق نہیں پڑا ڈاکٹروں کا کہنا ہے خون کی کمی ہے سائیکرس کے مطابق ذہنی دباؤ ہے پیر صاحب کا بیان جنوں کے متعلق تھا عثمان ہر روز کمزور ہوتا جا رہا تھا چہرہ اس کا زرد اور کمر جھک گئی تھی عثمان سے بہت پوچھا پر وہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر خلاؤں میں گھورتا رہتا یا پھر چیخیں مارنے اور خون کی الٹیاں کرنے لگتا سب بہت پریشان تھے جو جہاں جہاں کہہ رہتا تھا اسے وہاں وہاں لے جا رہے تھے پر کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ انکل کریم نے ہم عثمان کو ہسپتال لے گئے یہ بہت بے قابو ہو رہا تھا اس کو لوہے کے مضبوط بیڈ کے ساتھ بازوؤں میں پٹے ڈال کر لٹا دیا گیا چھ ساتھ نما وارڈ بوائے کو سے قابو نہیں مشکل ہو رہا تھا میں سائیڈ پر کھڑا درد ابراہیمی کا ورد کر رہا تھا وہ ساتھ نما وارڈ بوائز اسے لٹا کر بازو باندھ کر جیسے ہی جانے لگے اس وقت ہم سب حیران پریشان اور ڈر گئے جب اس اکیلے نے مضبوطی سے باندھی گئی پٹیاں تڑوا کر وہ لوہے کا بھاری بیڈ کسی کھلونے کی طرح ہوا میں دوسری سمت اچھال دیا یہ دیکھ کر ڈاکٹر سمیت سب بھاگ گئے میں خوف سے زیادہ اپنے بیٹے کی حالت پر رو رہا تھا جس کے پاس اسے لے کر جاتا وہ اپنی ایک نئی کہانی سناتا۔ ایک سنسنی خیز اور ڈراونی کہانی۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے گھر پر کمپیوٹر ہی دیکھا جس پر نٹ لگا تھا جو کہ میرے ڈیڈ اکاؤنٹنگ کے لیے یا پھر دوسرے شہروں میں میل کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے جس کی وجہ سے ہمیشہ کبھی ہمیں ٹی وی کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی ویسے بھی ہم چھوٹے تھے اسے استعمال کرنے سے ناواقف تھے 1995 کے زمانے کا بچہ اتنا تیز نہیں تھا جتنا کہ 2015 کا میرے ڈیڈ کے مطابق ٹی وی ایک شیطانی ڈبہ ہے تھوڑے بڑے ہوئے تو کے جی میں داخلے کے بعد جو ہمیں ہوم ورک ملتے اس میں بھی نیٹ کا استعمال کرنا پڑتا۔

پاکستان کا بچہ سکول جانے سے یا ہوم ورک کرنے سے کیوں گھبراتا ہے کیونکہ اس پر اس کی مرسے زیادہ بوجھ ڈال دیتے ہیں جبکہ باہر کے ممالک میں ایسا نہیں ہے وہاں بچوں کا ہوم ورک ان کی دلچسپی کے مطابق ہوتا ہے جیسے کہ کے جی ایل کے جی میں ہمیں یہ ہوم ملتا تھا کہ نیٹ سے مختلف قسم کی بلیوں یا کتوں اور مختلف جانوروں کی تصاویر اور ان کے بارے میں معلومات لے کر آئیں وغیرہ تو اس میں پھر ہمیں بھی نیٹ کی ضرورت پڑنے لگی تو ٹی وی کا کبھی ہوش ہی نہیں رہا اور جب بھی کبھی کوئی بچوں والی مووی دیکھنی ہوتی جو کہ ہفتہ میں ایک بار تھا تو مام ہمارے ساتھ بیٹھ کر دیکھتی اور ہمارے پاس ہی رہتی ہمیں نیٹ کو اکیلے میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

چھوٹے ہوتے مام کی نیٹ کے بارے میں سختی بری لگتی تھی پر اب سمجھ آئی ہے کہ نیٹ کو استعمال کرتے ہوئے یہ انسان کہ اپنے ہاتھ میں ہے کہ وہ اسے اچھائی میں استعمال کرے یا

پاکستان میں آئے تو یہاں سب کے کمرے میں ان کا اپنا ٹی وی تھا اگر کسی چیز کا آپ کے پاس نہ ہونے کا احساس نہ دلایا جائے تو آپ بے پروا رہتے ہو پر اگر بار بار اس چیز کے نہ ہونے کا احساس دلاؤ تو پھر اس چیز کا نہ ہونا شدت سے محسوس ہوتا ہے۔ یہاں پر تائی کے کمرے میں ٹی وی تھا جس پر کیبل لگی تھی اس پر تب ایک ڈرامہ کستوری لگتا تھا جو کہ ایک دو بار دیکھنے پر مجھ سمیت میری چھوٹی بہن کو بھی بہت پسند تھا ضعوہ کو باہر کر بھی نہ ڈراما دیکھا اور نہ اس کے برے میں پتہ تھا اب یہاں سب ڈراموں کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے تو ہمیں بھی شوق ہوتا ہم بھی دیکھیں مام زیادہ تر تو منع کرتی کبھی اجازت دے دیتی۔

آپ میرا پاگل پن یا بے وقوفی کہہ لیں میں ہر روز تائی کے کمرے مین ڈرامہ دیکھنے چلی جاتی دو تین دن تو تائی نہ جانے کیسے خاموش رہی تیسرے دن تائی کی بیٹی نمرہ مجھ سے بغیر لحاظ کے کہنے لگی۔

تم کیا ہر روز ہمارے کمرے میں آجاتی ہو اپنے کمپیوٹر پر دیکھا کرو اس کو نہ چلا کر بجلی بچاتی ہو اس کی بات تو میرے سر پر سے گزر گئی بجلی بچانے سے کیا مراد خیر میں نے اسے کہا۔

وہاں اکیلے دیکھنے کا مجھے مزہ نہیں آتا بار بار بفرنگ ہوتی ہے۔

رکتا ہے تو ہم کیا کریں ابو تمہارے باہر ہوتے ہیں اور تم لوگ ایک ٹی وی نہیں خرید سکتے میں نے تائی کی طرف دیکھا کہ شاید وہ منع کریں کہ بری بات ابو کو بیچ میں مت لاؤ اور کسی سے ایسے بات کرتے ہیں پر مجھے حیرت ہوئی تائی ایسے ڈرامہ دیکھنے میں مگن تھی کہ جیسے کہ یہاں کوئی دوسرا نہ ہو مجھے افسوس ہوا اور میں باہر آگئی اور بعد میں مجھے ساری رات یہ ہی سوچ آتی رہی کہ آگے پتہ نہیں کیا ہوا ہوگا۔

اگلے دن میں پھر سے ان کے کمرے میں چلی آئی نمرہ نے پیچھے سے مین سوئچ ہی آف کر دیا مجھے افسوس ہوا کہ اپنی انسلٹ کروا کر آئی بھی تو لائٹ ہی چلی گئی یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے مین سوئچ ہی آف کر دیا تھا۔

یہ واقعہ 1939 کا ہے میرا تبادلہ اٹک کے

ریلوے اسٹیشن پر ہو گیا میں اپنی بیوی اور پہلی آٹھ ماہ کی بیٹی بختاور کے ساتھ اٹک اسٹیشن پر اس وقت اترا جب شام کے سائے اپنے پروں کو پھیلا رہے تھے آگے اٹک میں پولیس کا تھانیدار میرا منتظر تھا وہ ہمیں لے کر ہمارے بڑے سے سرکاری بنگلے پر آگیا میری بیوی نے بنگلہ دیکھا تو قریب آتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

اتنے ویران علاقے میں ہمارا گھر ہے اور اسٹیشن بھی یہاں سے کافی فاصلہ پر ہے اتنے لمبے درخت اور جنگلی گھاس میں تو یہاں نہیں رہوں گی اس وقت شام ہے تو بھی یہ بھوت بنگلہ لگ رہا ہے رات کے ہوتے ہی جنات نکل آئیں گے۔

میں ہلکا سا مسکرایا میں جانتا تھا وہ نرم بزدل اور ڈرپوک ہے پر اگر اس کے بچے پر کوئی آنچ آئے تو ساری بزدلی اور ڈرپوکی پس پشت چلی جاتی ہے اور وہاں ایک دلیر اور بہادر عورت کھڑی نظر آتی ہے خیر تھانیدار چلا گیا اور ہم اندر آ گئے۔ سفر کی وجہ سے تھکے ہوئے تھے جلد ہی سو گئے رات کے نجانے کون سے پہر نامعلوم جانور کی غراہٹوں کی آواز سے ہم جاگ گئے اور ہماری بچی زور زور سے رونے لگی میں جانتا تھا اب یہ میری بیوی شروع ہو جائے گی اور واقعی میرے سوچنے کے عین مطابق وہ شروع بھی ہو گئی۔

یہ کیسی آوازیں ہیں کتنی ہولناک ہیں ہم یہاں نہیں رہ سکتے اجاڑ ویران جگہ ہے نہ بندہ نہ بندہ کی ذات دور دور تک ویرانی ہے آپ تو پتہ نہیں کب کام سے واپس آئیں گے پیچھے میں اکیلی رہتی ہوں میری بچی اور یہ بھوت بنگلہ میں نے یہاں نہیں رہنا۔

بس بھی کر جاؤ میں نے اسے روکنا چاہا کیوں وہ بے اختیار بولی۔

یہاں تو کوئی ڈاکٹر بھی نہیں ہے پاس میں اتنا بول رہی ہو بغیر سانس لیے کچھ ہو گیا تو

انہیں باتوں کے درمیان رات کٹ گئی۔ کل میرے اٹک اسٹیشن پر کام کے کے سلسلے میں پہلا دن تھا میں صبح تیار ہو کر اپنے جلدی واپس آنے کی یقین دہانی کرا کرا اسٹیشن آ گیا یہاں آ کر آس پاس کا سارا جائزہ لیا یہ ریلوے اسٹیشن چاروں طرف سے بلند و بالا پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا اور ان پہاڑوں کے درمیان میں کھوہ میں سے گاڑی نکلتی تھی دائیں جانب پہاڑوں پر اکا دکا درکت تھے اور بائیں جانب بہت بڑا اور گھنا جنگل تھا سب جائزہ لینے کے بعد میں نے رجسٹر پر اپنے آنے کی اطلاع درج کی اپنے ماتحتوں کے نام دیکھے جو کام مجھے کرنے کو کہا گیا تھا وہ کروانا شروع کر دیا اب یہ روٹین چل پڑی شام چھ بجے کے بعد لائٹ نہ ہونے کی وجہ سے کوئی گاڑی نہیں چلتی تھی سو میں بھی ساڑھے چھ تک گھر پہنچ جاتا میں ہر روز شام میں گھر آتے ہوئے پہاڑوں پر ایک جنگل بکرا دیکھتا تھا جو کہ ہر روز ایک ہی وقت پر پہاڑ کے سرے پر آ کھڑا ہوتا۔ یہ جنگل بکرا عام بکروں سے کافی بڑا صحت مند اور بہت ہی خوبصورت تھا اس کی کھال زیبرا کی طرح کالے اور سفید دھاریوں والی تھی جو کہ اسے بہت خوبصورت بناتی مزید یہ کہ اس کے سینگ بہت بڑے اور نوکیلے تھے میں ہر روز شام کو نکلتے ہوئے سوچتا کہ اگر یہ بکرہ میرے ہاتھ لگ جائے تو کیا ہی بات ہے میں اس کا شکار تو کر لوں پر مشکل ہے کہ آن ڈیوٹی میں شکار نہیں ہوتا تھا اور رات ہو جانے پر یہ دکھائی نہیں دیتا تھا اور دوسرے بہت سے خطرناک

جانور بھی نکل آتے جو کہ صبح کی روشنی میں جنگل میں سوئے ہوتے ہیں ویسے بھی یہاں کے پہاڑ بہت اونچے نیچے ہونے کی وجہ سے اس پر چڑھنے میں بھی دیر لگتی اور تب رات ہو جاتی اور یہ بھاگ جاتے ان کی چھٹی حس بہت تیز ہوتی ہے یہ اپنے شکاری کو پہچان لیتے ہیں ایک دن پولیس اسٹیشن کا تھانیدار میرے پاس آنکلا اور یہاں وہاں کی باتوں کے بعد کہنے لگا۔

تمہارے اسٹیشن کے اوپر جو پہاڑ ہے اس پر ہر روز ایک جنگل بکرا آتا ہے میں نے پروگرام بنایا ہے کہ اسے شکار کروں کیا تم میرا ساتھ دو گے۔

میں تو خوش ہو گیا کہ میرے دل کی بات اس نے کہہ دی میں فوراً راضی ہو گیا مگر ایک شرط کے ساتھ میں کہا۔

اس کی کھال میں لوں گا میں اس کی جائے نماز بناؤں گا۔

وہ کہنے لگا نہیں وہ تو پہلے ہی میرا سپاہی مجھ سے وعدہ لے کر مانگ چکا ہے اگر اس میں سے کچھ اور چاہیے تو لے لینا۔

میں نے شکریہ کے ساتھ اس سے اجازت لی اور گھر آگیا اور اپنی زوجہ کو ساری بات بتائی وہ کہنے لگی۔

جو کرنا ہے کرو بس روز کی طرح شام کو ساڑھے چھ بجے واپس آجانا مجھے اب ان جنگل جانوروں سے خوف محسوس ہوتا ہے مجھے۔

تھانیدار نے بتایا تھا کہ یہاں لکڑبگڑ بہت ہیں یہ جہاں جاتے ہیں ایک گروہ کی صورت میں جاتے یہاں اور یہ شیر تک کو بھی دبوچ لیتے ہیں۔ اس لیے زیادہ خطرناک ہیں آپ انہیں کچھ نہ کہیں تو یہ آپ کو کچھ نہیں کہیں گے بس اپنا دروازہ اندر سے بند رکھیں۔

ہمارے بنگلے کا نقشہ اس طرح کا تھا داخلی چھوٹا خوبصورت نقش ونگار والا دروازہ جس کے دونوں طرف باڑ لگا کر صحن بنایا گیا تھا پھر اندر داخل ہونے کے لیے لوہے کا بڑا موٹا دروازہ پھر اندر کمرے وغیرہ آتے تھے داخلی دروازہ جو کہ چھوٹا تھا اور اس کے دونوں طرف باڑ لگا کر چھوٹا صحن بنایا تھا اس صحن کے دائیں اور بائیں دونوں طرف نالیاں تھیں جو کہ کچن میں سے نکلتی تھیں اور کچن میں برتن دھوتے ہوتے جو کھانا وغیرہ بچ جاتا تھا وہ ان نالیوں میں سے ہو کر صحن میں بنی کیاریوں میں چلا جاتا جو کہ بعد میں پرندے وغیرہ کھا جاتے۔

میں نے اپنی بیگم سے وعدہ کیا کہ جلدی آجاؤں گا اور ان دونوں کو اللہ کی پناہ میں دے کر ہفتہ والے دن جب ہماری جلدی چھٹی ہو جاتی ہے باقیوں کے ساتھ اس بکرے کے شکار پر جانکلا مجھے چھٹی ڈیڑھ بجے ہوئی میں گھر دو بجے پہنچا اور اپنی شکار والی رائفل لی اور پھر پہاڑوں کی جانب جہاں سب میرے منتظر تھے وہاں آگیا ہم پہاڑوں پر چڑھ کر چھپ کر بیٹھ گئے اور بکرے کے آنے کا انتظار کرنے لگے بکرا اپنے مقررہ وقت پر پہنچا شام ہونے میں کچھ ہی وقت تھا تھانیدار نے ہم دونوں جس سپاہی نے کھال لینے کا وعدہ کیا تھا وہ والا سپاہی اور میں تھے ہم سے کہا کہ میں گولی چلاؤں گا اور تم دونوں اسے لے کر نیچے آنا اور مرنے سے پہلے ہی ذبح کر لینا ہم تیار ہو کر بیٹھ گئے وہ بکرا آیا تو تھانیدار نے فائر کیا جو کہ غلط گیا اور بکرا بھاگ گیا اور ہم پریشان ہو گئے کہ اب تو وہ ہوشیار ہو گیا ہو گا اب وہ واپس نہیں آئے

گا ہم اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے واپس پہاڑ سے نیچے اتر رہے تھے کہ وہ پھر سے آگیا شاید سے ڈوبتے ہوئے سورج کو دیکھنا پسند تھا تھانیدار نے اب کہ موقع ضائع کیے بغیر دور سے ہی فائر کیا جو کہ اس کے پیٹ میں لگا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا نیچے آگرا ہم نے جلدی سے اسے ذبح کیا اس کی کھال حسب وعدہ سپاہی نے لی اور وہ اپنے گھر ہو لیا جبکہ میں اور تھانیدار اس کی صفائی کرنے لگے اس کام میں ٹائم کا کچھ اندازہ نہیں ہوا۔

جب میں گھر پہنچا تو میرے اوسان خطا ہو گئے مجھے بہت بڑے بڑے خیال آنے لگے کیونکہ بہت سارے لکڑبگڑ میرے گھر کے باڑ لگے صحن کے اندر تھے اور صحن کی باڑ سے ملحق چھوٹا خوبصورت نقش ونگار والا لکڑا کا دروازہ بھی ٹوٹا ہوا تھا میں گھبرا گیا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنے شکار والی رائفل میں اور میرے پاس موجود ساری گولیاں ہوائی فائرنگ میں ضائع کر دی اس ہوائی فائرنگ میں سارے لکڑبگڑ بھاگ گئے وہ بہت خوفناک تھے رات کی روشنی میں ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں کسی جگنو کی مانند جب وہ سب بھاگ گئے تو میں نے بھاگ کر اندر والا دروازہ بجایا جو کہ اندر سے بند تھا دھڑا دھڑ دروازہ بجانے پر اندر سے چیخوں کی آوازیں آنے لگی میں گھبرا گیا اور زور سے چیخا۔

میں ہوں رحمت دروازہ کھولو۔

فوراً ہی دروازہ کھل گیا اور سامنے تھر تھر کانپتی ہوئی میری اہلیہ کھڑی تھی مجھے جلدی سے کھینچ کر اندر لے جا کر دروازہ مقفل کر دیا اور مجھ سے لڑنے لگیں کہنے لگی۔

پہلے تو آپ سرِ شام ہی جلدی آجاتے تھے پر وعدہ خلافی کرتے ہوئے آج دیر سے آئے پر میں نے چھوٹے لکڑی کے دروازہ کو اندر سے کنڈی لگا دی پہلے وہ ہر روز کھلا ہوتا تھا۔ اور خود اندر آگئی کچھ دیر بعد لکڑبگڑ دروازے سے اندر آنے کی کوشش کرنے لگے جب وہ اندر آنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو بہت ہی خوفناک قسم کی آوازیں نکالنے لگے جسے سن کر بختاور جاگ گئی اور زور سے رونے لگی ایک طرف میں اندھیرا کیے اسے چپ کروا رہی تھی کہ اس کی آواز باہر نہ جائے اپنی اور اس کی جان کی فکر پڑی تھی تو دوسری طرف دھیان آپ پر لگا ہوا تھا شکار پر گئے ہیں خیر ہو زیادہ رات ہو گئی ہے کچھ دیر بعد ایسا لگا جیسے کہ دروازہ ٹوٹ گیا ہو اور پھر بہت سارے لکڑبگڑ اندر صحن میں آگئے میں بختاور کو لے کر رضائی میں چھپ گئی پھر مجھے دروازہ بجنے کی آواز سنائی دی تو میں سمجھی کہ جس طرح انہوں نے چھوٹا دروازہ توڑ دیا ہے وہ بڑا بھی توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں میری تو خیر ہے پر مجھے بختاور کی فکر تھی وہ تو بہت چھوٹی ہے میں یہ بھول گئی کہ فائرنگ کی جو آواز سنائی دی ہے تو وہ آپ کی رائفل کی ہے آپ کی آواز سن کر میں بھاگی باہر آئی۔

وہ رات ہم نے جاگ کر گزاری بعد میں ہمیں یہ معلوم ہو چلا کہ ہمارے صحن کا چھوٹا لکڑی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا جس کی وجہ سے لکڑبگڑ آرام سے صحن میں آتے ہیں اور صحن میں بنی نالیوں میں سے کچن میں سے آتا بچا کچا کھانا کھا لیتے ہیں مگر اس دن بختاور کی ماں نے خوف کی وجہ سے چھوٹے لکڑی کے دروازے کو کنڈی

لگادی جس کی وجہ سے انہیں اندر آنے میں دشواری ہونے لگی جس کی وجہ سے انہوں نے دروازہ توڑ دیا پہلے تو میں سرے شام ہی لوٹ آتا تھا جس کی وجہ سے کبھی چھوٹے دروازے کو کنڈی لگانے کا خیال نہیں آیا میں پہلی مرتبہ گھر دیر سے آیا تھا اس لیے دروازہ بند کرنے کی وجہ سے یہ سارا واقعہ ہوا کیونکہ یہ جانور تو ہر روز آتے تھے ہمیں ان کے بولنے کی آوازیں تو آتی تھیں۔ مگر یہ آوازیں اس طرح سے ہوتی جیسے کہ کسی جانور کے کھانے کے دوران آتی ہیں یعنی آہستہ سے غرانے کی تو ہم یہ سمجھتے رہے کہ جانور دور ہیں یا کم سے کم ہمارے گھر سے ذرا فاصلہ پر ہیں۔

پھر اس دن کے بعد سے جب تک میری کسی اور جگہ تبدیلی نہیں ہوئی میں ہر روز سر شام ہی گھر لوٹ آتا اور ہاں میں آپ کو یہ بتانا تو بھول ہی گیا اس واقعہ کے اگلے دن تھانیدار نے مجھے کھال نہ دینے کے بدلے میں بکرے کی ثابت ران بھجوائی تھی جو کہ میں نے شکریہ کہنے کے بدلے وصول کی اور گھر کی راہ لی۔

اگلے دن ڈرامہ نہیں لگنا تھا کستوری والا تو یہ دن سکون سے گزر گیا پھر سوموار والے دن ڈرامہ لگا اور نمرہ ڈرامہ لگا کر بیٹھ گئی اور اس کی آواز تیز کردی میں جو اپنے ہر ضبط لگائے بیٹھی تھی کہ آج جو ہو جائے میں نے نہیں جانا تھوڑا سا دیکھ لوں پھر نہیں جاؤں گی سوچ کر اٹھی پر پھر سے بیٹھ گئی اب نمرہ ہر روز یہ ڈرامہ بڑے شوق سے اونچی آواز میں لگاتی اور دیکھتی حالانکہ جہاں تک مجھے پتہ ہے نمرہ کو ڈراموں میں کوئی دلچسپی نہیں پر جس وقت ڈرامے کا وقت ہوتا ہر کام چھوڑ کر ڈرامہ اونچی آواز میں لگا کر دیکھتی۔

ایک دن ٹی وی لگا ہوا تھا شاید ہفتہ یا دس دنوں بعد میں اس کے کمرے میں جا کر بیٹھنے ہی لگی تھی کہ اس سے پہلے ہی اس نے ٹی وی آف کر دیا اور اس طرح یہاں وہاں دیکھنے لگی جیسے کہ تم جاؤ گی تو میں پھر لگاؤں گی مجھے غصہ آیا کہ میں دس دن بعد آئی ہوں تو بھی یہ ایسا کر رہی ہے تو میں اس سے بولی۔

آپو نمرہ آپ کے کمرے میں ایسا کیا ہے کہ آپ مجھے ہمیشہ یہاں سے نکالنے کی کرتی ہو

میرے کمرے میں سونا ہے چاندی ہے تمہیں اس سے کیا میرا کمرہ ہے جو مرضی کروں تم کون ہوتی ہو مجھے کچھ کہنے والی۔

ویسے آپو اگر آپ مجھے ڈرامہ دیکھنے دے دو تو میں آپ کو سونے چاندی کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی وہ مجھ سے اس جواب کی توقع نہیں رکھتی تھی آگ بگولہ ہوگئی پھر بغیر کسی لحاظ کے مجھ سے بولی۔

تم ہی ہو نا بے غیرت ہاں اس نے مجھے ایسا ہی کہا تھا جو کہ ڈرامہ دیکھنے کے لیے مرتی ہو میں ہوں تو کبھی دیکھوں بھی نہ۔

مام جو کسی کام سے باہر آرہی تھی اس نے اس کی آخری بات سنی اور مجھے تقریباً گھسیٹتے ہوئے اندر لے گئیں اور مجھے بہت برا کہا مجھے زندگی میں شاید پہلی مرتبہ اتنا برا کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر جیسے ہر چیز اپنی جگہ تھم گئی ہو تب سے لے کر آج تک میں ان کے کمرے میں ویسے کسی کام سے جاؤں پر ٹی وی دیکھنے دوبارہ کبھی نہیں گئی میں نے سوچا آنٹی ممتاز کو بتاؤں گی دادو کے بعد ہمارے گھر کا ایک قسم کا سربراہ آنٹی ممتاز ہی ہیں۔ کہ آپو

نے مجھے ایسا کہا۔

میں اگلے دن انٹی کے پاس گئی اور انہیں بتانے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہی تھی کہ آنٹی خود سے بول پڑیں۔

ابنا س بیٹا یہ بری بات ہے کہ آپ اپنی بڑی بہن سے بدتمیزی سے بات کرتی ہو اور اسے کہتی کہ تمہارے کمرے میں ہیرے موتی ہیں میں تمہارا کمرہ توڑ دوں گی۔

میں پریشان ہو کر آنٹی کا منہ دیکھنے لگی کہ میں جو کل رات سے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہی تھی کہ ایسا کہوں گی یہ نہیں بتاؤں گی وغیرہ اور وہ آکر بتا کر چلی گئی۔ اور آنٹی تو مجھے جانتی ہیں کہ میں ایسا نہیں کہہ سکتی پھر بھی مجھے ہی کہہ رہی تھیں خیر میرے سارے مناسب الفاظ اپنی جگہ رہ گئے اور میں بولی بھی تو صرف اتنا کہا۔

میں تو صرف ڈرامہ دیکھنے گئی تھی۔

تمہیں ڈرامہ دیکھنے کا اتنا ہی شوق ہے تو ایک چھوٹا سا ٹی وی اپنے گلے میں لٹکا دو ویسے بھی لڑکیوں کو ٹی وی دیکھنے کا اتنا شوق نہیں ہونا چاہیے آگے لوگ سسرال نہ جانے کیسا ملے۔

اس بات کے ساتھ ہی نمرہ کمرے میں داخل ہوئی اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ دیکھ کر اس سے کہا۔

تم بہت ہی چالاک ہو تم جانتی ہو کہ تم غلط ہو پھر بھی آنٹی کو سارا غلط بتایا نمرہ منہ سے تو کچھ نہیں بولی بس اشارے سے اپنی شہادت کی انگلی اپنی کنپٹی پر رکھ کر اسے گول گھمانے لگی جیسے کہہ رہی ہو کہ یعنی میں پاگل ہوں اور یہ بات وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی کہ میں پاگل ہوں میں یہ بغیر سوچے کہ وہ اشارے کر رہی ہے اور میں غصہ سے اونچا بول رہی ہوں میں اسے بولی۔

پاگل میں نہیں تم ہو تم بہت چالاک چڑیل ہو آنٹی جو ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ کو نمرہ نے ہلایا اور کہا پھوپھو نمرہ آنٹی کو پھوپھو ہی بلاتی تھیں۔

اب دیکھو میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی یہ آپ کا لحاظ کیے بغیر مجھے اتنا سنا رہی ہے پھر آپ کے پیچھے مجھ سے کتنی بدتمیزی کرتی ہوگی اب آپ خود دیکھیں میں کب سے چپ ہوں اور یہ بولے جا رہی ہے۔ اگر میں کچھ بولی تو اسے برا لگے گا مجھ سے آٹھ چھوٹی ہے ہم دونوں میں گیارہ سال کا فرق ہے پھر بھی بدتمیزی کرتی ہے مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر جانے لگی اور میں جو منہ کھولے اس کی تقریر سن رہی تھی جاتے ہوئے وہ میری طرف مسکرا کر دیکھنا نہ بھولی تھی۔ میں نے آنٹی کو ہلایا۔

آنٹی وہ دیکھیں وہ مسکرا رہی ہیں۔

پر آنٹی مجھ پر ہی چڑھ دوڑیں تم کو تمہاری ماں نے کوئی تمیز نہیں سکھائی یا باہر سے کیا سیکھ کر آئے ہو تم ہر وقت اس سے لڑتی رہتی ہو

میرا چھوٹا بھائی ہاتھ میں فیڈر لیے پاس سے گزر رہا تھا آنٹی کو مجھے ڈانٹ پلاتے ہوئے دیکھ کر میرا ہاتھ پکڑ کر ہلانے لگا کہ جیسے کہہ رہا ہو کہ یہاں سے چلو۔ آنٹی مزید کہنے لگیں۔ وہ صابر بچی ہے تم سے کچھ نہیں کہتی پر اپنی ہر بات مجھ سے کرتی ہے تاکہ اس کا دل ہلکا ہو جائے عطاف میرا چھوٹا بھائی مجھے کھینچنے لگا اور میں آنکھوں میں جھلمل کرتے آنسوؤں کو آنٹی اور عطاف سے چھپائے آنٹی سے بغیر کچھ کہے باہر آگئی اور عطاف کے ساتھ سب سے چھپ کر باغ میں آگئی وہ مجھے روتا

ہوا دیکھ کر اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے میرے آنسو صاف کرنے لگا کسی اپنے کا سہارا پاکر آنسو اور پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر آنے لگے عطاف تھا تو چھوٹا پر دیکھتا اور محسوس کرتا تھا مجھ سے کہنے لگا۔

آپو ہم واپس ڈیڈ کے پاس کب جائیں گے یہاں مزہ نہیں آتا ہے۔

یہ سننے کی دیر تھی کہ اپنے اوپر برداشت کرنا مشکل نہیں ناممکن ہو گیا اور میں اتنا زور سے روئی کہ عطاف بھی گھبرا کر رونے لگا اور میں اپنے اوپر ضبط کرتے عطاف کو پیار سے چپ کراتے اندر کمرے میں آ گئی۔

داداجی نے مجھے ایک روسی رائٹر کی کہانی سنائی داداجی بتاتے ہیں کہ روسی پہلے اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے تھے اور انہیں مسلمانوں پر بھی تعجب ہوتا تھا کہ مسلمان کس غیب کی طاقت پر بھروسہ رکھتے ہیں پر اب روسی اللہ پاک کے ہونے پر یقین رکھتے ہیں پر اب بھی اکثریت ایمان نہیں رکھتی یہ جو کہانی میں آپ کو سنانے لگا ہوں یہ آرٹیکل روسی زبان سے انگلش میں چھپا تھا اور میرے داداجی تو انگلش میں ماہر ہیں۔انہوں نے اسے پڑھا اور اب مجھے سنا رہے تھے کہ ایک آدمی جو کہ شاید فوج میں تھا جنگ کے اختتام پر وہ خوشی خوشی ریل گاڑی پر سوار ہوا وہ بے چینی سے اپنے بیوی بچوں سے ملنے کا منتظر تھا اس فوجی کی سیٹ پر ساتھ میں یہ روسی رائٹر بھی بیٹھا ہوا تھا وہ فوجی کبھی کھڑا ہو جاتا کبھی بیٹھ جاتا اور کبھی ٹہلنے لگتا اس زمانے میں شاید گھڑیاں نہیں ہوتی تھیں۔کیونکہ وہ فوجی بار بار کھڑکی سے سر باہر نکالتا اور سورج کی روشنی سے اندازہ لگاتا کہ ٹرین کے اپنے اسٹیشن پر پہنچنے پر کتنا ٹائم باقی ہے اسی بے چینی میں آدھا گھنٹہ رہ گیا تو روسی رائٹر نے اس سے مخاطب ہو کر بات چیت کا آغاز کیا تو وہ فوجی بتانے لگا کہ میں کافی سال بعد اپنے پیاروں سے ملنے لگا ہوں میں نے ہر لمحہ انہیں مس کیا میرے دو بچے ہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی مجھے یقین ہے کہ انہوں نے جو مجھے کافی سالوں سے نہیں دیکھا ہر میری آنکھوں میں جھلملاتے اپنے عکس اور میرے چہرے پر دکھائی دیتے ان کے پیار کی وجہ سے وہ مجھے ضرور پہچان لیں گے۔

اتنے میں ٹرین نے اسٹیشن کے آجانے کی وسل دی اور آہستہ آہستہ رکنے لگی اس فوجی نے کھڑکی میں سے سر باہر نکالا اور اسے تھوڑے فاصلہ پر ایک عورت ایک لڑکے اور لڑکی کے ساتھ کھڑی نظر آئی اس فوجی نے روسی رائٹر کو ان کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔

میرے بیوی بچے۔اور اس نے اپنا بیگ کندھے پر ڈالا خوشی اس وقت کے چہرے پر لہو بن کر دوڑ رہی تھی اس کی آنکھوں میں بے شمار پیار کے ننھے دیپ جل اٹھے ٹرین آہستہ تھی پر چل رہی تھی وہ اپنا سامان سمیٹ کر دروازے تک آیا ایک ہاتھ سے سامان اور دوسرے ہاتھ سے اس نے ہینڈل کو کڑا رکھا تھا کہ اس کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی جو اس کی طرف دوڑ رہا تھا فوجی کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اس نے اپنی بیوی کو ہاتھ ہلانے کے لیے جیسے ہی ریل گاڑی کا ڈنڈا چھوڑا وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور سر کے بل ریل کی لائنوں پر گرا جس کی وجہ سے اس کا سر تن سے جدا ہو گیا ہر طرف خون پھیل گیا کٹے ہوئے سر کے ہونٹوں پر

پھر بھی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں شاید جدائی کا درد۔۔۔

ہماری کوٹھی کے بالکل سامنے کرائے کے کوارٹرز بنے ہوئے ہیں ان کوارٹرز میں ایک پٹھان فیملی بھی رہتی ہے وہ سات بہنیں اور ایک بھائی ہے سردیوں کے دن تھے ہم سب باہر کھلے صحن میں دھوپ سینکنے کو کرسیاں اور چارپائیاں ڈالے بیٹھے تھے میں بھی مالٹوں سے بھری ٹوکری اور گند الگ سے رکھنے کو مالٹے کے چھلکے ایک اور ٹوکری پاس رکھ کر پاس بیٹھوں کو بھی مالٹے دیتے اور اپنا مالٹا چھیلنے لگی دھوپ تو چمک رہی تھی پر اس میں تپش نہیں تھی میں نے پہلی ہی پھاڑی منہ میں ڈالی تھی کہ پٹھانوں کے گھر سے کسی عورت کی دل دوز چیخ سنائی دی اس چیخ میں اتنا درد تھا کہ میرا دل کانپ اٹھا سب حیران اور پریشان تھے چیخوں کی آوازیں مسلسل آرہی تھیں سب پریشانی میں دروازہ کھول کر باہر نکل پڑے کہ شاید کچھ معلوم ہو سکے کہ انکے گھر کا دروازہ کھلا اور ان سات بہنوں میں سے ایک بہن بھاگ کر ہمارے پاس آئی اور کہنے لگی۔

باجی موبائل ہے تو دیں ابو سے بات کرنی ہے۔

آنٹی ممتاز کے ہاتھ میں موبائل تھا وہ انہوں نے اسے دے دیا وہ نمبر دبانے لگی کچھ دیر تک کان سے لگا پھر موبائل واپس کر کے دوبارہ اپنے گھر بھاگ گئی شاید اس کے ابو کا موبائل بند ہو یا جواب موصول نہ ہو رہا تھا پر اس کی اپنے ابو سے بات نہ ہو سکی اگلے دن وہ بچی ہمارے گھر ہوف لینے آئی تو اس سے میں نے ان چیخوں کے متعلق پوچھا۔تو اس نے بتایا۔

ہمارے سب گھر والوں پر جادو ہے جس کی وجہ سے ہم سب بہت پریشان ہیں دوسرا ہمیں جنوں نے پریشان کر رکھا ہے پہلے یہ میرے ابو پر تھے ان کا علاج کروایا تو وہ ٹھیک ہو گئے پھر وہ سایہ میری اماں پر ہو گیا میری ماں بھی اب ٹھیک ہے اب وہ جن میری سب سے بڑی بہن پر آ گیا ہے وہ نماز اور قرآن بالکل بھی نہیں پڑھتی تو جب بھی وہ نماز یا قرآن پڑھتی ہے تو اسے مار مار کر وہ خون نکال دیتے ہیں وہ اسے پڑھنے سے روکتے ہیں جن بابا جی نے میرے باپ اور اماں پر سے آسیب کو ہٹایا تھا وہ کہتے ہیں کہ تین ماہ تک نماز اور قرآن کی پابندی کرے تو جب تک وہ ان دونوں کی پابندی کرتی ہے تو ٹھیک رہتی ہے اور جیسے ہی چھوڑتی ہے وہ آسیب اس پر حاوی ہو جاتا ہے بابا جی نے کہا تھا کہ نماز اور قرآن کو نہیں چھوڑنا یہ اٹھ دس دن تو نماز اور قرآن پڑھتی ہے تو آسیب اسے کچھ نہیں کہتے تو یہ کہتی ہے وہ چلے گئے ہیں اب میں ٹھیک ہوں تو پھر ان دونوں چیزوں کو چھوڑ دیتی ہے پھر سے وہی حال۔

اب بھی مہینے میں ایک یا دو بار چیخوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں تو ہم سمجھ جاتے ہیں کہ نماز اور قرآن سے کوتاہی برتنے پر اس بے چاری کو مار پڑ ہی جاتی ہے جنات اس پر حاوی ہو چکے ہیں۔

میرے تایا ابو الماس کے بڑے بیٹے زبیر بھائی کی بیگم اور ہماری بھابھی جن کا نام ثمرین ہے وہ ویسے تو بہت اچھی ہیں پر ان میں ایک خرابی ہے کہ وہ پل میں تولا اور پل میں ماشہ والا حساب ہے

ان کا بھی تو چھوٹی سی بات پر غصہ سے اینٹ سے اینٹ بجا دیتی ہے اور کبھی بڑی سے بڑی بات پر بھی اونچا اونچا ہنس رہی ہوتی ہے کہنے کا مطلب یہ کہ ان سے بات کرنے سے پہلے دس بار سوچنا پڑتا ہے کہ کہیں کوئی بات انہیں بری نہ لگ جائے۔ اور یہ اودھم نہ مچا دیں کہتے ہیں ناں کہ ہر باپ کا ایک باپ ہوا ہے تو آپ یہ سمجھ لیں مثال کے طور پر تائی کا باپ بھابھی ثمرین ہے تائی ایک لفظ بولتی ہے تو بھابھی اس کے آگے سو الفاظ بول کر تائی کے ایک لفظ کو گیارہ سو بنا دیتی ہیں اور یقین کریں بھابی تائی کے آگے اتنی بدتمیزی اور بدلحاظی سے بات کرتی ہیں کہ۔۔۔۔اور تائی ان کے آگے دوسرا لفظ تک نہیں بولتی پر بھابھی ہمارے ساتھ قدرے بہتر ہیں۔

بھابھی نے میرے کہنے پر کہ میں خوفناک ڈائجسٹ میں آپ بیتی لکھ رہی ہوں ڈر کے نام سے تو آپ کوئی سچا واقعہ سنائیں تو بھابھی نے اپنی بہترین دوست کرن کے بارے میں بتایا آئیں میں کرن کی کہانی آپ سب سے شیئر کرتی ہوں۔

کرن میری بہترین دوست ہے میرے بھابھی کا میکے والا گھر اور اس کے گھر میں دو گھروں کا فاصلہ ہے میں اور وہ تیسری جماعت سے ایک ساتھ سکول پڑھتے تھے ہمارے سکول میں ایک جگہ ہے جو کہ بہت ویران اور کونے میں بنی ہوئی ہے۔ وہاں سکول کا کوئی فرد نہیں جاتا میں نے سنا تھا کہ کونے میں انگریزوں کے زمانے کا ایک کم گہرائی والا کنواں بھی ہے ایک دفعہ ہمارے سکول میں دہم کی الوداعی پارٹی تھی تب ہم بھی جوش وخروش سے اس میں شریک ہوئے کیونکہ پھر دہم کے بعد سب نے الگ ہو جانا تھا کوئی دوست کہاں تو کوئی کہاں پارٹی والے دن میں اور کرن بھی تیار ہو کر سکول کے لیے روانہ ہو گئے راستے میں کرن سے مخاطب ہو کر میں نے کہا۔

آج تو تم واقعی سورج کی پہلی کرن لگ رہی ہو پر اس خوبصورتی میں تمہارے میک اپ سے زیادہ تمہارے موٹے گھنے لمبے بالوں کا ہاتھ ہے میں نے اسے رائے دی تمہیں بال نہیں کھولنے چاہیے انہیں بند کر لو وہ ہلکا سا مسکرائی اور بولی۔

امی نے بھی کہا تھا کہ بالوں کی چٹیا بنا لو پر میں سوچ رہی ہوں ہمیشہ تو بند رکھتی ہوں آج پہلی اور آخری دفعہ کھول لوں انہیں باتوں کے دوران ہم سکول پہنچ گئے سکول میں داخل ہو کر ہم نے اپنی چادریں اتاریں اور پارٹی میں شریک ہو گئے جو بھی کرن کے بالوں کو دیکھتا بے اختیار واہ ضرور کہتا بہت اچھا دن گزارنے کے بعد ہم واپس چلنے کی تیاری کرنے لگے ہر جگہ لڑکیوں کا ٹولا بنا ہوا تھا کوئی جگہ خالی نہیں تھی ہم کنویں والی پرسکون جگہ پر آ گئے ہم نے اس کنویں کے متعلق بہت سی باتیں سن رکھی تھیں کہ اس میں آسیب بستا ہے اس لیے یہاں کا پانی سوکھ گیا ہے ٹیچرز کو سختی سے ہدایت تھی کہ کسی کو یہاں نہ آنے دیا جائے اور سب کو صاف بتایا جائے کہ وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہم دونوں کو آسیب والی اس فضول باتوں پر بالکل بھی یقین نہیں تھا ہم نے چادریں نکالی اور اوڑھنے لگے کہ کرن مجھ سے بولی۔

ایک منٹ میں بال باندھ لوں اب تو پارٹی بھی ختم ہو گئی ہے ان کا سٹائل بھی خراب ہو گیا ہے باندھ لینا ہی بہتر ہے مجھے ذرا کنگھی دینا میں نے اسے کنگھی دی اس نے اپنے رانوں تک سے بھی نیچے جاتے سلکی بالوں کو کنگھا کیا انہیں بند کرکے

چادر اوڑھ لی گھر کے لیے روانہ ہونے سے پہلے ہم دونوں نے ایک دفعہ کنویں کی طرف دیکھا جیسے کہ کیا ہوا کچھ بھی نہیں۔ چادریں اوڑھ کر ہم گھر کے لیے روانہ ہو گئے راستے میں میں نے کرن سے کہا۔

دیکھا کنویں کے پاس جانے سے کچھ بھی نہیں ہوا بس فضول کے قصے بنا رکھے ہیں وہ بھی ہنس پڑی انہی باتوں کے کرتے ہمارے گھر آ گئے اور ہم ایک دوسرے سے ملتے گھر میں داخل ہو گئے دو دن تک تو میرے بھائی سعودی عرب سے آئے ہوئے تھے اس لیے میں کرن کی طرف نہ جا سکی تیسرے دن کرن کی امی نے مجھے بلوا بھیجا میں ان کی طرف گئی تو انہوں نے مجھے ایک عجیب بات بتائی جس پر مجھے بالکل بھی یقین نہیں آیا انہوں نے بتایا۔

جب سے کرن سکول سے واپس آئی تھی اس کے سر میں پہلے تو ہلکا درد ہونے لگا جیسے یہ سمجھی کہ شاید پارٹی سے آئی ہے اس لیے پر رات کو سر درد میں شدت آ گئی دوائی کھا کر سو گئی صبح سو کر اٹھی تو سر درد تو ٹھیک تھا پر جب فجر کی نماز پڑھنے کے لیے نیت باندھی تو اسے دورہ پڑ گیا ہم پریشان ہو گئے کہ اسے کیا ہوا فجر کی نماز پڑھنا ہم بھول گئے اور اس کی طرف لپکے کچھ دیر بعد اس کی طبیعت سنبھلی تو اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے پر ڈاکٹر کے مطابق یہ بالکل ٹھیک ہے پھر اسے کیا ہوا یہ جب بھی نماز پڑھتی ہے تو اسے دورہ پڑ جاتا ہے روتی ہے چیخنے لگتی ہے مجھے مت مارو مجھے مت مارو اور کبھی کبھی تو نہا دھو کر لمبی لمبی نمازیں قرآن پاک اور تسبیح پڑھتی ہے ہم تو بڑے پریشان ہو گئے ہیں محلے والی رجو کہتی ہے اسے آسیب ہو گیا ہے میرا تو دل چاہا رجو کا منہ توڑ دوں بھلا میری بچی پر آسیب کہاں سے آ گیا فضول میں پورے محلے میں ڈھنڈورا پیٹ دے گی۔

یہ کہہ کر وہ رونے لگیں اور میں مجھے سکول میں کنواں یاد آ گیا ہم اس کے بالکل پاس گئے تھے اس میں جھانکا نہیں تھا پر میں نے کرن کی امی کو الف سے لے کر ساری بات بتا دی انہوں نے اپنا سر پکڑ لیا بہت سے علاج کروانے پر کوئی افاقہ نہ ہوا اب عاملوں کی باری تھی ہر عامل صاحب کی نئی اور پہلے والے سے زیادہ مہنگی لسٹ ہوتی جس میں موٹا کالا بکرہ کالی مرغی الو کا خون دس ہزار پھر بکرے کی سری وغیرہ درج ہوتا اگر اس لسٹ میں سے کچھ کم کرنے کی اجازت لی جاتی تو عامل صاحب ماتھے پر لاتعداد تیوریاں چڑھا کر جواب دیتے ہمیں اپنی جان کا بھی صدقہ دینا ہوتا ہے اور ہمارے موکلوں میں جان نہیں ہوگی تو تمہاری بچی پر آئے آسیب کو قابو کیسے کریں گے انہیں بھی موکلوں کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہے ہماری جان کو بھی ایسے کاموں میں خطرہ ہوتا ہے بات وہی اتنا کچھ اینٹھنے کے بعد بھی کچھ نہیں بنتا تھا ہمارے ایک جاننے والے نے بتایا کہ فلاں پر ایک بہت ہی پہنچے ہوئے بزرگ رہتے ہیں تو ایک بار دکھا لیں سب کے چہرے اتر ہوئے تھے کہ اتنے جعلی اور کھاؤ عاملوں کو دکھا ہیں اب تو ہم کنگال ہو چکے ہیں پر ہوا کچھ بھی نہ پر کرن کی ماں کی ضد پر وہ آخری بار کرن کو دکھا اس بابا جی کو گھر لے آئے بابا جی نے کنویں متعلق ہماری بتائی ساری کہانی سنی اور کرن پڑھ کر پھونکا۔

کون ہو۔

ان کا کبھی تو چھوٹی سی بات پر غصہ سے اینٹ سے اینٹ بجا دیتی ہے اور کبھی بڑی سے بڑی بات پر بھی اونچا اونچا ہنس رہی ہوتی ہے کہنے کا مطلب یہ کہ ان سے بات کرنے سے پہلے دس بار سوچنا پڑتا ہے کہ کہیں کوئی بات انہیں بری نہ لگ جائے۔ اور یہ اودھم نہ مچا دیں کہتے ہیں ناں کہ ہر باپ کا ایک باپ ہوا ہے تو آپ یہ سمجھ لیں مثال کے طور پر تائی کا باپ بھابھی ثمرین ہے تائی ایک لفظ بولتی ہے تو بھابھی اس کے آگے سو الفاظ بول کر تائی کے ایک لفظ کو گیارہ سو بنا دیتی ہیں اور یقین کریں بھابی تائی کے آگے اتنی بدتمیزی اور بدلحاظی سے بات کرتی ہیں کہ۔۔۔۔۔ اور تائی ان کے آگے دوسرا لفظ تک نہیں بولتی پر بھابھی ہمارے ساتھ قدرے بہتر ہیں۔

بھابھی نے میرے کہنے پر کہ میں خوفناک ڈائجسٹ میں آپ بیتی لکھ رہی ہوں ڈر کے نام سے تو آپ کوئی سچا واقعہ سنائیں تو بھابھی نے اپنی بہترین دوست کرن کے بارے میں بتایا آئیں میں کرن کی کہانی آپ سب سے شیئر کرتی ہوں۔

کرن میری بہترین دوست ہے میرے بھابھی کا میکے والا گھر اور اس کے گھر میں دو گھروں کا فاصلہ ہے میں اور وہ تیسری جماعت سے ایک ساتھ سکول پڑھتے تھے ہمارے سکول میں ایک جگہ ہے جو کہ بہت ویران اور کونے میں بنی ہوئی ہے۔ وہاں سکول کا کوئی فرد نہیں جاتا میں نے سنا تھا کہ کونے میں انگریزوں کے زمانے کا ایک کم گہرائی والا کنواں بھی ہے ایک دفعہ ہمارے سکول میں دہم کی الوداعی پارٹی تھی تب ہم بھی جوش وخروش سے اس میں شریک ہوئے کیونکہ پھر دہم کے بعد سب نے الگ ہو جانا تھا کوئی دوست کہاں تو کوئی کہاں پارٹی والے دن میں اور کرن بھی تیار ہو کر سکول کے لیے روانہ ہو گئے راستے میں کرن سے مخاطب ہو کر میں نے کہا۔

آج تو تم واقعی سورج کی پہلی کرن لگ رہی ہو پر اس خوبصورتی میں تمہارے میک اپ سے زیادہ تمہارے موٹے گھنے لمبے بالوں کا ہاتھ ہے میں نے اسے رائے دی تمہیں بال نہیں کھولنے چاہیے انہیں بند کر لو وہ ہلکا سا مسکرائی اور بولی۔

امی نے بھی کہا تھا کہ بالوں کی چٹیا بنا لو پر میں سوچ رہی ہوں ہمیشہ تو بند رکھتی ہوں آج پہلی اور آخری دفعہ کھول لوں انہیں باتوں کے دوران ہم سکول پہنچ گئے سکول میں داخل ہو کر ہم نے اپنی چادریں اتاریں اور پارٹی میں شریک ہو گئے جو بھی کرن کے بالوں کو دیکھتا بے اختیار واہ ضرور کہتا بہت اچھا دن گزارنے کے بعد ہم واپس چلنے کی تیاری کرنے لگے ہر جگہ لڑکیوں کا ٹولا بنا ہوا تھا کوئی جگہ خالی نہیں تھی ہم کنویں والی پر سکون جگہ پر آ گئے ہم نے اس کنویں کے متعلق بہت سی باتیں سن رکھی تھیں کہ اس میں آسیب بستا ہے اس لیے یہاں کا پانی سوکھ گیا ہے ٹیچرز کو سختی سے ہدایت تھی کہ کسی کو یہاں نہ آنے دیا جائے اور سب کو صاف بتایا جائے کہ وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہم دونوں کو آسیب والی اس فضول باتوں پر بالکل بھی یقین نہیں تھا ہم نے چادریں نکالی اور اوڑھنے لگے کہ کرن نے مجھ سے بولی۔

ایک منٹ میں بال باندھ لوں اب تو پارٹی بھی ختم ہو گئی ہے ان کا سٹائل بھی خراب ہو گیا ہے باندھ لینا ہی بہتر ہے مجھے ذرا کنگھی دینا میں نے اسے کنگھی دی اس نے اپنے رانوں تک سے بھی نیچے جاتے سلکی بالوں کو کنگھا کیا انہیں بند کر کے

چادر اوڑھ لی گھر کے لیے روانہ ہونے سے پہلے ہم دونوں نے ایک دفعہ کنویں کی طرف دیکھا جیسے کہ کیا ہوا کچھ بھی نہیں۔ چادریں اوڑھ کر ہم گھر کے لیے روانہ ہو گئے راستے میں میں نے کرن سے کہا۔

دیکھا کنویں کے پاس جانے سے کچھ بھی نہیں ہوا بس فضول کے قصے بنا رکھے ہیں وہ بھی ہنس پڑی انہی باتوں کے کرتے ہمارے گھر آ گئے اور ہم ایک دوسرے سے ملتے گھر میں داخل ہو گئے دو دن تک تو میرے بھائی سعودی عرب سے آئے ہوئے تھے اس لیے میں کرن کی طرف نہ جا سکی تیسرے دن کرن کی امی نے مجھے بلوا بھیجا میں ان کی طرف گئی تو انہوں نے مجھے ایک عجیب بات بتائی جس پر مجھے بالکل بھی یقین نہیں آیا انہوں نے بتایا۔

جب سے کرن سکول سے واپس آئی تھی اس کے سر میں پہلے تو ہلکا درد ہونے لگا جیسے یہ سمجھی کہ شاید پارٹی سے آئی ہے اس لیے پر رات کو سر درد میں شدت آ گئی دوائی کھا کر سو گئی صبح سو کر اٹھی تو سر درد تو ٹھیک تھا پر جب فجر کی نماز پڑھنے کے لیے نیت باندھی تو اسے دورہ پڑ گیا ہم پریشان ہو گئے کہ اسے کیا ہوا فجر کی نماز پڑھنا ہم بھول گئے اور اس کی طرف لپکے کچھ دیر بعد اس کی طبیعت سنبھلی تو اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے پر ڈاکٹر کے مطابق یہ بالکل ٹھیک ہے پھر اسے کیا ہوا یہ جب بھی نماز پڑھتی ہے تو اسے دورہ پڑ جاتا ہے روتی ہے چیخنے لگتی ہے مجھے مت مارو مجھے مت مارو اور کبھی تو نہا دھو کر لمبی لمبی نمازیں قرآن پاک اور تسبیح پڑھتی ہے ہم تو بڑے پریشان ہو گئے ہیں محلے والے رجو کہتی ہے اسے آسیب ہو گیا ہے میرا تو دل چاہا رجو کا منہ توڑ دوں بھلا میری بچی پر آسیب کہاں سے آ گیا فضول میں پورے محلے میں ڈھنڈورا پیٹ دے گی۔

یہ کہہ کر وہ رونے لگیں اور میں مجھے سکول میں کنواں یاد آ گیا ہم اس کے بالکل پاس گئے تھے اس میں جھانکا نہیں تھا پر میں نے کرن کی امی کو الف سے لے کر ساری بات بتا دی انہوں نے اپنا سر پکڑ لیا بہت سے علاج کروانے پر کوئی افاقہ نہ ہوا اب عاملوں کی باری تھی ہر عامل صاحب کی نئی اور پہلے والے سے زیادہ مہنگی لسٹ ہوتی جس میں موٹا کالا بکرہ کالی مرغی الو کا خون دس ہزار پھر بکرے کی سری وغیرہ درج ہوتا اگر اس لسٹ میں سے کچھ کم کرنے کی اجازت لی جاتی تو عامل صاحب ماتھے پر لاتعداد تیوریاں چڑھا کر جواب دیتے ہمیں اپنی جان کا بھی صدقہ دینا ہوتا ہے اور ہمارے موکلوں میں جان نہیں ہوگی تو تمہاری بچی پر آئے آسیب کو قابو کیسے کریں گے انہیں بھی موکلوں کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہے ہماری جان کو بھی ایسے کاموں میں خطرہ ہوتا ہے بات جب وہی اتنا کچھ اینٹھنے کے بعد بھی کچھ نہیں بنتا تھا ہمارے ایک جاننے والے نے بتایا کہ فلاں جگہ پر ایک بہت ہی پہنچے ہوئے بزرگ رہتے ہیں کو ایک بار دکھائیں سب کے چہرے اتر ہوئے تھے کہ اتنے جعلی اور کھاؤ عاملوں کو دکھا ہیں اب تو ہم کنگال ہو چکے ہیں پر ہوا کچھ بھی نہ پر کرن کی ماں کی ضد پر وہ آخری بار کرن کو دکھا اس بابا جی کو گھر لے آئے بابا جی نے کنویں متعلق ہماری بتائی ساری کہانی سنی اور کرن پڑھ کر پھونکا۔

کون ہو۔

وہ مرد کی آواز میں کہنے لگی میں فلاں فلاں جن ہو مسلمان ہوں میرا یہ نام ہے اور میں اسے پسند کرتا ہوں پر اس پر عیسائی جن بھی قابض ہے وہ مجھ سے طاقت میں زیادہ ہے میں نے بہت کوشش کی پر وہ اسے نہیں چھوڑتا باباجی کے بہت سمجھانے پر وہ مسلمان جن تو کرن کو چھوڑ کر چلا گیا پر دوسرے نے اب تک ہار نہیں مانی وہ اب بھی کرن کے ساتھ ہے اسے کوئی بھی نماز یا قرآن پاک پڑھنے پر اذیت دیتا ہے۔

باباجی نے کہا کہ اگر کرن کے بال کاٹ دیئے جائیں تو شاید وہ جن اسے چھوڑ دے پر اس سے آگے میں خود بے بس ہوں وہ جن واقعی بہت طاقتور ہے یہ کہہ کر باباجی نے جتنا ہم نے خوشی سے دیا بغیر ایک لفظ بولے لے کر چلے گئے کرن کی حالت اب بھی ویسی ہے باباجی کے کہنے کے مطابق بہت کوشش کر کے کرن کے بال کاٹنے کی کوشش کی پر اتنا برا ہوا کہ اس جن نے کرن کی ٹانگ توڑ دی گھر میں آگ لگا دی اور جو سب سے زیادہ برا ہوا وہ یہ کہ کرن کا چھوٹا بھائی غائب ہو گیا پھر کرن ہی کی زبانی یہ معلوم چلا کہ یہ سب اس جن نے کیا ہے تاکہ بال نہ کاٹے جائیں پھر اس وعدے پر کہ وہ ہمارے گھر والوں کو نقصان نہیں پہنچائے گا ہم نے آئندہ بال نہ کاٹنے کی بھی کوشش نہیں کی کرن کا بھائی کرن کے بیڈ پر بے ہوش حالت میں پڑا ملا اس کا کہنا تھا کہ وہ تو بیٹ بال کھیل رہا تھا پھر پتہ نہیں کیا ہوا چکر آئے اور اب یہاں ہوں اسے کچھ بھی یاد نہیں اس بات کو اب چھ سے زیادہ سال ہو چکے ہیں پر وہ جن اب بھی کرن کے ساتھ ہے اور اب تو کرن اس کی عادی ہو چکی ہے۔

ہمارے تایا ابو الماس کا چھوٹا بیٹا بابر جو پڑھائی میں تیز تھا پر پڑھنے سے گھبراتا تھا جب اس نے پڑھائی مکمل چھوڑنے کا اعلان کیا تو تایا ابو نے اسے کاستانہ رحمت ہی میں چھوٹی سی دکان ڈال دی تاکہ وہ گھر سے باہر آوارہ لوگوں میں نہ اٹھے بیٹھے وہ سارا دن دکان پر ہوتا رات کو ہر روز آٹھ یا نو ہزار دکان کی ہونے والی کمائی لے کر گھر آتا دکان بہت ہی شاندار چل رہی تھی باہر کی دکان پورے محلے میں واحد دکان تھی سب اسی کے پاس سے سودا سلف لینے آتے تھے جس کی وجہ سے دکان پر بہت رش ہوتا رات کو محلے کے آوارہ اور بدمعاش لڑکے دکان کے باہر بیٹھتے جن کے ساتھ بابر بھی بیٹھتا تایا ابو نے بہت سمجھایا کہ گھر کے باہر بلکہ دکان کے باہر ایسے لوگوں کو نہیں بیٹھانا چاہے کیونکہ دکان پر محلے کی لڑکیاں عورتیں اور بچیاں بھی آتی ہیں مجھے تایا ابو کی اس کے متعلق دو شکائتیں موصول ہوئی ہیں میں آئندہ انہیں یہاں نہ دیکھوں تایا ابو اسے بہت سمجھاتے پر۔۔۔۔

دکان اتنی اچھی چل رہی تھی کہ بابر نے دس ماہ بعد پیسے جوڑ کر اچھی اور مہنگی والی موٹر سائیکل لے لی اور اپنی بہن نمرہ کی شادی ہونے میں بھی اس نے بیس ہزار کی رقم ڈالی سب خوش تھے کہ چلو سکول چھوڑا تو کسی کام پر تو بیٹھ گیا ہے آوارہ تو نہیں بیٹھا دو ماہ بعد تایا ابو جو کہ دکان کی کمائی کے پیسوں کا حساب رکھتے تھے صرف مالی لیے کہ دوکان کتنی ٹھیک چل رہی ہے نہیں تو تایا ابو دکان کی کمائی میں سے روپیہ بھی نہیں لیتے تھے وہ خود حیدرآباد کی ایک بڑی کمپنی میں اکاؤنٹ کے عہدے پر کام کر رہے تھے جن کی اچھی سیلری تھی پچھلے دو ماہ سے دکان کی کمائی میں فرق پڑا تھا پیسے کم سے کم ہونے لگے اور بابر بھی پہلے جو رات کو گیارہ بجے دکان بند کرتا تھا اب نو بجے تک بند کر دیتا تھا پہلے تو تایا ابو نے دھیان نہ دیا پھر کسی کو اس کے پیچھے لگایا کہ ساری رپورٹ دو کے یہ کہاں جاتا ہے کیا کرتا ہے وغیرہ تو تین دن بعد اس آدمی نے جو ساری بات بتائی تو اسے سن کر سب کے ہوش اڑ گئے اس آدمی کے مطابق آپ کا بیٹا قبرستان کے پیچھے بنے ان کے آوارہ دوستوں کے اڈے پر جاتا ہے اور ہاں پر شراب رس والا سگریٹ اور جوا کھیلتا ہے اور رات آٹھ یا نو بجے دکان بند کر کے سارے پیسے وہیں لے جاتا ہے سب پریشان ہو گئے اب یہ ہر روز کا کام بن گیا ایک مخصوص رقم کے علاوہ جو زائد ہوتی بابر وہ جوئے اور چرس پینے پر اڑا دیتا تایا ابو نے سب سے مشورہ کرنے کے بعد دکان بڑے بیٹے زبیر کو سونپ دی۔ جو کہ اسے اب تک رو دھو کر چلا رہا ہے ایک دن دکان پر کچھ لوگ آئے اور زبیر سے کہا کہ تمہارا بھائی قبرستان میں شراب پیتا پکڑا گیا ہے پولیس نے چھاپا مارا تھا اور باقیوں کے ساتھ اسے بھی لے گئی ہے گھر میں رونا دھونا مچ گیا تایا ابو بے چارے جتنے شریف خدا ترس اور اچھے انسان ہیں سارا محلہ اس بات کی گواہی دیتا ہے پر ان کا بیٹا بے چارے تایا ابو بھاگے بھاگے تھانے گئے وہاں سب جو تایا ابو کو جانتے تھے انہوں نے بھی افسوس کا اظہار کیا اور بتایا کہ اسے دس منٹ پہلے سنٹرل جیل منتقل کر دیا گیا ہے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ چار اور بھی تھے سنٹرل جیل جا کر بابر سے ملے تو وہ معافیاں مانگنے لگا کہ اب ایسا کبھی نہیں کروں گا مجھے یہاں سے باہر نکالو مجھے یہاں نہیں رہنا یہاں گھٹن ہے کھانا اچھا نہیں ہے باہر نہیں نکلنے دیتے وغیرہ پر اب کیا ہو سکتا تھا بابر کو تین ماہ کی سزا ہو گئی بابر جیل میں تھا اور کچھ افسوس کرنے اور کچھ ٹوہ لینے آ رہے تھے نمرہ اور تائی کا کھانا پینا حرام تھا بابر کے جیل میں ہونے کے پانچ دن بعد انٹی ریحانہ ملنے آئیں اور ساتھ بابر کا بھی پوچھا۔

آنٹی ریحانہ کا بیٹا سلمان بھائی بابر سے ملنے جاتے اور کھانے پینے کی چیزیں کھلا کر آتے بابر کے کہنے کے مطابق آپ کے جانے کے بعد مجھ سے ساری چیزیں لے جاتے ہیں اور مجھے کچھ نہیں ملتا ہے سوائے پانی میں تیرتی ہوئی دال اور پتلے چاولوں کے آنٹی ریحانہ ملنے آتیں تو شام کو سارے گلشن اقبال پارک گھومنے جانے لگے آنٹی نے عطاف کو بھی ساتھ بھیجنے کو کہا پر مام نے اچھے سے معذرت کر لی مام کا خیال تھا کہ بعد میں کچھ ہوا تو تائی یا نمرہ کی ہمت نہیں کہ آنٹی ریحانہ کی فیملی کے بارے میں کچھ کہہ سکیں پر اگر ہم میں سے کوئی چلا گیا تو ہماری خیر نہیں تین ماہ کی جیل کاٹ کر بابر گھر واپس آ گیا اب وہ کافی بدل گیا تھا اس کا چہرہ دیکھ کر کراہٹ کے ساتھ خوف بھی آتا وہ کوئی کام تو کرتا نہیں تھا سارا دن فارغ رہتا اب اس نے نیا کام پکڑ لیا گھر میں سے پیسے غائب ہونے لگے پھر معلوم ہوا کہ وہ کام تو کرتا نہیں ہے تو پھر پیسے کہاں سے لے اور وہ دوبارہ سے اسی ڈگر پر چل پڑا ہے وہ پھر سے نشہ کرنے لگا تھا جیل میں رہنے کے بعد اسے تالے کھولنے اور توڑنے بھی آ گئے تھے۔

اب جبکہ چیزیں پڑے پڑے غائب

ہو جائیں تو سب تو ایسی سی چیزوں پی لڑ پڑتی اپنے ہی گھر میں رکھی ہر چیز غیر محفوظ ہو گئی ہم بھی ہر چیز کو سنبھالنے لگے بلکہ چھپانے لگے کیونکہ اسے ہر چیز کے بارے میں پتہ چل جاتا تھا کہ کون سی چیز کہاں پڑی ہے۔

ڈیڈی پوپھو کے دو بیٹے تھے بڑے کا نام کریم اور چھوٹے کا نام سلیم میرے ڈیڈ کے پوپھا کو مینڈھے لڑوانے کا بڑا ہی شوق تھا سب ان کو منع کرتے تھے کہ گھر میں چھوٹے بچے ہیں بڑا کریم ساتھ سال کا اور چھوٹ سلیم آٹھ ماہ کا جو کہ ڈرتا تھا سب سمجھاتے کہ تم اپنے گھر میں مینڈھے مت باندھا کرو اور اس شوق کو خیر باد کہہ دو پر ---جب بھی گاؤں میں میلہ لگتا تو پوپھا جی کا مینڈھا اول آتا پوپھا جی اسے مکھن و تازہ دودھ میں گریاں اور پتہ نہیں کیا کیا کھلاتے ایک دن میلہ لگنے سے پہلے پوپھا جی نے مینڈھے کو نہلانے کے لیے گھر کے صحن میں کھڑا کر کے کہ اس کے نہانے کا بندوبست کر آؤں مینڈھا اپنے سامنے رکھی گھاس کھانے لگا اور پوپھا جی صحن سے ملحق واش روم میں داخل ہو گئے کچھ دیر بعد پوپھا جی کا چھوٹا بیٹا سلیم جو کہ تب ڈرتا تھا اور آٹھ ماہ کا تھا مینڈھے کو دیکھ کر پیار سے اس کی طرف بڑھا اور جیسے ہی وہ اپنی زبان میں تا تا کرتا مینڈھے کی طرف بڑھا تو مینڈھا بھڑکا کہ یہ کون مجھ پر حملہ کرنے کو بڑھ رہا ہے جیسے ہی سلیم مختلف آوازیں نکالتا ہوا اس کی طرف گیا پوپھا جی کو سلیم کی آواز سنائی دی۔

وہ جو پانی کا ٹب بھر رہے تھے سے چھوڑ کر سلیم کی طرف بھاگے پر دیر ہو چکی تھی سلیم کیے قریب پہنچنے پر مینڈھا زور آزمائی کرنے کو اپنی طرف سے پہلے پیچھے ہوا اور پھر زور سے اپنی طرف بڑھتے سلیم پر اپنا سر دے مارا وہ اڑتا ہوا دور جا گرا سکے چھوٹے سے سر میں سے بے شمار خون ہر طرف پھیل گیا پھوپھا جی کی چیخ و پکار پر سب جمع ہو گئے مینڈھے کو باندھ دیا گیا اور سلیم کو ہسپتال لے گئے پر ڈاکٹروں نے بتایا کہ کھوپڑی اپنی اصل جگہ سے ہل گئی ہے اس کا بچنا مشکل ہے مگر اس کو لاہور لے جائیں پر اس معصوم کو لاہور لے جانے کی نوبت ہی نہیں آئی راستے ہی میں اس نے دم توڑ دیا وہ قلقاریاں بکھرنے والا معصوم سلیم ابدی نیند جا سویا پوپھا جی کو سکتا ہو گیا جب وہ ہوش میں آئے تو سب سے پہلے اپنے پیارے مینڈھے کو خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا اس کے بعد بہت منتوں مرادوں کے بعد بھی ان کو بیٹا نہیں ہوا تین بیٹیوں کے بعد پوپھا جی کی صحت دن بدن گرنے لگی اور پھر وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب پوپھا جی کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے جن میں سے دو بیٹیاں وفات پا چکی ہیں جبکہ باقی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا کریم اب بھی حیات ہیں۔

ابو کی پوپھو کے واحد بیٹے کریم کو اللہ نے دو بیٹے عطا کیے بڑے کا نام شاہد اور چھوٹے کا عثمان یہ کہانی عثمان کریم کی بہن واجدہ بی بی جو کہ وزیر آباد میں رہتی ہیں ہمارے گھر آئیں تو انہوں نے بتایا کہ عثمان کو بہت زور سے دورے پڑنے لگے۔ ہیں لبے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے اس کی عجیب حرکتیں سب کو ڈرائے دیتی ہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا ماما جی یعنی میرے دادا جی آپ دعا کریں یہ خبر سنا کر مزید کچھ دیر بیٹھ کر وہ چلی گئیں دو دن بعد انٹی

ممتاز اور مام عثمان کا حال پوچھنے انکل کریم کے گھر گئے وہاں سے آ کر مام نے بتایا کہ عثمان کو دورے پڑنے کا دورانیہ زیادہ ہو گیا ہے وہ عجیب وغریب آوازیں نکالتا ہے ورنہ سمجھ آنے والی باتیں کرتا ہے پہلے تو اس کا ڈاکٹری علاج کروایا گیا پر کوئی بھی آرام نہ آیا تو اسے پیر صاحب کے پاس لے گئے ان کا کہنا ہے کہ اس نے کسی ویران جگہ پر پیشاب کیا ہے جس کی وجہ سے اوپری چیزیں اسے چمٹ گئی ہیں۔ بہت علاج کروایا پر کوئی فرق نہیں پڑا ڈاکٹروں کا کہنا ہے خون کی کمی ہے سائیکرس کے مطابق ذہنی دباؤ ہے پیر صاحب کا بیان جنوں کے متعلق تھا عثمان ہر روز کمزور ہوتا جا رہا تھا چہرہ اس کا زرد اور کمر جھک گئی تھی عثمان سے بہت پوچھا پر وہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر خلاؤں میں گھورتا رہتا یا پھر چیخیں مارنے اور خون کی الٹیاں کرنے لگتا سب بہت پریشان تھے جو جہاں جہاں کہہ رہتا تھا اسے وہاں وہاں لے جا رہے تھے پر کوئی افاقہ نہیں ہوا۔

انکل کریم نے ہم عثمان کو ہسپتال لے گئے یہ بہت بے قابو ہو رہا تھا اس کو لوہے کے مضبوط بیڈ کے ساتھ بازوؤں میں پٹے ڈال کر لٹا دیا گیا تھا سانڈ نما وارڈ بوائے کو سے قابو نہیں مشکل ہو رہا تھا میں سائیڈ پر کھڑا دردوابراہیمی کا ورد کر رہا تھا وہ سانڈ نما وارڈ بوائز اسے لٹا کر بازو باندھ کر جیسے ہی جانے لگے اس وقت ہم سب حیران پریشان اور ڈر گئے جب اس اکیلے نے مضبوطی سے باندھی گئی پٹیاں تڑوا کر وہ لوہے کا بھاری بیڈ کسی کھلونے کی طرح ہوا میں دوسری سمت اچھال دیا یہ دیکھ کر ڈاکٹر سمیت سب بھاگ گئے میں خوف سے زیادہ اپنے بیٹے کی حالت پر رو رہا تھا جس کے پاس اسے لے کر جاتا وہ اپنی ایک نئی کہانی سناتا پھر تین ماہ کی اذیت کے بعد کسی نے ایک باباجی کا بتایا اسے لے کر ہم ان کے پاس گئے انہوں نے کہا۔

اسے ساتھ دنوں کے لیے میرے پاس چھوڑ جاؤ پھر سات دنوں کے لیے ہم اسے اس باباجی کے پاس چھوڑ کر پاس میں بنے ایک ہوٹل میں شفٹ ہو گئے سات دنوں بعد ہم بابا کے پاس گئے تو عثمان ہوش میں اور پہلے سے کافی بہتر لگ رہا تھا پر اس کے مطابق اسے کچھ یاد نہیں کہ اس کے ساتھ پچھلے تین ماہ سے کیا ہو رہا تھا وہ ان سب باتوں اور حرکتوں سے انجان تھا جو اس نے ان تین ماہ میں کی تھیں آہستہ آہستہ عثمان تیئس سال کا بھرپور نوجوان ہے پر اسے اپنی تیئس سالہ زندگی کے وہ تین ماہ بالکل بھی یاد نہیں۔

مزید آگے کیا ہوا یہ جاننے کے لیے اس کہانی کا اگلا حصہ ضرور پڑھیے گا۔ امید ہے کہ میری لکھی ہوئی یہ کہانی آپ قارئین کو ضرور پسند آ رہی ہو گی۔ مجھے اپنی رائے سے ضرور نوازیے گا میں آپ کی رائے کا شدت سے انتظار کروں گی۔ اس کے ساتھ اگلے ماہ تک اجازت۔

نہ جانے کیوں دل توڑ گیا وہ
کہ ہم سے کیوں موڑ گیا وہ
دل کی حسرت دل میں رہ گئی
اتنی جلدی چھوڑ گیا وہ
میں تو کھویا تھا سپنوں میں
اور مجھے جھنجوڑ گیا وہ
اپنا دل تو آئینہ تھا اک
اور بے دردی توڑ گیا وہ

وزیر علی

حسین چڑیل

تحریر۔۔احسان سحر۔۔

اندھیرا ڈولتی ہوئی لو آواز کی تھرتھراہٹ اور دروازہ بند فرار کی راستہ مسدود وہ آخری اسٹیشن تک پہنچ گئے تھے زندگی کی گاڑی اس اسٹیشن سے آگے کبھی نہیں جاتی یک بیک گھبراہٹ سی ہوئی چھت کی کھپر زور زور سے بجیں اور لالٹین کی روشنی بجھنے سے پہلے تیزی سے بھڑ کنے لگی۔مرنے سے پہلے زندگی تو تڑپتی ہے بجھنے سے پہلے روشنی بھڑکتی ہے ایک گونجدار آواز کے ساتھ دو کھپر فرش پر آ گرا اور ایک سیاہ سا وجود چھت کی بلندی سے چھلانگ لگا کر دھم سے میز پر آ گیا۔ان دونوں کے حلق سے فلک شگاف چیخیں نکلیں دونوں کرسیوں پر سے اچھل کر کھڑے ہوئے ایک کے ہاتھ کوٹ کی جیب سے نکلے اور کھٹا کے کی آواز کے ساتھ چاقوؤں کے پل باہر آ گئے دوسرے کے شانوں سے کمبل ایک طرف گرا اور دونوں ہاتھ اپنے بچاؤ کے لیے فضا میں بلند ہو گئے لالٹین کی لو رہ رہ کر بھڑک رہی تھی دونوں چاقوؤں کے پھل جگمگا رہے تھے اور بائیں ہاتھ کی چھ انگلیاں تھرا رہی تھیں راجہ شہاب بھڑکتی ہوئی روشنی میں دو چمکتے ہوئے چاقو دیکھ کر ساکت ہو گیا تھا جیسے تحرزدہ ہو گیا ہو یا مارے دہشت کے ہلکی سی جنبش کی بھی سکت نہ رہی ہو۔فیاض نے دھڑکتی اور تھمتی ہوئی روشنی میں چھ انگلیاں دیکھیں انگوٹھے پر انگوٹھا اور حسب عادت وہ بھی دشمن کو دیکھ کر ساکت رہ گیا پھر دونوں سانس لینا ہی بھول گئے دہشت سے پھیلے ہوئے دیدے پھیلے ہی رہ گئے چند ساعتوں تک وہ بے حس و حرکت کھڑے رہے پھر اپنی اپنی کرسیوں پر دھم سے گر گئے اس کے بعد لالٹین کی روشنی مرگئی ڈیننگ روم گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔

ایک سنسنی خیز دردلوں کو جکڑنے والی کہانی۔

چھک۔۔چھک ۔۔۔چھک ۔۔چھک زندگی کے شب و روز بھی چھک چھک طرح ہیں۔ساری زندگی اسی چھک چھک میں گزرتی ہے رات سنسان ہو ٹرین کے مسافر سو رہے ہیں تو ٹرین کی کھڑکی پہ اپنی سوچ پر منحصر ہے ساتھ ہی کھڑکی سے باہر ناچتے تصورات جو دل چاہے دل لو آدھے چاند کی آدھی چاندنی کہر میں لپیٹ کر دھواں دھواں ہو رہی تھی بس انجن کے ہیڈ پر لگی روشنی دسمبر کی دھند نے سارے ماحول کی کالی چادر میں لپیٹ رکھا تھا ایسے ماحول میں انجن کی وسل کی دیو ہیکل عنقریب یہاں سے پلیٹ فارم پر کھڑے ہوتے ہوئے اسٹیشن ماسٹر ہاتھ میں لٹکی ہوئی سگنل لائٹ اور اونچی کر دی تھی اور مین میں تھا اور ٹکٹ کلکٹر بھی۔ٹرین سستی سے چلتی ہوئی پلیٹ فارم پر رک گئی۔ریل کے کمپارٹمنٹ زرد روشنی میں خالی نظر آ رہے تھے کتنی کے چند مسافر پلیٹ فارم پر اترے۔

اسٹیشن ماسٹر یا ٹکٹ کلرک کے پھیلے ہوئے ہاتھوں پر اپنے ٹکٹ رکھتے ہوئے گزر گئے اور انجن کا ڈرائیور اور دفاترین آپس میں باتیں کرتے ہوئے اسٹیشن ماسٹر کے پاس آئے اور اس کے ساتھ کمرے میں چلے گئے اپلیٹ فارم انسانوں سے خالی ہو گیا بظاہر ٹرین بھی انسانوں سے خالی تھی۔

لیکن اگلے کمپارٹمنٹ میں ایک مسافر کھڑکی سے ٹیک لگائے سہما ہوا سا بیٹھا تھا وہ کمپارٹمنٹ سے باہر نکلنے سے پہلے سوچ رہا تھا کہ اس کے کھلا پلیٹ فارم مناسب ہو گا یا وہ بند کمپارٹمنٹ سے محفوظ رہ سکے گا اس ٹرین کے سب سے آخری کمپارٹمنٹ میں ایک تنہا مسافر سہما بیٹھا تھا اس کے سر پر اونی ٹوپی تھی وہ گرے رنگ کے کمبل میں اس طرح لپٹا ہوا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ کمبل میں چھپ گئے تھے اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ موت انسان کی زندگی کے پیچھے دوڑتی ہے میں یہاں چھپا بیٹھا رہوں گا تب بھی موت میری شہ رگ کے قریب رہے گی مجھے ڈرنے کے بجائے ہمت سے کام لینا چاہئے بستی یہاں سے تین میل دور ہے میں اپنے دشمن کو سینکڑوں میل پیچھے چھوڑ آیا ہوں وہ کوئی جن بھوت نہیں ہیں کہ اس ویرانے میں بھی آجاتے ہیں میں فضول ڈر رہا ہوں مجھے یہاں سے نکل کر فوراً ہی بستی کی طرف جانا چاہئے ابھی میری خالہ جاگ رہی ہو گی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اگلے کمپارٹمنٹ کا مسافر بھی کھڑا ہو گیا۔

اس نے پلیٹ فارم پر اترنے سے پہلے دوسری طرف کی کھڑکی کھول کر دیکھا وہ اس علاقے میں پہلی بار آیا تھا اس لیے آس پاس کے ماحول کو دیکھنا اور سمجھنا ضروری تھا ٹرین کی دوسری طرف کھلی ہوئی کھڑکی سے دور تک کچھ دکھائی نہ دیا کیونکہ کہر کی چادر نے بہت کچھ چھپا رکھا تھا اور جو چیز چھپ جائے وہ بھلا کہاں نظر آتی ہے چند گز کے فاصلے پر نئی اور پرانی قبریں نظر آ رہی تھیں ان پر وہ انسان آرام کر رہے تھے جو کبھی زندہ تھے قبروں کو دیکھ کر موت یاد آتی ہے اور موت کی یاد نے اس کے جسم پر جھرجھری پیدا کر دی وہ کہاں آ گیا تھا سڑک کی ایک ریلوے اسٹیشن تھا اور دوسری طرف انسانی مسافرت کا آخری اسٹیشن نظر آ رہا تھا اس نے کھڑکی کا شٹر گرا دیا وہ جلدی سے پلیٹ کمپارٹمنٹ سے باہر نکلا اور پلیٹ فارم پر آ گیا کھلی فضا میں آ کر اسے یوں لگا کہ وہ اتنی بڑی دنیا میں بالکل تنہا کھڑا ہے دور دور تک سناٹا تھا آدھے چاند کی رات کی سیاہی میں دم توڑ رہی تھی چاروں طرف شبنمی کفن پھیلا ہوا تھا وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھانے لگا پلیٹ فارم پر پتھر ملے کوئلے کی بجریاں بکھری ہوئی تھی وہ چلتے چلتے تھک گیا تھا اسے پلیٹ فارم کے آخری بجریوں کا ماتم سنائی دیا چند لمحوں تک سناٹا چھایا رہا دونوں نے پھر سوچا کہ وہاں کوئی دوسرا نہیں ہے یہ اپنے ہی قدموں کی آوازیں ہیں جو سناٹے میں دور تک جاتی ہیں اور بازگشت بن جاتی ہیں وہ مطمئن ہو کر اسٹیشن کے کمرے کی طرف جانے لگے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا لالٹین کی روشنی باہر تک آ رہی تھی اس روشنی کے قریب پہنچ کر پہلی بار دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا وہ دونوں ہی ڈرے ڈرے سے لگ رہے تھے

شبنمی دھند میں وہ ایک دوسرے کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے قریب آ کر بھی ایک دوسرے کو پہچاننے کی کوشش نہیں کر سکتے تھے دلوں میں رہی سہی ہمت تھی کہ ایک دوسرے کے متعلق ذرا زبان ہلا کر بھی کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔۔

اسٹیشن ماسٹر کے کمرے سے قہقہوں کی آوازیں سن کر ان کا کچھ حوصلہ بڑھا کہ قریب ہی کچھ لوگ موجود ہیں وہاں پناہ مل سکتی ہے وہ دونوں تیزی سے کمرے کی طرف بڑھے کوٹ والا مسافر پہلے کمرے میں پہنچا اس کے بعد کمبل والا آیا اسٹیشن ماسٹر انجن ڈرائیور اور دفاترین کے ہاتھوں میں چائے کی پیالیاں تھیں دو اجنبیوں کو دیکھ کر ان کے قہقہے رک گئے وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگے تھے وہ دونوں مسافر بھی سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور ایک دوسرے کو پہچان رہے تھے کہ وہ اپنے دشمن کے چہرے سے پہچانتے تھے عجیب سی بات تھی دونوں ہی انجان دشمن سے ڈرے ہوئے تھے وہ دشمن تھے ان کا ان لوگوں نے چہرہ نہیں دیکھا تھا موت کا چہرہ کس نے دیکھا ہے انہوں نے تو ابھی تک نہیں دیکھا تھا لیکن اتنا یقینی طور پر جانتے تھے کہ موت ان کے آس پاس ہی ہے بالکل قریب ہے اور ٹھیک اسٹیشن کے سامنے ٹرین کے دوسری طرف انسانی زندگی کا آخری اسٹیشن ہے۔ وہ ایک دوسرے کو پہچان نہ سکے کمبل والا مسافر اسٹیشن ماسٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔

میرا نام راجہ شہاب الدین ہے ایمان پورا میں میری خالہ رہتی ہیں آپ جانتے ہیں کہ ایمان پورا یہاں سے بہت دور ہے میں رات کو تنہا وہاں نہیں جا سکتا کیا آپ مجھے یہاں پناہ دیں گے۔

تم تنہا کیوں نہیں جا سکتے اسٹیشن ماسٹر نے اس کی بات سنتے ہی اس سے پوچھا لوگ راتوں رات پچاسوں میل پیدل چلے جاتے ہیں اس علاقے میں بھی کوئی چوری ڈکیتی یا قتل کی واردات نہیں ہوتی تم ہٹے کٹے ہو تمہیں تو ہنستے گاتے جانا چاہئے جہاں تک پناہ دینے کا تعلق ہے میں اس کمرے میں کسی مسافر کو رات گزارنے کی اجازت نہیں دیتا ہاں تمہارے لیے ویٹنگ روم کھول سکتا ہوں اسٹیشن ماسٹر نے اپنی بات کو ختم کر کے اجنبی مسافر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں وہ کن آنکھوں سے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے دوسرے مسافر کو بھی دیکھ رہا تھا اچانک دوسرے مسافر نے زبان کھولی اور کہا۔

میرا نام فیاض ہے میں نے ریلوے ٹائم ٹیبل میں دیکھا ہے رانی نگر جانے کے لیے یہاں سے دس بجے رات کو یہاں سے ٹرین جاتی ہے اب دس بجنے والے ہیں کیا ٹرین کی آمد تک میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔

اسٹیشن ماسٹر نے جواب دیا۔ رانی نگر جانے والی ٹرین چوبیس گھنٹے لیٹ ہے اوپر کے علاقوں میں برف باری ہو رہی ہے بس ریلوے لائن سے برف ہٹا دی جائے گی تب ٹرین چلے گی۔

اوہ۔۔ فیاض نے پریشان ہو کر کہا میرے لیے تو مصیبت ہو گئی ہے میں رات کہاں گزاروں گا میں اس علاقے میں پہلی بار آیا ہوں پریشانی اس کی چہرے سے عیاں تھی۔

وہ تینوں راجہ شہاب الدین اور فیاض کو دیکھ کر سوچنے لگے ان کے چہروں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ دونوں مسافر گھبرائے ہوئے ہیں کچھ ڈرے ہوئے سے ہیں۔ آخر کیوں۔ انجن ڈرائیور نے آخر سوچنے کے بعد کہا۔

آپ فیاض صاحب اس علاقے میں پہلی بار آئے ہیں یہاں آپ کا کوئی نہیں آپ ویٹنگ روم میں رات گزار سکتے ہیں بشرطیکہ آپ تنہا رات گزار سکتے ہیں اور راجہ شہاب الدین اس نے دوسرے مسافر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ کی خالہ ایمان پورا میں رہتی ہیں تین میل کا سفر نہیں کر سکتے آپ ایسا کریں کہ فیاض صاحب کو ساتھ لے جائیں انہیں آپ کی خالہ کے ہاں ویٹنگ روم سے زیادہ آرام ملے گا اور آپ کو بھی ایک ہمسفر مل جائے گا۔

ماسٹر نے اپنی بات ختم کر کے ان دونوں کی طرف دیکھا راجہ شہاب الدین نے خوفزدہ نظروں سے فیاض کی طرف دیکھا پھر اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

میں ایک اجنبی کے ساتھ اتنی رات کو کہیں نہیں جا سکتا آپ لوگ نہیں جانتے کہ ایک شخص میری جان کا دشمن ہے۔ اس نے ایک کرائے کے قاتل کو میرے پیچھے لگا رکھا ہے میں اس قاتل کو اس کے چہرے سے نہیں پہچانتا پتہ نہیں وہ کون ہے میں اس اجنبی پر بھروسہ نہیں کروں گا

ماسٹر اور انجن ڈرائیور نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا جیسے وہ کہہ رہے ہو کہ یہ سچ ہے یا جھوٹ میں کرائے قاتل نہیں ہوں یہ عجیب اتفاق ہے کہ میں بھی ایک قاتل سے پیچھا چھڑا کہ بھاگ رہا ہوں اور یہاں تک آیا ہوں اور پھر یہاں سے رانی نگر جانا چاہتا ہوں میں نے اپنے دشمن کو دیکھا ہے اس کے باوجود اسے پہچان نہیں سکتا کیونکہ ہمیشہ سے وہ اپنے روپ بدلتا رہتا ہے آپ لوگ شاید یقین نہ کریں وہ کسی ڈائن کی اولاد ہے۔۔

ماسٹر ڈرائیور اور دفاتر مین نے اسے دیدے پھاڑ کر دیکھا پھر قہقہے ان کے منہ سے جیسے ابل پڑے دفاتر مین نے مشکل سے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

آپ نے پتلون کوٹ پہن رکھا ہے اس لباس سے آپ بڑے لکھے پڑھے سمجھدار نظر آتے ہیں اور باتیں بھوت چڑیلوں والی کر رہے ہو بھئی میں نے تو آج تک کسی ڈائن یا چڑیل کو نہیں دیکھا مگر آپ نے تو چڑیل کی اولاد بھی پیدا کر دی ہے وہ پھر قہقہے لگانے لگے۔

راجہ شہاب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ سنئے جناب یہ فیاض صاحب کی باتیں سن کر میں بھی اب یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں کہ میرا قاتل بھی کسی چڑیل کی اولاد ہے میں نے بھی کہا تھا کہ میں اس کے چہرے سے نہیں پہچانتا دراصل میرے کہنے کا مطلب بھی یہی تھا کہ اپنا روپ وہ بدلتا رہتا ہے اس لیے ہر بار وہ میرے لیے اجنبی ہوتا ہے۔

اسٹیشن ماسٹر نے دفاتر مین کی طرف دیکھا دونوں کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ رقصاں تھی یہاں پر آج انہیں دلچسپ صورتحال کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔ یک نہ شد دو شد۔ اچانک اسٹیشل ماسٹر نے کہا۔

آپ ایک دوسرے کے روپ میں

بدلنے والے دشمن سمجھتے ہیں اور اب یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ آپ دونوں آسیب زدہ ہیں اور اب یہ بات سامنے آ گئی ہے آپ دونوں ایک دوسرے سے خوفزدہ بھی ہیں آپ ایک دوسرے کو روپ بدلنے والا دشمن سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کو چڑیل کی اولاد سمجھ کر سہمے جا رہے ہیں بھئی یہ تو بڑی مضحکہ خیز بات ہے ہم آپ دونوں کو انسان کی اولاد سمجھتے ہیں آپ بھی ایک دوسرے کو انسان سمجھئے۔

ماسٹر نے ان کے ڈر کی وجہ بھی بتائی اور آخر میں نصیحت اور حقیقت سے بھی آگاہ کیا انجن ڈرائیور نے کہا۔

ہاں آپ دونوں دور رہ کر اور خوفزدہ ہو کر ایک دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں آگے بڑھ کر مصافحہ کریں اور دوست بن جائیں۔۔

راجہ شہاب نے اسٹول اٹھایا اور فیاض نے چائے کی کیتلی اور دو پیالیوں کو پکڑ لیا پھر دونوں دفاتر مین کے ساتھ باہر آ گئے باہر وہی دھند چھائی ہوئی تھی دفاتر مین ہاتھ میں لالٹین پکڑے ان سے آگے چل رہا تھا وہ دونوں احتیاط سے آگے پیچھے دیکھتے جا رہے تھے صرف دس قدموں کا فاصلہ تھا دفاتر مین دروازے کا تالا کھولنے لگا۔ خاموش کھڑی ہوئی ٹرین کی دو بوگیوں کے درمیان سے دوسری طرف قبرستان نظر آ رہا تھا دھند میں تو کچھ بھی نظر نہیں آتا لیکن ان دونوں کو چشم تصور میں وہ نظر آ رہا تھا اور وہ دیکھنے سے کترا رہے تھے ویٹنگ روم کا دروازہ کھل گیا انہوں نے اندر جاتے ہی چاروں طرف دیکھا کہ کہیں وہ نادیدہ دشمن چھپا ہوا تو نہیں ٹوائلٹ کا بھی دروازہ کھول کر دیکھا گیا تھا مگر کوئی نہیں تھا۔

اس چار دیواری میں خطرہ نہیں تھا کمرے کے وسط میں ایک بڑی سی گول میز تھی اس کے اطراف کرسیاں رکھی ہوئی تھیں دیواروں کے ساتھ لمبے بنچ تھے جس پر سویا جا سکتا تھا لیکن ان کی آنکھوں سے نیند اڑی ہوئی تھی دفاتر مین کے جاتے ہی فیاض نے دروازہ بند کر کے اندر سے چٹکنی لگا دی پھر سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا چھت کھپریل کی ایک آدھ کھپریل اپنی جگہ سے ذرا سرک گئی تھی اگر گہری دھند نہ ہوتی تو ان آدھ کھپریلوں کے درمیان سے آسمان نظر آ جاتا چھت کمزور نہیں تھی صرف ایک آدھ جگہ سے انفتے پڑ گئے تھے ان سوراخوں سے ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے فیاض نے سوراخوں کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔ راجہ شہاب ذرہ سہمی ہوئی نظروں سے چھت کے اس حصے کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

ہاں مگر صرف ٹھنڈی ہوا آ سکتی ہے اتنے چھوٹے شگافوں سے کوئی دشمن نہیں آ سکتا۔۔

نہیں آ سکتا۔ واقعی فیاض نے تھوک نگلتے ہوئے راجہ کی بات کی تصدیق کی۔

بالکل نہیں آ سکتا وہ ہماری طرح انسان ہے صرف روپ بدلتا ہے جسم نہیں بدل سکتا ہوا بن کر سوئی کے ناکے سے نہیں گزر سکتا وہ ایک دوسرے کو تسلیاں دے کر میز کے اطراف میں موجود کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

دونوں کے درمیان دو گز کا فاصلہ تھا فیاض نے کوٹ تھیلا نما جیب سے اخبار میں لپٹی ہوئی روٹیاں نکالیں اور پھر ایک چوکور ڈبہ نکالا جس میں بھنے ہوئے گوشت کا سالن تھا۔ سالن گرم

کرنے کے بعد فیاض نے راجہ شہاب کو کھانے میں شریک کر لیا۔ دوستی ہو چکی تھی ایک ساتھ کھانا کھانے سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا دونوں لقمے توڑ توڑ کر کھانے لگے۔

فیاض نے لقمہ چباتے ہوئے کہا جاڑے کی رات لمبی ہوتی ہے ہمارے پاس سونے کے لیے بستر اور لحاف نہیں ہے کیوں نہ ہم باتیں کرتے ہوئے رات گزار لیں۔

ہاں راجہ شہاب نے گوشت چبا کر ہڈی ایک طرف رکھتے ہوئے کہا باتیں ضرور کرنی چاہیں باتوں کے دوران وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا۔

اچھا تو پھر پہلے آپ بتائیں آپ کس سے خوفزدہ ہیں۔ فیاض نے بھی ایک ہڈی سے گوشت اچھی طرح نوچ کر کھانے کے بعد اسے راجہ شہاب کے پاس رکھتے ہوئے کہا۔

وہ محض ہڈیاں تھیں اور وہ نہیں جانتے تھے کہ میز پر ہڈیوں کے جمع ہو جانے سے کیسی قیامت آسکتی ہے۔ پیش آنے والے خطرات کی وجوہات سے کوئی باخبر نہیں رہتا چھپی ہوئی چیزیں بھلا کسے نظر آتی ہیں وہ بے چارے بھنا ہوا گوشت کھا رہے تھے راجہ شہاب نے ہڈیوں پر ایک اور ہڈی رکھتے ہوئے کہا۔

میں جس سے خوفزدہ ہوں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون ہے پہلے میں سمجھتا تھا کہ وہ کوئی کرائے کا قاتل ہے لیکن تجریہ کی باتیں یاد آتی ہیں تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ وہ اسی چڑیل کی اولاد ہے۔

تجریہ کون ہے۔ فیاض نے راجہ سے پوچھا اسے اب کافی تجسس ہونے لگا تھا۔

وہ ایک بھکارن تھی ہماری بستی میں صابو فقیر اسے بیاہ کر لایا تھا فقیروں میں نا جانے کہاں سے اتنا حسن آ جاتا ہے ان کی عورتیں تو بالکل کالی کلوٹی ہوتی ہیں یا پھر ایسی گوری اور چٹی ہوتی ہیں جیسے خالص دودھ کی بالائی کو گوندھ کر بنائی گئی ہوں تجریا بھی ایسی ہی تھی کہ اسے آنکھ ہی دیکھتی تھی اور دل پھسلتا تھا جب وہ ایمان پورا کی گلیوں سے گزرتی تھی تو اس کے بھرے بھرے بدن کی بوٹی بوٹی تھرکتی رہتی تھی ایسی مستانہ چال تھی کہ نہ دیکھنے والے بھی دیکھتے ہی رہ جاتے تھے میں بھی دیکھتے ہی دیکھتے اس کا دیوانہ ہو گیا تھا تجریا کی وجہ سے پہلے میں اسے راستے اور گلیوں میں اپنی نگاہوں میں گرفتار کرتا رہا کچھ ہی راتوں میں وہ میری حوصلہ افزائی کرنے لگی کبھی وہ مسکراتی اور کبھی قاتلانہ انداز میں آنکھیں مٹکاری سامنے سے گزر جاتی تھی۔

تجریا کی طرار جوانی کو لگام نہیں دے سکتا تھا اس لیے وہ سر چڑھ گئی تھی۔ اس کی خاطر میں صابو فقیر سے دوستی بڑھانے لگا اس کی آمد بڑھ گئی تھی اور دل والوں کو دیدار کا بہانہ مل گیا ایک انار سو بیمار والی بات تھی لیکن تجریا کی لاٹری میرے ہی نام نکلی وہ مجھ پر مہربان تھی صابو بھی میری بڑی آؤ بھگت کرتا تھا میں اس کی سارا دن بھیک مانگنے سے فائدہ اٹھا کر اس کی جھونپڑی میں کئی کئی گھنٹے بیٹھا رہتا تجریا ہزار بہانوں سے وہاں آتی جاتی رہتی اور میں آنکھیں سینکتا رہتا۔

کبھی ایسا ہوتا کہ صابو بھیک مانگنے کے لیے چلا جاتا ایسے وقت میں جھونپڑی میں پہنچ جاتا اگر کوئی ہم سے کہے کے فقیر کی ہانڈی میں

کھاؤ تو ہم شریف لوگ کبھی اس کی ہانڈی کو منہ نہیں لگائیں گے۔ لیکن تجریا منہ لگ گئی تھی تنہائی کا فائدہ اٹھا کر میں نے کئی بار اسے آغوش میں لیا اور چوما یہ وہ آگ تھی کہ بوسے ہوا دیتے تھے اور آتش شوق بھڑک جاتی تھی۔

ایک دن میں نے رات کو اس سے ملنے کا وعدہ کیا آج رات بارہ بجے قبرستان کے پیچھے گلے لگتے وقت اس کی سرگوشیاں میرے کانوں میں سرسرائیں ایک حسینہ سے جسم میں بھی ملاقات کی جا سکتی ہے اس لیے کہ وہاں تک جذبات لے جاتے ہیں میں نے جذبات کی رو میں یہ نہیں سوچا تھا کہ بعض عورتیں بڑے پیار سے ہمیں ہماری قبر تک لے جاتی ہیں یوں بھی ہمارے ملنے کے لیے کوئی اور مناسب جگہ نہیں تھی۔

جھونپڑی میں صابو فقیر سوتا تھا میرا مکان وہاں سے دور تھا اور اس کی بہ نسبت قبرستان جھونپڑی کے قریب تھا وہ تو چند جمعرات ہے راجہ شہاب کے سوال نے فیاض کو ذرہ پریشان کر دیا تھا جو بڑے انہماک سے یہ ستوری سن رہا تھا وہ اندر ہی اندر زبان کو تھوک سے گیلا کرنے کے بعد بولا ہاں آن نئے چاند کی پہلی جمعرات ہے میری زندگی میں اس کی بڑی اہمیت ہے کیا آپ کی داستاں میں بھی اس کی اہمیت ہے فیاض نے آخر میں راجہ سے سوال کیا۔

ہاں راجہ شہاب نے جواب دیا اور پھر بات کو آگے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگا ۔جب میں قبرستان کے پیچھے پہنچا تو رات آدھی تھی اور آسمان پر آدھا چاند تھا میرے اندر آدھی بزدلی تھی اور آدھی دلیری اتنی رات کو میں اپنے باپ کی قبر پر کبھی فاتحہ پڑھنے نہیں جاتا تھا لیکن ایک حسینہ کا فاتحہ ملنے کی ہوس میں چلا آیا تھا وہ مقررہ وقت پر آ گئی وہ عام طور پر گھاگھرا اور چولی پہنتی تھی لیکن اس وقت مکھی طرز کی لاس پہنے ہوئے تھی دونوں بازوؤں شانے اور سینے کی بلندیوں کا نصف حصہ عریاں تھا بدن کی اجلی اجلی چکناہٹ چاندنی کو اپنے اندر جذب کر رہی تھی سینے سے ٹخنوں تک ریشم کی باریک میکسی تھی جن کے پیچھے سے بدن کی رنگت پھوٹ رہی تھی کلائیوں میں کنگن دونوں بازوؤں پر سونے کے کنگن اور گلے میں ننھی ننھی ہڈیوں کی ایک مالا تھی راجہ شہاب نے یہ کہتے ہوئے چپ سادھ لی۔

یہ سنتے ہی فیاض نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہڈیوں کے ڈھیر پر ہڈی کو پھینک دیا وہ جانتا تھا کہ اب شہاب الدین کیا کہے گا وہ کہے گا کہ اس حسینہ کی دائیں ہتھیلی پر ایک مردہ انسان کی استخوانی کھوپڑی تھی بہت سی کہانیاں ایسی ہی ہوتی ہیں جن کا انجام پہلے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے اور فیاض اس کہانی کے کچھ حصوں سے گزر چکا تھا اس نے بے چینی سے پوچھا۔

تو کیا تجریا خالی ہاتھ تھی۔

نہیں۔ شہاب ہڈی سے گوشت نوچ رہا تھا اس کے دانت مصروف تھے وہ صرف نہیں کہہ کر رہ گیا۔

پھر تو اس کی ہتھیلی پر کچھ ہو گا۔ فیاض کے لہجے میں انجانا سا خوف بھی محسوس ہو رہا تھا۔

ہاں راجہ نے ہڈی پھینکتے ہوئے کہا اس کے دائیں ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ تھا۔

یہ سنتے ہی فیاض نے ایک گہرا سانس لیا جواب اس کی توقع کے خلاف تھا اس سے اس کے گرتے ہوئے اعصاب یک دم ڈھیلے ہو گئے اور وہ خود کو بہتر محسوس کرنے لگا وہ پھر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ شہاب الدین نے اپنی داستاں جاری کی۔

اس کا لباس بدلا ہوا تھا اس کا سنگھار بدلا ہوا تھا وہ پہلے سے زیادہ حسین اور پرکشش ہو گئی تھی میں نے بازو پھیلا دیئے تاکہ وہ میری آغوش میں آجائے لیکن وہ دور ہی دور سے مسکرانے لگی تجریا کی ململی بھی ہوا میں رقص کر رہی تھی میں نے دیکھا اب وہ آہستہ آہستہ تھرک رہی ہے اور رقص انداز میں اس کے پاؤں اٹھ رہے ہیں ہتھیلی پر پھولوں کا گلدستہ جیسے وہ پوجا کے لیے ہتھیلی پر دیک کر تھال سجائے ہوئے میری آرتی اتار رہی ہو۔ میں گم سم کھڑا رہ گیا وہ منظر ہی ایسا خوبصورت اور سحر زدہ تھا کہ مجھے کوئی ہوش ہی نہیں رہا تھا وہ قبرستان مجھے ایک محل لگ رہا تھا جس میں میں اور شہزادی کے ساتھ اس کا رقص دیکھ رہا تھا جانے کیا بات تھی کہ میں اپنی جگہ سے ہل نہ سکا وہ والہانہ انداز میں جھوم جھوم کر ناچ رہی تھی کتنے ہی زاویوں سے انگ انگ کی نمائش کر رہی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ رقص کے پس منظر میں کہیں ساز بن رہے ہیں درختوں کی پتیاں گنگنا رہی ہیں شاخوں سے شاخیں ٹکرا کر تال دے رہی ہیں اور ٹوٹی ہوئی قبروں سے گزرنے والی ہوا سیٹیاں بجا کر برفانی انداز میں چیخ کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی ہیں۔ پھر وہ رقص کرتی ہوئی میرے قریب آئی میری جانب پشت کر کے تھرکتی ہوئی دوزانوں ہو گئی اس نے پیچھے کی جانب خم کھا کر بایاں ہاتھ زمین پر ٹیک دیا دایاں ہاتھ میری طرف اٹھا ہوا تھا اس کی ہتھیلی پر بدستور گلدستہ موجود تھا اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا پشت کی جانب خم کھانے کے باعث سینہ تن گیا تھا بلندیاں غضب ناک ہو گئی تھی ویسے میرے صبر کا بندھن ٹوٹ گیا تھا میں نے جھک کر اس حسین مکھڑے کو اپنی بانہوں میں لیا اور اپنے ہونٹ اس کے دہکتے ہوئے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔

اسی وقت اچانک دھپ سے کوئی چیز آگری میں نے بوسے کے دوران کن آنکھوں سے دیکھا اس کی ہتھیلی خالی تھی اور نیچے زمین پر ایک انسانی کھوپڑی اس طرح لڑھک رہی تھی کہ پشت میں جا رہی تھی جیسے ابھی اس کی ہتھیلی سے گری ہو لیکن ہتھیلی پر تو گلدستہ تھا شاید گلدستہ بکھر گیا تھا مجھے زیادہ سوچنے کی فرصت نہیں تھی اور نہ میں نے اس پر اتنی توجہ دی اور دھیان دیا تھا ہو سکتا ہے یہ نظروں کا دھوکہ ہو حسن شباب کا ایک گلدستہ میرے بازوؤں میں جو پھولوں کی طرح ملائم تھا اور انگاروں کی طرح دہک رہا تھا اور میں ان انگاروں میں کھیلتا چلا گیا۔

دوسرے دن میں شام کے وقت صابو فقیر کی جھونپڑی میں آیا تو وہ کچھ پریشان سا نظر آرہا تھا میرے وہاں پہنچتے ہی اس نے تجریا کو کسی کام سے باہر بھیج دیا تجریا کے جاتے ہی اس نے مجھ سے کہا۔

شہاب بابو میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں اگر آپ میری بات کو مذاق

نہ سمجھیں تو میں کہوں۔ اس کے لہجے میں سنجیدگی اور پراسراریت بھری ہوئی تھی۔ میں نے اس کو یقین دلایا کہ اس کی بات کو سنجیدگی سے سنوں گا وہ چند لمحوں تک تو سر جھکائے بیٹھا رہا۔

اس نے کہا۔ جو میری گھر والی ہے نا تجریا۔ یہ رات کو مر جاتی ہے۔

میں نے حیرانگی سے آنکھیں پھیلا کر اسے یوں دیکھا جیسے میرے سامنے کوئی پاگل بیٹھا ہو مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں اس نے بات ہی ایسی عجیب وغریب کر دی تھی کہ اس طرح کا بھی یقین نہیں ہو رہا تھا اس نے مجھے چپ بیٹھا دیکھ کر ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

میں پہلے ہی جانتا تھا کہ آپ یقین نہیں کریں گے اس نے میرے چہرے پر کشمکش کے آثار دیکھتے ہوئے کہا لیکن آپ ذرا میرے سے میری بات پوری سنیں جب میں اسے بیاہ کر لایا تھا تو وہ ایسی نہیں تھی میں نے کئی راتیں اس کے ساتھ گزاری آج میں آپ سے یہ بات کھل کر کہتا ہوں کہ وہ میرے بس کی نہیں ہے ایک رات وہ مجھ سے لڑنے لگی وہ مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی اور میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا عورت اپنی مرضی سے طلاق لے کر جائے تو جگ ہنسائی ہوتی ہے میں اس کی منت سماجت کرنے لگا کہ وہ مجھے چھوڑنے کا خیال دل سے نکال دے وہ اس گھر میں رہے تو میری عزت بنی رہے گی لیکن عورت صرف شہہ زور کے بس میں عورت بن کر رہتی ہے کمزور کے آگے شیرنی بن جاتی ہے اس نے صاف طور پر کہہ دیا۔

میں نے اسے یہاں رہنے پر مجبور کیا ہے وہ کسی کو اپنا بنا لے گی اور یہ اور زیادہ بدنامی کی بات تھی نہ میں اسے چھوڑ سکتا تھا اور نہ اس کے دوست کو برداشت کر سکتا تھا میری مردانگی کا بھرم اس طرح قائم رہتا کہ وہ مر کر ہی اس گھر سے نکلے۔

پہلے تو میں غصے کی حالت میں سوچتا رہا کہ اس کا گلا دبا کر مار ڈالوں لیکن وہ مجھ سے تگڑی تھی مجھے ہی پچھاڑ دیتی آخر میں نے سب سے آسان راستہ اختیار کیا ایک رات وہ بخار میں مبتلا تھی کہ میں نے دوا کے بہانے اسے زہر دے دیا زہر پیتے ہی وہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈی ہو گئی مجھے اس بات کا ڈر نہیں تھا کہ میں نے زہر دینے کے الزام میں پکڑا جاؤں گا کیونکہ ڈاکٹر نے ہی دوا دی تھی میں نے اس میں زہر کے چند قطرے ٹپکائے تھے پولیس والے پوچھتے تو صاف مکر جاتا لہذہ ڈاکٹر پر الزام آتا میں بہت دیر تک تجریا کی لاش کے ساتھ بیٹھا سوچتا رہا پھر تھانے میں اطلاع دینے کے خیال سے اٹھ گیا دیکھتے ہی شہاب بابو تجریا کی لاش اس کمرے میں تھی وہاں سے چلتا ہوا اس کمرے میں آیا پھر باہر جانے کے لیے میں نے یہ دروازہ کھولا تو ایک دم سے میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے باہر برآمدے میں تجریا کھڑی ہوئی تھی اور وہ مجھے گھور گھور کر دیکھ رہی تھی میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ بند کر دیا تھا میرا سارا بدن خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا دل بری طرح دھڑک رہا تھا ذرہ دیر کے بعد میں نے خود کو سنبھالا اور چونکہ دروازہ بند ہو چکا تھا اور وہ نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی اس لیے دماغ نے کہا کہ وہ

محض میرا وہم تھا تجریا تو مری پڑی ہے وہ بھلا برآمدے میں کیسے پہنچ سکتی ہے۔

میں نے اپنے اطمینان کے لیے اس کمرے میں پہنچا تو لاش جوں کی توں کھاٹ پر پڑی ہوئی تھی میں نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا دروازہ بند تھا لیکن اسے دوبارہ کھولنے کی ہمت نہ ہوئی میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے پھر میں تیزی سے چلتا ہوا آنگن میں آ گیا مجھے کسی بھی طرح تھانے پہنچنا تھا اس لیے میں نے باہر نکلنے کے لیے پچھلا دروازہ کھولا تو مارے دہشت کے میری گھگھی بندھ گئی وہ پچھلے دروازے کے باہر میرا راستہ روکے کھڑی تھی میں اس کی گھورتی ہوئی نظروں سے نظر نہ ملا سکا۔

وہاں سے بھاگتا ہوا پھر اس کمرے میں آیا تجریا کی لاش اس طرح پڑی ہوئی تھی وہ مردہ تھی اور زندہ بھی تھی میں حیات اور موت کے درمیان گھبرایا گھبرایا سا ادھر ادھر بھاگتا پھر رہا تھا نہ باہر نکل سکتا تھا نہ گھر میں سکون سے بیٹھ سکتا تھا چیخنے چلانے میں کہیں وہ میرا گلہ نہ دبوچ لے میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں میں یہاں اس کونے میں ایک طرف بیٹھ گیا یہاں سے دروازہ بھی نظر آ رہا تھا دوسرے کمرے میں پڑی ہوئی لاش بھی نظر آ رہی تھی صرف آنگن کا پچھلا دروازہ نگاہوں سے اوجھل تھا مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہاں جا کر اسے بند کر دیتا۔۔

ساری رات اسی طرح بیٹھا رہا جب صبح کی ہلکی ہلکی سی روشنی چمکنے لگی تو وہ آنگن کے کھلے ہوئے دروازے سے اس کمرے میں آ گئی جہاں لاش پڑی ہوئی تھی وہ بھی اس کی اپنی پھر وہ چارپائی پر اسی طرح لیٹ گئی کہ ایک روح کی مانند اسی لاش کے اندر سما گئی دوسرے لمحے وہ مردہ تجریا اٹھ کر بیٹھ گئی دوبارہ زندہ ہوتے ہی وہ مجھے گھورنے لگی اور چارپائی سے اتر کر آہستہ آہستہ وہ میرے قریب آنے لگی میں خوف سے لرزتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا یہ تو دیکھ ہی چکا تھا کہ وہ فرار کے تمام راستے روک کر کھڑی ہو جاتی ہے اس لیے وہاں سے بھاگ کر جانے کی ہمت نہ ہوئی وہ میرے قریب آئی اور میری گردن کو دبوچتے ہوئے دانت پیس کر بولی۔

تم نے مجھے زہر دے کر مار ڈالا ہے میں مر چکی ہوں مگر زہریلی ڈائن بن کر ہمیشہ تمہاری گردن پر سوار رہوں گی اگر تم نے کسی سے کہا کہ میں عورت نہیں ڈائن ہوں تو میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گی۔

میں نے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر التجا کی

۔نن۔نہیں کہوں گا مجھے معاف کر دو میں م نہیں چاہتا تم جو کہو گی میں وہی کروں گا۔

میں جو کروں گی اسے تم خاموشی سے ا گونگے تماشائی بن کر رہو گے۔

ہاں مجھے منظور ہے میری گردن چھوڑ میں نے اسے التجا کی۔اس نے میری گرد چھوڑ دی اور آنگن کا دروازہ بند کرنے چلی اس دن سے یہ ڈائن میرے پاس ہے دن وقت دوسروں کے سامنے بڑی فرمابردار بن جاتی ہے جو کہتا ہوں وہ کرتی ہے ابھی نے آپ کے سامنے اسے بازار جانے کا کہا دکان کا سودا لانے تو وہ چپ چاپ چلی گئی

لیکن تنہائی میں وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی پھر رات ہوتے ہی وہ اپنے بستر پر جا کر لیٹ جاتی ہے اور لیٹتے ہی صبح تک کیسے مر جاتی ہے۔ یہ کہہ کر صابو فقیر ذرا دیر کے لیے خاموش ہو گیا اس نے اب تک جو کچھ کہا تھا میں اسے بکواس سمجھ رہا تھا اس کی کہانی کے مطابق تجریا زندہ نہیں تھی مر گئی تھی مرنے کے بعد وہ چڑیل بن گئی تھی کوئی دوسرا ہوتا تو اس کی بات کا یقین کر لیتا لیکن میں پچھلی رات اس حسینہ کے ساتھ گزار چکا ہوں یہ یقین نہیں کر سکتا کہ چڑیل اتنی حسین اور دل نشیں ہو سکتی ہے وہ بکواس کر رہا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ اسے میرے اور تجریا کے تعلقات کا علم ہو چکا ہے چونکہ وہ جسمانی لحاظ سے کمزور تھا غریب تھا مجھے للکار نہیں سکتا تھا اس لیے ایسی بیگانہ اور من گھڑت کہانی سنا رہا تھا۔ وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ میں اس حسینہ کو چڑیل سمجھ کر اپنے دل سے اس کا خیال نکال دوں اور میں نے اس کی حماقت پر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

کیا وہ چڑیل بن کر تمہیں کوئی نقصان پہنچاتی ہے۔۔۔

نہیں ابھی تک تو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہی لیکن مجھے نقصان پہنچ سکتا ہے وہ اکثر آدھی رات کو قبرستان کے پچھواڑے جاتی ہے اور وہاں ایک کاٹھ کے پتلے کے ساتھ وقت گزارتی ہے۔

کاٹھ کا پتلا میں نے تعجب سے کہا کیا کاٹھ کے پتلے میں جان ہوتی ہے لگتا ہے تم کچھ بھول رہے ہو تم نے کہا تھا کہ رات کو مر جاتی ہے پھر وہ رات کے وقت قبرستان کیسے جاتی ہے۔

میں نے غلط نہیں کہا وہ رات کو مر جاتی ہے تمام رات اس کی لاش اس کمرے میں پڑی رہتی ہے چند راتیں اس لاش پر پریشان ہو کر گھر سے نکل گیا سوچا کہ اب فقیر کے ہاں جا کر سو جاتا ہوں وہاں تک پہنچنے کے لیے مجھے جب قبرستان سے گزرنا پڑا تو تجریا کو دیکھ کر مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی میں سمجھا کہ میرا راستہ روکنے آ گئی ہے لیکن ایسی بات نہیں تھی وہ مجھے دیکھ کر انجان بن گئی تھی اس وقت کاٹھ کے ایک پتلے کے سامنے رقص کے انداز میں لہرا رہی تھی۔

صابو فقیر کی بات سن کر میرا یقین ڈگمگانے لگا وہ انسانی کھوپڑی یاد آ گئی جو نشیب میں لڑھکتی جا رہی تھی لیکن میں نے تو اس کی دائیں ہتھیلی پر پھولوں کا گلدستہ دیکھا تھا پھولوں سے بھرے گلدستے اور انسانی کھوپڑی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

میں صابو فقیر کا بیان سن کر الجھ گیا کیونکہ وہ تجریا کے رقص کرنے کا جو انداز پیش کر رہا تھا وہ میری چشم تصور میں واضح ہوتا جا رہا تھا میں کاٹھ کے پتلے کی طرح ساکت کھڑا تھا اور تجریا رقص کے ذریعے مجھے لبھانے کے انداز اختیار کر رہی تھی صابو کے بیان کے مطابق وہ پتلا اس پر جھک گیا تھا جیسا کہ اس پر جھک کر اسے چوم راہ ہو اس کے بعد وہ قبرستان کی ویرانی میں تجریا کے ساتھ گناہ کی تاریکی میں ڈوب رہا تھا جبکہ

وہ جو کچھ بیان کر رہا تھا میں اس رنگین سنگین واقع سے گزر چکا تھا اور اب میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جب تک وہ رقص کرتی ہوئی میرے قریب نہیں آتی تھی اس وقت تک میں کاٹھ کے پتلے کی طرح بے حس وحرکت کھڑا

میرے جسم میں اندر ہی اندر جھرجھری سی پیدا ہوئی میں اس وقت فیصلہ نہ کر سکا کہ واقعی میں ایک بے جان پتلا بن کر رہ گیا تھا یا نہیں اور واقعی میں نے اس کھوپڑی کو لڑھکتے ہوئے دیکھا تھا یا نہیں میں تذبذب میں رہ گیا تھا میں نے اس سے پوچھا۔

کیا اس کاٹھ کے پتلے کی کوئی شکل و صورت تھی۔

ہاں اس کی شکل صورت تھی صابو نے جواب دیا پچھلی کئی راتوں سے اب تک میں اس پتلے میں ایک اجنبی نو جوان کی صورت دیکھتا رہا جب اس کا شیطانی ناچ مکمل ہو جاتا ہے اور جب وہ اس کے قریب جاتی ہے تو پتلے میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ پتلا اسی اجنبی کے روپ میں مکمل ہو کر اسے اپنی آغوش میں لے لیتا ہے اور مردہ کھوپڑی لڑھک کر زمین پر آجاتی ہے یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

سب کچھ وہی تھا وہ جو کچھ کہہ رہا تھا میرے تجریا کے عین مطابق کہہ رہا تھا پھر اس نے مجھے کچھ اور زیادہ چونکا دیا۔

شہاب بابو اب جو بات میں آپ کو کہنے جا رہا ہوں شاید آپ اس پر یقین نہ کریں لیکن کل رات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کل رات کھاٹھ کے پتلے میں اجنبی نو جوان کی صورت نظر آرہی تھی صورت بدل گئی تھی اور وہاں آپ کی شکل نظر آرہی تھی۔

میں چونک کر صابو فقیر کو دیکھنے لگا وہ اپنی ہی دھن میں کہے جا رہا تھا میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں وہ کاٹھ کا پتلا آپ کی شکل اور آپ کی جسامت میں تبدیل ہو گیا تھا آپ یقین کریں کل رات سے پہلے وہ جس اجنبی نوجوان کے ساتھ گناہ کر کے شیطانی کھیل کھیلتی تھی اس سے اس کا دل بھر گیا تھا اس لیے اس نے کل رات اپنے شیطانی عمل سے آپ کو وہاں بلایا تھا پتہ نہیں آپ کو اس بات کا علم ہے یا نہیں لیکن میں نے کل رات ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ آپ کو ساری بات بتا دوں گا آپ شریف آدمی ہیں میں نہیں چاہتا کہ آپ اس کے قرب میں آکر تباہ ہو جائیں۔

اس کی بات سن کر میں عجیب الجھن میں گرفتار ہو گیا اس کی بہت سی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرتا رہا کہ اچانک تجریا وہاں آگئی وہ صابو فقیر کو گھور رہی تھی شاید اس کو پتہ چل گیا تھا کہ اس کا خاوند اس کے متعلق ہی الٹی سیدھی باتیں کر رہا ہے اس وقت میں اس کی گھورتی ہوئی نگاہوں پر غور نہ کر سکا کیونکہ گھاگرے اور چولی میں کسا ہوا بدن میری نگاہوں کو پکار رہا تھا اور پچھلی راتوں کے جذباتی لمحات کو زندہ کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے صابو فقیر کے پاس آئی دس دس کے چند نوٹ اس کی طرف پھینکے اور دوسرے کمرے میں چلی گئی وہ روپے وہ دکان دار سے وصول کر کے لائی تھی اس کے آنے کے بعد صابو نے دبی زبان میں کہا۔

شہاب بابو مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکا ہوں اگر آپ خود قبرستان کے پچھواڑے جاتے ہیں تو آئندہ اس سے پرہیز کریں اگر وہ شیطانی کھیل سے آپ کو لائی ہے تو فوراً آپ کسی عامل سے رجوع کریں۔

میں نے اس سے وعدہ کیا کہ اس کی بات پر غور کروں گا وہاں آدھ گھنٹے بیٹھے رہنے کے

دوران تجریا دو چار بار میرے سامنے آئی اس نے صابو سے نظریں بچا کر دیدے دکھاتے ہوئے اشارے سے کہا۔

آج رات پھر ہم اسی قبرستان کے پچھواڑے میں ملیں گے اگرچہ صابو کی باتوں نے مجھے متاثر کیا ہوا تھا لیکن ایک جوان اور حسین عورت کے اشارے صابو کی باتوں سے زیادہ حسین اور پرکشش تھے۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس بار قبرستان جاؤں گا تو تجریا کی محتاط ہو کر شیطانی اور انسانی اداؤں کا مطالعہ کروں گا ذاتی تجربات سے گزرے بغیر میں صابو کی باتوں میں یقین نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا ایک گھنٹے بعد مجھے اطلاع ملی کہ صابو خون کی قے کرنے کے بعد مر گیا ہے اس کی اچانک موت سے میرے ذہن پر زبردست جھٹکا سا پہنچا تجریا دوبارہ زندہ ہونے کے بعد سے وارننگ دے چکی تھی کہ اگر تم نے کسی سے کہا کہ میں عورت نہیں ڈائن ہوں تو میں تمہارا گلا گھونٹ کر مار دوں گی تجریا نے اب گلا گھونٹا ہو یا کوئی دوسرا عمل کیا ہو بہر حال صابو فقیر کو چیلنج کے مطابق موت کی نیند سلا دیا تھا

اس وقت کے بعد مجھے تجریا کے پیچھے نہیں جانا چاہتے تھے مگر اب میں کیا کہوں ایک شرابی کو شراب کی طرح پکارتی ہے ایک حسینہ اپنے دیوانے کو کس طرح اپنی طرف کھینچتی ہے میں اس کی وضاحت نہیں کر سکتا وہ ایک بیوہ کی طرح صابو فقیر کی جھونپڑی میں زندگی گزار رہی تھی اور رات کو قبرستان کے پچھواڑے مجھ سے رنگ رلیاں مناتی رہی وقت کا کام ہے گزر جانا اور وہ گزر جاتا رہا ایک رات اس نے مجھے بتایا۔

وہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے

میں نے اس سے کہا۔ بچہ ضائع کروا دو۔

اس نے کہا کیسے ضائع کروا دوں کیوں کر ضائع کروا دوں صابو اس قابل نہیں تھا کہ میں اس کے بچے کی ماں بن سکتی اس لیے میں تم جیسے خوبرو کا انتخاب کیا اب میں اس ہونے والے بچے کی ماں ہوں اور تم باپ ہو اور ہم دونوں اس سچائی سے انکار نہیں کریں گے۔

یہ سچ ہے کہ سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن بعض حقیقتوں سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے اگر بیاہتا بیوی سے اور رہو تو ہم وارث اپنا اپنا خون کہتے ہیں ایک رشتہ کے بطن سے وہی اولاد ہو تو ہم اس کے حقوق سے انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ بچہ بھی ہمارے خون کی بوند سے ہوتا ہے لیکن عزت داری کے لیے ہم ذو غلے بن کر حقیقت سے انکار کر دیتے ہیں۔

میں نے انکار کیا تو وہ جھنجھلا گئی عورت شریف ہو بدکار ہو یا چڑیل ہو وہ نہیں برداشت کر لی کہ باپ اپنی اولاد سے منکر ہو

پہلے تو میں نے اسے سمجھایا کہ وہ مجھے باپ بننے کا الزام نہ دے لیکن وہ بضد تھی۔

کہ اس کے ہونے والے بچے کا باپ تم ہی ہو تب میں نے بھی جھنجھلا کر اسے گالیاں دیں۔

مجھ جیسا شریف شخص ایک گھکان کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کا باپ نہیں بن سکتا جب محبت ہوس اور گناہ کا انجام ایک بچے کی صورت میں آئے تو پھر عورت کے حسن شباب

کی تمام جاذبیت ختم ہو جاتی ہے اور پھر وہاں سے نفرت اور عداوت شروع ہو جاتی ہے۔

تجریا نے کہا اگر میں نے اس بچے کا باپ بننے سے انکار کیا تو وہ مجھے تمام بستی میں بدنام کر دے گی۔

میں نے اسے سمجھایا کہ وہ اسے صابو فقیر کی ہی اولاد بتائے میں اس کے اخراجات پورے کروں گا لیکن وہ صرف اخراجات ہی نہیں بچے کا جائز حق بھی مانگ رہی تھی اور ایک تجربہ میرے سامنے تھا اس نے صابو کو بھی دھمکی دی تھی اور اس دھمکی کے مطابق صابو کو ختم کر دیا تھا ہمیشہ کے لیے اس طرح میری عزت پر کیچڑ اچھال سکتی تھی مجھے خطرے کا علم ہو گیا تھا میں نے اچانک ہی اس کے بالوں کو بائیں ہاتھ کی مٹھی میں پکڑ لیا اور میں نے سنا تھا کہ چڑیل کے بال مٹھی میں آجائیں تو وہ اطاعت اور فرمابردار ہو جاتی ہے اگر وہ چڑیل نہیں عورت تھی تو ایسی صورت میں بھی عورت کی چوٹی مرد کے ہاتھ میں ہونی چاہئے وہ چوٹی پکڑ کر جدھر چاہے عورت کو گھما سکتا ہے۔ میری اس جرات پر وہ بپھر گئی اور اس نے اپنے ہاتھ میری گردن کی طرف بڑھائے۔ انداز یہی تھا کہ وہ میرا گلہ گھونٹنا چاہتی تھی جیسا کہ اس نے بھی صابو کو دھمکی دی تھی لیکن میں صابو کی طرح کمزور اور بزدل نہیں تھا ایسا صحت مند نوجوان تھا کہ اس جیسی دو عورتوں کو دونوں بازوؤں میں لے کر ان کا کچومر نکال سکتا تھا میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو پرے جھٹک کر اس کی گردن دبوچ لی اس کی سرخ آنکھیں خون اگلتی ہوئی سرخ آنکھیں مجھے گھور رہی تھی اس نے کہا۔

مجھے چھوڑ دو اگر میں مر گئی تو میرا بچہ تم سے انتقام لے گا چاہئے تو چوہے کی بل میں بھی گھس جاؤ تو وہاں سے تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔

اتنا کہنے کے بعد راجہ شہاب خاموش ہو گیا!

اس کی خاموشی بے معنی نہیں تھی فیاض کو بھی ایسی آہٹیں سنائی دیں جیسے کوئی انتقام لینے آرہا ہے ویٹنگ روم میں دونوں تنہا ہی تھے کوئی تیسرا نہ تھا پھر تیسری آہٹ کیسی۔ دونوں محتاط ہو کر اپنے چاروں طرف دیکھنے لگے ویٹنگ روم کا دروازہ بند تھا ٹوئلٹ کا دروازہ بھی بند کر رکھا تھا کمرے میں لالٹین کی مدھم روشنی بتا رہی تھی کہ کسی تیسرے کا وجود نہیں ہے۔

باتیں کرنے کے دوران کھانے انہوں نے گوشت کا سالن ختم کر دیا تھا اب میز پر ہڈیوں کی مٹھی بھر پہاڑی نظر آرہی تھی انسانی زندگی کا اختتام یہی ہے کہ ہڈیاں رہ جاتی ہیں۔ انہوں نے بیک وقت سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا کھپریل کی چھت ہولے ہولے یوں بج رہی تھی جیسے کوئی پاؤں کھپروں پر سے گزر رہا ہو لیکن وہ وہم بھی ہو سکتا تھا کیونکہ آہٹیں ختم ہو گئی تھی جب سناٹا چھا جائے تو ہر بات وہم و گمان کے زمرے میں آجاتی ہے راجہ شہاب کا بایاں ہاتھ اسی وقت بھی کمبل میں تھا یعنی شدید سردی کے باعث وہ کمبل کو اندر سے اچھی طرح لپیٹے ہوئے تھا وہ دائیں ہاتھ کو میز پر ٹیک کر اٹھ گیا اور اسی کرسی پر آگیا جہاں وہ پہلے بیٹھا تھا اب وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے ان کے درمیان اب صرف گول میز ہی تھی جس کا قطر دو گز کے قریب تھا۔ فیاض نے سٹور پر چائے کی کیتلی رکھتے ہوئے پوچھا۔

پھر کیا ہوا۔

پھر وہ مر گئی میں اسے ٹوٹی ہوئی ایک قبر کے پاس چھوڑ کر آ گیا میری عزت رہ گئی اب وہ مجھے بدنام کرنے کے لیے زندہ نہیں تھی سات ماہ بعد صبح بستی میں یہ خبر پھیل گئی کہ قبرستان کے پچھواڑے ایک ٹوٹی ہوئی قبر کے پاس ایک زندہ بچہ پایا گیا ہے یہ خبر پاتے ہی میرے دل و دماغ میں مری تجریا چیخنے لگی۔

اگر میں مر گئی تو میرا بچہ انتقام لے گا

۔۔میرا بچہ تم سے انتقام لے گا۔

وہ دن میں نے بڑی بے چینی سے گزارا رات آئی تو کروٹیں بدل بدل کر صبح کر دی دوسری صبح معلوم ہوا کہ اس فقیر نے اس بچے کو گود میں لے لیا ہے اور اب اس کی پرورش کر رہا ہے جانے کیوں مجھے اس بچے سے عداوت سی ہو گئی مجھے اس وقت اپنی غلطی کا احساس ہوا اس رات میں بہت گھبراہٹ میں اس کی موت کی تصدیق نہیں کر سکا تھا اور اس کے سات ماہ بعد اسی ٹوٹی ہوئی قبر کے پاس وہ بچہ پایا گیا تھا

۔

میں اس کے متعلق سوچتا رہا وقت گزرتا رہا اور وہ بچہ پروان چڑھتا گیا وہ بچہ ابن فقیر کی گود سے نکل کر صحن میں کھیلنے لگا پھر آنگن سے نکل کر محلے کے بچوں کے ساتھ شریک ہو گیا کھیل میں مجھے خاص طور پر ایک بات کا علم ہوا کہ جب بھی میں اس محلے میں سے گزرتا تھا وہ بچہ کھیل کو بھول جایا کرتا تھا اور مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگ جاتا تھا بستی میں اور بھی لوگ موجود تھے مگر وہ انہیں دشمن کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا ایک میں ہی تھا جب وہ مجھے دیکھتا تھا تو تجریا کی گھورتی ہوئی نظریں مجھے پاس آجاتی تھیں میں خود کو سمجھاتا تھا کہ یہ محض میرا وہم ہے ورنہ ایک بچے کو مجھ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے ایسے وقت میں تجریا پھر میرے دماغ میں چیخنے لگتی اگر میں مر گئی تو میرا بچہ تم سے انتقام لے گا۔ اب میں یقین سے کہتا ہوں کہ اس بچے کے ذہن میں تجریا کے انتقام کا زہر بھرا ہوا تھا اور وہ ہاتھ میں خنجر لیے میرا پیچھا کر رہا تھا یہ کہتے ہی راجہ شہاب نے خاموشی اختیار کر لی۔

خنجر۔۔فیاض نے تعجب اور خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔ کیا وہ خنجر سے آپ پر حملہ کرتا ہے۔

ہاں۔ پتا نہیں اس نے خنجر زنی کہاں سے سیکھ لی ہے اس کے دونوں ہاتھوں میں بڑی پھرتی ہے وہ دو خنجروں کو ان کی نوک پکڑ کر دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں سے سچا نشانہ لگاتا ہے۔

راجہ شہاب کی باتیں سن کر فیاض کے دونوں ہاتھ بے اختیار اس کے کوٹ کی دونوں جیبوں میں نے ان دونوں جیبوں کی تہہ میں دو چار چاقو رکھے ہوئے تھے فیاض کی جیبوں میں وہی دو چار چاقو تھے جن کا ذکر شہاب کر رہا تھا۔

چند لمحوں کے لیے شہاب کی کہانی کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا اس وقفے میں فیاض سوچنے لگا میں خنجر زنی کا ماہر ہوں دور دور تک میرا کوئی ثانی نہیں ہے دونوں ہاتھوں سے بیک وقت ایک ہی ٹارگٹ پر خنجروں کو پیوست کر دینے کا کمال صرف مجھے حاصل ہے یہ راجہ شہاب کی دشمنی کا ذکر کر رہا ہے اس کی زندگی کے واقعات میری زندگی کے کچھ واقعات سے مطابقت رکھتے ہیں

مجھے خنجر زنی میں جو کمال حاصل ہے وہی اس
کے دشمن کو بھی حاصل ہے مجھے اب ذرا احتیاط ہو
کر رہنا چاہیئے راجہ شہاب کے علم میں یہ بات
نہیں لانی چاہیئے کہ میری جیب میں دو عدد چاقو
ہیں اور اس کے دشمن کی طرح مجھے بھی خنجر پھینکنے
میں کمال حاصل ہے۔۔۔ یہ بات اگر اسے معلوم
ہوگئی تو یہ مجھے اپنا دشمن سمجھے گا کیوں کہ میری
طرح یہ بھی اپنے دشمن کے چہرے کو نہیں پہچانتا
۔

فیاض کی سوچ تھم گئی اس نے اسٹول کو
بچھایا اور کیتلی اٹھا کر دو پیالیوں میں چائے
انڈیلنے لگا ایک پیالی راجہ شہاب کی طرف
بڑھائی پھر اس نے پوچھ۔

کیا وہ بچہ آپ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔۔

اب وہ بچہ کہاں رہا وہ نوجوان ہو چکا ہے
لیکن اس نے کبھی مجھ پر حملہ نہیں کیا اور کوئی اور
ہے جو مجھ پر حملے کرتا ہے چونکہ ہمیشہ رات کا
وقت ہوتا ہے اس کا چہرہ واضح دکھائی نہیں دیتا
وہ ہمیشہ میرے لیے اجنبی رہا ہے میرا خیال ہے
کہ وہ ڈائن کا بچہ ہمیشہ روپ بدلتا رہتا ہے یہ بتا
کر وہ چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

فیاض نے پھر پوچھا۔۔ آپ اس کے
حملوں سے کیسے بچتے رہے۔

مجھ میں اتنی صلاحتیں نہیں ہیں کہ میں اسکے
حملوں سے بچ سکوں وہ خود ہی مجھ پر حملہ کرتا
ہے اور خود ہی میری جان لینے سے گریز کرتا
ہے اکثر یوں ہوتا ہے کہ جب میرا اور اس کا
سامنا ہوتا ہے تو میں مارے دہشت کے ایک
بت کی طرح ساکت ہو جاتا ہوں وہ میرے
مقابل اپنے دونوں ہاتھوں میں خنجر تولتا ہے اور
خنجر پھینکنے سے پہلے یہی کہتا ہے۔

خاموش کھڑے رہو ابھی ایک خنجر
تمہارے دائیں کان کے قریب سے گزرے گا
اور اگر تم نے ذرا بھی حرکت کی تو مارے جاؤ
گے۔

یہ کہہ کر وہ پہلا خنجر پھینکتا ہے میں بیان
نہیں کر سکتا کہ اس کا نشانہ کتنا سچا ہے میرے
کان کے قریب ہلکا سا ہوا کا جھونکا محسوس ہوتا
ہے اور خنجر شائیں کر کے گزر جاتا ہے بائیں
ہاتھ سے پھینکتا ہے خنجر بھی اسی طرح میرا دائیں
کان کے قریب سے گنگناتا ہوا نکل جاتا ہے
اور اس کے بعد وہ کہتا ہے۔

میں تمہیں اتنی آسانی سے نہیں ماروں گا
اور اتنی جلدی بھی نہیں ماروں گا تم اچھی طرح
یاد رکھو نوچندی جمعرات تمہاری زندگی کی آخری
رات ہوگی اس وقت تک تم موت کے انتظار
میں لحہ لحہ جیتے رہو اور مرتے رہو گے یہ کہہ کر وہ
چلا جاتا ہے اکثر یہی ہوتا ہے کہ میرے دائیں
دائیں کانوں کے قریب اپنے نشانے کی
دھاک بیٹھاتا ہے اور موت کی عین رات کی یاد
دلاتا کر چلا جاتا ہے میں اکثر کیلنڈر کو گھور گھور کر
دیکھتا رہا۔

دن گزرتے گئے مہینے گزرتے گئے وہ
جمعرات قریب آگئی اور ہر لحہ ہر دن میرے دل
کی دہشت بڑھتی گئی اور میں اندر سے کھوکھلا ہو
چکا تھا جس دشمن کے سامنے ہاتھ پاؤں شل ہو
جاتے ہیں وہ وہاں میں کیا کر سکتا ہوں کیسے اپنی
حفاظت کروں حفاظت کی کوئی تدبیر نہیں سوجھی
تو بھاگ کر ہزاروں میل دور چلا آیا ہوں آج نو
چندی جمعرات ہے ناں۔ راجہ شہاب نے اپنی

کہانی سنا کر ایک گہری سانس لی۔

ہاں فیاض نے سہمے ہوئے لہجے میں
جواب دیا آج جمعرات ہے معلوم ہوتا ہے میرا
اور آپ کا دشمن ایک ہی ہے میرے دشمن نے
بھی میری موت کے لیے یہی رات مقرر کی ہے
۔

اچھا واقعی ۔ کیا ایسا ہی ہے۔ راجہ شہاب
نے حیرانی اور پریشانی سے اسے دیکھا۔ لیکن ہم
محفوظ ہیں یہاں کوئی نہیں آسکتا وہ چاروں
طرف دیکھنے لگا۔

فیاض نے کہا ہاں دروازہ اندر سے بند
ہے ٹوئلٹ کا دروازہ بھی بند ہے یہاں اس
کمرے میں وہ نہیں آسکے گا وہ چپ ہو گیا اور
دونوں سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھنے لگے ایک
آدھ جگہ کھڑپڑ بج رہی تھی آوازیں ایسی تھیں
جیسے سردی سے کسی کے دانت کٹکٹا رہے ہوں یا
جیسے موت دانت کچکچا رہی ہو۔

وقت اور ماحول کی مطابق آواز کی نوعیت
بدل جاتی ہے پھر وہ آواز مر گئی فیاض نے تھوک
نگلتے ہوئے کہا،

شاید کوئی بلی تھی اب نہیں ہے بھاگ گئی
ہے

ہاں بلی ہی تھی ویسے بھی چھت مضبوط ہے
شگاف چھوٹا ہے شاید بلی بھی اس شگاف سے
نہیں گزر سکے گی اصل بات یہ ہے کہ ہم بہت
زیادہ سہمے ہوئے ہیں اس لئے ہلکی سی آہٹ بھی
ہمیں زلزلے کی طرح سنائی دیتی ہے ہمیں
ذراہمت سے کام لینا چاہئے ہم اسی طرح
باتیں کرتے رہے تو یہ رات جلد ہی گزر جائے
گی آپ بتائیں آپ کا دشمن کون ہے وہ کیوں
آپ کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔

فیاض نے جواب دینے سے پہلے چائے
کے چند آخری گھونٹ پیئے اس کے بعد اس نے
پیالی کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

میری اور آپ کی زندگی کے واقعات
ایک ہی جیسے ہیں اس لیے میں مختصر بیان کرتا
ہوں میں آپ کی طرح کسی چڑیل سے تعلقات
نہیں رکھے وہ خود ہی میرے گلے پڑ گئی تھی ہوا
یوں کہ میری بیوی حلیمہ بہت ہی خوبصورت تھی
مگر بانجھ تھی شادی کے چھ سال بعد بھی ہمارے
ہاں اولاد نہ ہوئی تھی میرے کتنے ہی رشتے
داروں نے مجھے مشورے دیئے کہ میں دوسری
شادی کر لوں اگرچہ مجھے اولاد کی بے حد تمنا تھی
میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ میرے بعد میری دولت
و جائیداد رشتے داروں میں تقسیم ہو اور یہ بھی
نہیں چاہتا تھا کہ اپنی حسین بیوی کے لیے سوکن
لاؤں میں حلیمہ سے بے پناہ پیار کرتا تھا اور اس
کا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا بہت سوچ و بیچار کے
بعد ہم نے یتیم خانے سے ایک بچے کو گود میں لیا
یتیم خانے کے رجسٹرڈ میں اس بچے کا نام نظام
علی تھا ہم نے اس نام کے ساتھ اسے قبول کر لیا
اس کے ایک ہفتے بعد ہی ہم نے اس کی حفاظت
کے لیے ملازمہ رکھی ملازمہ کا نام نجمہ تھا وہ
ہماری حویلی میں آتے ہی مجھ پر ڈورے ڈالنے
لگی کبھی کبھی وہ مجھے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتی
رہتی تھی کبھی یوں ہی مسکرا مسکرا کر ادائیں
دیکھاتی تھی لیکن میں اسکی طرح مائل نہیں ہوا وہ
لاکھ حسین سہی مگر میری نجمہ کے آگے خاک تھی
مجھے کھوٹے اور کھرے کی تمیز تھی۔۔

ایک روز جب نجمہ حویلی میں موجود نہیں

تھی وہ میرے کمرے میں آ گئی اور مجھ سے بے تکلف ہونے لگی میں نے اسے ڈانٹ دیا اس سے صاف صاف کہہ دیا۔

میں صرف نجمہ کا دیوانہ ہوں مجھے اسے سے شدید محبت نہ ہوتی تو میں اب تک دوسری شادی کر چکا ہوتا لیکن میں نے دوسری شادی نہیں کی بلکہ دوسرے بچے کو گود میں لیا۔

وہ مسکرا کر بولی۔ پرائی اولاد پھر پرائی ہوتی ہے آپ مجھ سے شادی کر لیں میں آپ کی جائیداد کا وارث پیدا کروں گی یہ بچہ جو یتیم خانے سے لایا گیا ہے پتہ نہیں کس کا ہے جائز ہے یا ناجائز ہے یہ اس کا وارث تو بن سکتا ہے مگر آپ فخر سے اسے اپنا بیٹا نہیں کہہ سکتے۔

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی اپنا خون جو اپنی عورت کی کوکھ سے جنم لیتا ہے اسے سینے سے لگا کر جو مسرت حاصل ہوتی ہے وہ پرائی اولاد سے نہیں ملتی اپنی اولاد کی خواہش ہمیشہ مجھے کھٹکتی رہتی تھی اس کے باوجود میں اپنی نجمہ کا وجود مقام کسی دوسری عورت کو نہیں دینا چاہتا تھا۔

میں نے اس سے کہا کہ انسان کی اس کے نصیب سے زیادہ نہیں ملتا میرے نصیب میں نظام ہے اس لیے نظام مجھے قبول ہے تو وہ جائز ہو یا ناجائز ہو۔

اس کا مطلب ہے آپ جان بوجھ کر ایک ناجائز بچے کو سینے سے لگائے رکھیں گے۔

ہاں یہی سمجھ لو اور یہاں سے چلی جاؤ میں نے اس طرح ڈانٹ کر کہا وہ غصے سے ہونٹ چبانے لگی اور اپنی توہین کا احساس ہو رہا تھا وہ طنطناتی ہوئی کمرے سے جانے لگی دروازہ پر پہنچ کر وہ رکی اور پھر پلٹ کر بولی۔

جب ایک مر جائے گی تو تب تو دوسری شادی ضرور کریں گے کوئی تمام عمر مرنے والوں کا سوگ نہیں منا سکتا۔

یہ کہتے ہی وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر چلی گئی میں نجمہ کو اتنی شدت سے چاہتا تھا کہ اس کی موت کا تصور بھی میرے روح فرسا تھا اور وہ حلیمہ یاد دلا گئی تھی کہ نجمہ مر بھی سکتی ہے اور اس کے کہنے کا انداز ایسا تھا کہ جیسے وہ بہت جلد مرنے والی ہے اور بہت جلد دوسری عورت اس کی جگہ لینے والی ہے۔

اس کے دوسرے دن میں حویلی کے باغیچے میں گیا نجمہ وہاں راکنگ چیئر پر بیٹھی تھی اپنے چہرے کے سامنے پنکھے پر کتنی خوبصورت تصویر ہے۔ میں نے دیکھا پنکھے پر عمر کی تصویر تھی عمر خیام دونوں بازو پھیلائے کھڑا تھا اس کے سامنے ایک حسینہ رقص کے انداز میں پشت کی جانب خم کھائے ہوئے تھی اس کا ایک ہاتھ زمین پر تھا دوسرا ہاتھ خیال کی طرف اٹھا ہوا تھا اور اس ہاتھ کی ہتھیلی پر شراب کا جام رکھا ہوا تھا بہت عمدہ تصویر تھی میں نے تعریف کی نجمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اب دیکھیے اس تصویر میں کچھ تبدیلیاں آ جائیں گی یہ کہہ کر اس نے پنکھے کو ذرا سا ہلایا پنکھا دائیں سے بائیں گیا تو واقعی تصویر میں دو خاص تبدیلیاں ہوئی عمر خیال کی جگہ کاٹھ کر پتلا نظر آنے لگا اور حسینہ کی ہتھیلی پر جام شراب کی جگہ مردہ انسان کی کھوپڑی دکھائی دینے لگی۔

آں راجہ شہاب نے ایک دم چونک کر فیاض کی طرف دیکھا میں ہوش کی دنیا میں آ چکا تھا فیاض صاحب آپ تو بالکل تجریدی کی تصویر

پیش کر رہے ہیں راجہ کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی موجود تھی فیاض نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

جی ہاں ابھی میں کہہ چکا ہوں کہ زندگی کے چند واقعات کا میری زندگی سے گہرا تعلق ہے اس وقت اس پنکھے میں انسانی کھوپڑی دیکھ کر جانے کیوں مجھے ایسا لگا جیسے میری نجمہ موت کے بالکل قریب ہے میرے دماغ میں حمیدہ کی یہ بات گونجنے لگی۔

اگر ایک مر جائے گی تو دوسری شادی ضرور کرو گے۔ میں چند لمحات تک اسی پنکھے کی تصویر کو دیکھتا رہا تصویر بدل جانا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ دو مختلف تصویروں کو ایک خاص پیمائش سے کاٹ کر شیشے کے ٹکڑوں یا پنکھے کی فولڈنگس پر اس طرح جوڑ دیا جاتا ہے کہ دیکھنے والا ذرا دائیں بائیں ہو کر دیکھتے ہیں تو تصویر بدل جاتی ہے یہ تصویریں اسی انداز سے تراش کر بازاروں میں فروخت کی جاتی ہیں یہ سب باتیں سن کر راجہ شہاب اثبات میں سر ہلایا۔

ہاں اسی طرح ہی یہ تصویریں بدل جاتی ہیں ہمارا دشمن بھی کچھ اسی انداز سے روپ بدلتا ہے۔ فیاض نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا

میں نے وہ پنکھا نجمہ کے ہاتھ سے چھین لیا میں نہیں چاہتا تھا کہ ایسی کوئی تصویر نجمہ کے قریب رہے جو موت کی یاد دلاتی ہو میں نے اس سے پوچھا۔

یہ پنکھا تم نے کہاں سے خریدا۔

میں نے نہیں خریدا نجمہ نے جواب دیا۔ حمیدہ کہیں سے لائی ہے کہنے لگی بیگم صاحبہ پسند ہے تو اسے رکھ لیجئے۔

نجمہ میں حیران ہوں کہ تمہیں یہ پنکھا کیسے پسند آ گیا یہ یہ مردہ کھوپری تمہیں اچھی لگتی ہے میں نے غصے سے پوچھا۔

توبہ۔۔توبہ مجھے تو یہ کھوپڑی دیکھ کر ہی وحشت ہوتی ہے میں تو صرف عمر خیال والی تصویر دیکھتی ہوں پنکھے کو بائیں طرف اچھالتے ہوئے وقت نظریں ہٹا لیتی ہوں اس لیے کھوپڑی نظر نہیں آئی اس نے وضاحت کی۔

نظر نہ آنے سے کیا ہوتا ہے کھوپڑی تو اپنی جگہ موجود رہتی ہے دیکھو نجمہ تم اچھی طرح جانتی ہو ہمارے خاندان میں ہی تمہارے کتنے دشمن ہیں وہ چاہتے ہیں کہ خدانخواستہ تمہاری آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہوں جائیں تو میں خاندان میں کسی لڑکی کو بیا لوں اسی لیے تم پر جادو ٹونے اور عمل وغیرہ کروا سکتے ہیں ہمیں ایسی نظروں سے محتاط رہنا چاہئے۔ پتہ نہیں میرے اندر کیوں حمیدہ کی باتیں سن کر ایک انجان سا خوف بیٹھ گیا تھا۔

میری باتیں سن کر وہ خوفزدہ سی ہو گئی میں دانستہ اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ حمیدہ میرے بیٹے کی ماں بننا چاہتی ہے ویسے ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ جلدی ہی حمیدہ کی یہاں سے چھٹی کروا دوں گا میں نے اسے وقت ماچس نکالی اور ایک تیلی نکالی اور اس پنکھے کو آگ لگا دی۔ پنکھے سے شعلے بلند ہونے لگے شعلے کے افق پر میں نے دور کھڑی حمیدہ کو دیکھا وہ برآمدے میں تھی اور گھور گھور کر مجھے دیکھ رہی تھی پنکھے سے پلٹی ہوئی آگ میں مری انگلیوں تک پہنچنے لگی میں نے اسے پرے پھینک دیا وہ غصے سے طنطناتی ہوئی برآمدے سے نکلی اور پھر تیزی سے چلتی ہوئی

حویلی کے احاطے سے باہر چلی گئی اس کے بعد
وہ ملازمہ کی حیثیت سے نہیں آئی۔

اس کے دوسرے یا تیسرے روز نجمہ کو
بخار چڑھا وہ بستر پر کروٹیں بدلتی تھی اور کہتی تھی
کہ اس کے جسم پر سوئیاں چبھتی رہتی ہیں۔

میں نے کئی حکیموں اور ڈاکٹروں سے اس
کا علاج کروایا دور دراز سے اس کا بخار تو
اتار گیا لیکن جسم میں سوئیاں چبھنے کی شکایت
جاری رہی بدستور روز بروز اس کی تکلیف اور
بے چینی بڑھتی گئی میں نے جھاڑ پھونک اور تعویذ
گنڈوں کا بھی سہارا لیا اس سے نجمہ کو وقتی
طور پر سکون مل جاتا تھا لیکن پھر وہی نادیدہ
سوئیاں اسی طرح چبھنے لگی تھی جیسے زہریلی
چیونٹیاں کاٹ رہی ہوں۔

اب میں تفصیل کیا بیان کروں میں اپنی
رفیقہ حیات کو موت کے منہ سے نہ بچا سکا وہ
مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت
ہوگئی چند روز تک میں اس کی موت کا سوگ
مناتا رہا اس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میں
رہ رہ کر حمیدہ کے متعلق سوچنے لگا ہوں میں اس
پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا تھا لیکن نا جانے کیسے
وہ میری مرضی کے بغیر میرے خیالوں میں چلی
آتی تھی مجھے یہ گوارہ نہیں تھا کہ میں اتنی جلدی
نجمہ کو بھول کر کسی دوسری عورت کے تصور
میں کھو جاؤں میں چلی آتی تھی مجھے یہ گوارہ نہیں
تھا کہ میں اتنی جلدی نجمہ کو بھول کر کسی دوسری
عورت کے تصور میں کھو جاؤں لیکن یہ بڑی
حیرانگی کی بات تھی کہ مجھے اپنی سوچ پر قابو نہیں
تھا میں دل ہی دل میں بھلا کر جتنا رسے گالیاں
دیتا تھا اتنی ہی بے شرمی سے وہ میرے تصور میں
چلی آتی تھی آخر میں میں نے سوچا تھا کہ مجھے
ٹھنڈے دماغ سے کام لینا چاہیے اگر وہ تصور
میں آتی تو آتی رہے میرا کیا جاتا ہے البتہ
میرے سامنے آئے گی تو جوتے مار کر بھگا دوں
گا میں ذرا نرم پڑ گیا تو وہ اور بے باک اور بے
شرم ہوگئی اب میرے خیالوں میں آ کر راتوں کو
نیندیں حرام کر دینے والی کتاب پیش کرنے
سے پہلے اس کی چند سنسنی خیز جھلکیاں پیش
کرنے لگی میرا خیال ہے کہ آدمی اخلاقی
پابندیوں میں رہ کر خواہ کتنا ہی شریف بن
جائے لیکن وہ کبھی دماغ کی سکرین پر خیالوں کی
فلمیں ضرور دیکھتا ہے

ایک رات خواب میں میں نے اسے
دیکھا جس بات کو خیالوں میں چھوٹ دی وہ
خوابوں میں ہی چلی آتی ہے وہ بھی چلی آئی
اور مجھے اپنی طرف بلانے لگی میرے قدم اسی کی
طرف بڑھنے لگے میں خیالوں میں اس سے
کتراتا تھا مگر خوابوں میں سحر زدہ ہو کر بڑھتا چلا
گیا سچ پوچھیے تو وہ حمیدہ کا مکمل چہرہ نہیں تھا رہ
رہ کر اس پر نجمہ کا چہرہ نمایاں ہو جاتا تھا جیسے کی
طرح زاویے بدلتے ہی تصویر بدل جاتی تھی کبھی
حمیدہ اور کبھی نجمہ اسی طرح جب وہ ایک بار
نجمہ نظر آتی تو میں نے لپک کر اسے بازوؤں
میں بھر لیا پھر اس کے چہرے کی طرف نہیں
دیکھا مجھے ڈر تھا کہ کہیں نجمہ تبدیل ہو کر حمیدہ نہ
بن جائے ایسے وقت یوں بھی چہرہ کون دیکھتا ہے
جذبات کی ہزاروں آنکھوں کے سامنے بدن
کے لاکھوں نظارے انگڑائیاں لیتے ہیں چہرہ
دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی وہ نجمہ تھی یا حمیدہ
کوئی بھی تھی میں اس کے وجود میں ڈوب گیا تھا

جب جذبات کا نشہ ہرن ہوا تو حمیدہ میرے
سامنے قہقہے لگا رہی تھی میں پریشان ہو کر اس
سے دور ہوتا گیا وہاں سے بھاگتا ہوا اپنی
خواب گاہ میں آیا۔

پھر فوراً ہی میری آنکھ کھل گئی میں ہڑبڑا کر
اٹھ بیٹھا اور پریشان ہو کر چاروں طرف دیکھنے
لگا میرے بستر پر وہ نہیں تھی میرے کمرے میں
بھی نہیں تھی کھڑکیاں اور دروازے اندر سے
بند تھے وہ میری خواب گاہ میں نہ آ سکی تھی نہ میں
اس کے پاس گیا وہ محض ایک خواب تھا۔ لیکن
ایک خواب کو میں نے دوسری رات بھی دیکھا
تیسری رات بھی میں مسلسل پریشانی کا
شکار رہا۔ اور وقت گزرتا گیا تقریباً دو ماہ بعد وہ
ایک صبح میرے پاس آئی اور آتے ہی فخر سے
بولی۔

میں تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں

میں اس خبر اور الزام تراشی کو سن کر حیران
رہ گیا اور میرا سر چکرانے لگا میں اسے گالیاں
دینے لگا لیکن اس نے ہر رات کی تفصیلی
واقعات بتائے جو میں نے خواب دیکھا تھا وہ
حقیقت بیان کر رہی تھی جیسے میں خواب سمجھ
رہا تھا دراصل وہ حقیقت تھی یہ سب سن کر میں
پریشان ہو گیا ایسا بھلا کیسے ہو سکتا تھا۔

یہ کیسی عجیب اور انہونی بات تھی کہ خواب
اور حقیقت کے ملاپ سے وہ میرے بچے کی
ماں بننے والی تھی کیا ایسا ہو سکتا ہے کبھی نہیں
ہو سکتا ایسا ناممکن تھا وہ میری آڑ لے کر اپنا گناہ
چھپانا چاہتی تھی اس طرح اسے دوہرہ فائدہ
حاصل ہوتا وہ اپنے بچے کو میری جائیداد کا
وارث بنا سکتی تھی اگر میں احمق ہوتا لیکن وہ مجھے
فریب نہ دے سکی میں نے ملازموں کو بلوا کر
اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔

اس رات میں نے پھر اسے نیند کی حالت
میں دیکھا اب میں اسے خواب نہیں کہنا
چاہتا تھا۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ شاید میں کسی
عمل کے زیر اثر نیند میں چلتا پھرتا تھا اپنے بستر
سے اٹھ کر خود ہی اپنی خواب گاہ کا دروازہ
کھولتا تھا۔ اور باہر جا کر کہیں کسی جگہ حمیدہ سے
ملتا تھا پتہ نہیں وہ کون سی جگہ ہوتی تھی وہاں سے
پھر واپس آ کر خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند
کرتا اور بستر پر جا کر سو جاتا اور پھر اچانک نیند
کی حالت میں چونک کر جاگ جاتا تھا اس
وقت مجھے کچھ دیر کی باتیں خواب معلوم ہوتی
تھیں،

بہر حال میں نے حمیدہ کو ایک بار پھر نیند
کی حالت میں دیکھا وہ مجھ سے کہہ رہی تھی تم
احمق ہو اپنے بچے کو ناجائز کہتے ہو اور یتیم
خانے سے لاتے ہوئے ناجائز بچے کو اپنا بیٹا بنا
کر رکھے ہوئے ہو مگر یاد رکھو تمہارا بیٹا صرف
یہی ہے جو میری کوکھ سے جنم لینے والا ہے یہی
تمہاری دولت اور جائیداد کا حقدار ہے اگر کسی
دوسرے نے حق جتایا تو میں اسے زندہ نہیں
چھوڑوں گی۔

میں نے اسے جواباً کیا کہا یہ مجھے یاد نہیں
شاید میں کچھ نہ کہہ سکا تھا اس کے بعد دو برس
گزر گئے وہ خوابوں اور خیالوں میں نہیں آئی
تیسرے دن ایک بچے کو لے کر حویلی میں آ گئی
اس کے دعوے کے مطابق وہ بچہ میرا تھا۔ اس
بار میں نے ملازموں کا بلانے کی بجائے خود ہی
پکڑ کر اچھی طرح پیٹا پھر بالوں سے پکڑ کر اسے

کھینچتا ہوا حویلی سے باہر لے گیا وہ چیختی رہی چلاتی رہی پھر اس نے چلاتے ہوئے کہا۔

میں عورت ہوں کمزور ہوں تم سے ہاتھا پائی نہیں کر سکتی مگر یہ بچہ جوان ہو کر میری توہین کا بدلہ لے گا اور اپنا حق تم سے زبردستی چھین لے گا تم اس کی حق تلفی کرنا چاہو گے تو یہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا سمجھے تم۔

یہ کہہ کر اس نے اپنے بچے کا بایاں ہاتھ تھام کر اسے میری نگاہوں کے سامنے کرتے ہوئے کہا اس ہاتھ کو اچھی طرح پہچان لو ایک دن یہی ہاتھ تمہاری گردن تک پہنچے گا۔ میں نے اس بچے کے دائیں ہاتھ کو دیکھا اس بچے کے بائیں ہاتھ میں چھ انگلیاں تھیں۔

چھ انگلیاں راجہ شہاب جو خاموشی سے فیاض خان کی کہانی سن رہے تھے۔ چھ انگلیاں کا سنکر چونک پڑے اور حیرانگی سے فیاض خان کی طرف دیکھنے لگے پھر کمبل کے اندر سے اپنے بائیں ہاتھ کو چھپانے لگے اس کا بایاں ہاتھ تو شروع سے ہی کمبل کو اندر سے تھامنے رکھنے کے لیے کمبل کے اندر ہی تھا اس وہ چھپانے کی ایک اضطراری حرکت تھی جیسے اسے ڈر ہو کہ فیاض خان کہیں دیکھ نہ لے۔

ہاں چھ انگلیاں۔ فیاض خان کے تشریح کی بعض لوگوں کی چھ انگلیاں ہوتی ہیں چار انگلیاں تو عام لوگوں کی طرح ہوتی ہیں پانچواں جو انگوٹھا ہوتا ہے اس انگوٹھے پر ایک دوسرا چھوٹا انگوٹھا نکل آتا ہے شاید آپ نے بھی کبھی دیکھا ہو۔ آخر میں اس نے شہاب کو مخاطب کیا تھا۔

راجہ شہاب کیا کہتا خود اس کے بائیں ہاتھ میں چھ انگلیاں تھیں یعنی ایک انگوٹھے پر دوسرا انگوٹھا چڑھا ہوا تھا اس نے پریشان ہو کر سوچا کہ اگر فیاض کو پتہ چلا گیا اس کے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے بائیں ہاتھ میں چھ انگلیاں ہیں تو وہ بلا شبہ اسے اپنا دشمن سمجھ لے گا اور لہذا اب اسے محتاط رہنا چاہیے اور اپنے بائیں ہاتھ کو کمبل سے باہر نہیں نکالنا چاہیے اس نے کمبل کو اچھی طرح اپنے اطراف میں لپیٹنے کے بعد کہا۔

جی ہاں میں نے دیکھا ہے بعض لوگوں کی چھ انگلیاں ہوتی ہیں کیا آپ اپنے دشمن کو اس طرح ڈبل انگوٹھے سے پہچانتے ہیں۔

جی ہاں آپ کی طرح میں نے بھی اپنے دشمن کا چہرہ واضح طور پر نہیں دیکھا ہے اس کی چھ انگلیاں دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ بچہ جوان ہو چکا ہے اور اپنی ماں کی ہدایت کے مطابق مجھ سے انتقام لے رہا تھا میں اتنا کمزور نہیں ہوں میں اگر چاہوں تو ایک ہی وار میں اسے ٹھنڈا کر دوں کیونکہ میری جیب میں ہمیشہ۔۔۔

فیاض کہتے کہتے رک گیا اسے یاد آیا کہ اسے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ اس کی دونوں جیبوں میں دو چاقو ہوتے ہیں اور وہ بیک وقت دونوں ہاتھوں سے ایک ہی ٹارگٹ پر خنجر پھینک سکتا ہے۔ یہ سن کر اس نے اپنے سامنے بیٹھا ہوا شخص بلا شبہ اسے اپنا دشمن سمجھ لیتا اور وہ تو اتنا خوفزدہ ہے کہ چاقو دیکھتے ہی دہشت سے اس کا دم نکل سکتا ہے کتنی عجیب بات ہے دونوں ہی ایک دوسرے سے خوفزدہ بھی تھے اور انجان بھی تھے لہذا فیاض خان نے فوراً ہی بات بدلتے ہوئے کہا۔

میرے کہنے کا مطلب ہے یہ میری جیب میں کوئی ہتھیار نہیں ہوتا پھر بھی میں ایک بہترین باکسر ہوں گھونسے مار مار کر اس کا بھرتا بنا سکتا ہوں لیکن آپ کی طرح میں بھی اپنے دشمن کے سامنے سحر زدہ سا ہو جاتا ہوں اسے مارنے کیا اس کا حملہ روکنے کے لیے اپنے ہاتھوں کو جنبش بھی نہیں دے سکتا اس کا بایاں ہاتھ میری طرف بڑھتا ہے میں گم صم سا کھڑا رہ جاتا ہوں اور وہ میری گردن دبوچ لیتا ہے اف میں بتا نہیں سکتا کہ اس کی چھ انگلیوں میں کتنی طاقت ہے مجھے یوں لگتا ہے کہ میری گردن کسی آہنی شکنجے میں پھنس گئی ہے میرا دم گھٹنے لگتا ہے لیکن پھر مجھے وہ چھوڑ دیتا ہے مجھے جان سے نہیں مارتا ہے۔

میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ آپ اور میرے حالات ایک جیسے ہیں میرے دشمن نے بھی مجھ سے یہی کہا ہے کہ نوچندی جمعرات میری زندگی کی آخری رات ہو گی راجہ شہاب کچھ دہشت سے اور کچھ حیرت سے منہ کھولے فیاض کو دیکھ رہا تھا فیاض بھی چپ ہو کر اس کا منہ تک رہا تھا وہ رات دونوں کی زندگی کی آخری رات تھی وہ دونوں زندگی کے آخری اسٹیشن پر آ پہنچے تھے ویٹنگ روم اندر سے دونوں ایک دوسرے کے دشمن بھی نہیں تھے بلکہ ایک دوسرے کی دوستی کے سہارے موت کا وقت ٹال رہے تھے فیاض خان کی دونوں جیبوں میں دو چاقو تھے اور راجہ شہاب کی بائیں ہاتھ میں چھ انگلیاں تھیں راجہ شہاب نے بائیں ہاتھ کی مٹھی میں کمبل کو اچھی طرح جکڑ لیا تھا جیسے خیالوں میں اپنے دشمن کا گلا گھونٹ رہا ہوں۔

فیاض کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں چلے گئے اس نے بھی دونوں چاقوؤں کو مٹھی میں بھر لیا تھا دراصل وہ دونوں اپنی اپنی جگہ بیٹھے اپنے آپ کو احتیاط آزما رہے تھے کہ اگر دشمن آ جائے تو وہ کہیں ہمیشہ کی طرح سحر زدہ تو نہیں ہو جائیں گے چند لمحات تک تو بڑی عیب سی بڑی مہیب سی خاموشی چھائی رہی پھر فیاض نے اپنی عادت کے مطابق تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

جو دشمن محض دھمکیاں دیتا ہوں میں اس سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوتا لیکن ایک رات جبکہ اس نے میری گردن دبوچ کہ میری موت کا وقت مقرر کیا تھا اس کی دوسری صبح میرا لے پالک بیٹا نظام اپنے بستر پر مرا ہوا پایا گیا کسی نے گلہ گھونٹ کر اسے مار ڈالا تھا اب آپ ہی سمجھ سکتے ہیں کہ وہ گلہ گھونٹنے والا میرا دشمن ہو سکتا ہے۔

راجہ شہاب نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنے بائیں ہاتھ کو اچھی طرح چھپانے لگا حالانکہ وہ اچھی طرح چھپا ہوا تھا فیاض نے دوبارہ کہا۔

وہ ذلیل دشمن خود کو میری تمام جائیداد کا حق دار کہتا ہے اس لیے اس کے نظام کو مار ڈالا وہ اپنے راستے کا ایک کانٹا صاف کر چکا ہے لیکن اس سے کیا ہوتا ہے بس اس کم بخت کو بھی اپنا بیٹا تسلیم نہیں کروں گا یہ سب سننے کے بعد خاموش بیٹھے راجہ شہاب نے کہا۔

لیکن اس طرح اس نے ثابت کر دیا ہے کہ اس نے آپ کی موت کا جو وقت مقرر کر دیا ہے یا کیا ہے وہ محض دھمکی نہیں ہے جس طرح

اس نے آپ کے لے پالک بیٹے کو ہلاک کیا ہے اسی طرح آپ کو بھی ہلاک کرسکتا ہے پھر یہ کہ اس کے لیے کون سی بڑی بات ہے میری طرح آپ بھی اپنے دشمن کے سامنے بے دست و پا ہو جاتے ہیں۔

فیاض خان نے سہمے ہوتے ہوئے لہجے میں گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ہاں ہم دونوں کے ساتھ یہی مجبوری ہے لیکن یہاں اس کی آمد کا خطرہ نہیں ہے۔

ہاں وہ یہاں نہیں آسکے گا وہ دونوں پھر محتاط نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگے پھر فیاض خان نے پریشان ہو کر کہا۔

یہ رات ہی نہیں گزر رہی ہماری باتیں ختم ہو گئی ہیں مگر یہ رات ختم نہیں ہو رہی ہے۔

شہاب نے کہا۔وہ۔موت کا خوف ہے اور رات بھی ختم ہونے والی نہیں لگتی کیا وجہ ہے

۔نہیں شہاب صاحب باتیں ختم ہوں گی تو یہ رات ایک ناقابل برداشت بوجھ بن جائے گی ہمیں کچھ نہ کچھ بولتے رہنا چاہئے مثلاً ہمیں اپنی زندگی کے اس پہلو پر بات کرنی چاہیے جسے ہم دونوں جانتے ہیں یعنی ہماری داستان حیات کے مطابق جو ہمارا دشمن ہے وہ ہمارا بیٹا ہے اور ہم دونوں ہی اسے اپنی اولاد تسلیم نہیں کررہے ہیں اور نہ کبھی کریں گے۔

آپ درست کہتے ہیں فیاض صاحب ذرا غور کریں تو میری زندگی میں آنے والی تجریا اور آپ کی زندگی میں آنے والی حمیدہ ایک ہی تصویر کے دو رخ نظر آتی ہیں بالکل پنکھے کی طرح دائیں سے بائیں ہوتے ہیں تصویر ذرا بدل جاتی تھی لیکن تصویر کی خاصیت نہیں بدلتی تھی تجریا نے جو میرے ساتھ کیا وہی حمیدہ نے آپ کے ساتھ کیا ہے اب آپ ہی سوچئے کہ اگر تجریا کی اولاد میری ہوتی تو پھر اس میں میری کوئی خوبی ہونی چاہئے میں خنجر زنی نہیں جانتا پھر یہ خنجر زنی کا کمال اس میں کہاں سے پیدا ہوا ہے۔

یہ سنتے ہی فیاض خان نے دونوں جیبوں کے اندر سے چاقوؤں کو مضبوطی سے تھام کر کہا شاید اس نے یہ کمال کہیں سے سیکھ لیا ہے حمیدہ جسے میرا بیٹا کہتی ہے اسے تو میری طرح ہونا چاہئے مگر اس کا بایاں ہاتھ مجھ سے مختلف ہے میری چھ انگلیاں نہیں ہیں پھر بھی اس کی چھ ہو گئیں۔

شہاب الدین کی چھ انگلیاں مٹھی کی صورت میں بھینچی ہوئی تھیں اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا بعض اوقات ایسا ہوتا ہے باپ صحت مند ہوتا ہے اور بیٹا اپاہج ہوتا ہے چھ انگلیوں والے باپ کے ہاں چھ انگلیوں والا بیٹا پیدا ہو سکتا ہے لیکن ہم یہ کیوں تسلیم کریں کہ ہماری اولاد ایک چڑیل کی کوکھ سے پیدا ہو سکتی ہے لعنت ہے اس پر ہزار بار لعنت ہے۔

ہاں شہاب صاحب ہم اسی انداز میں کیوں نہ سوچیں کہ وہ دشمن کی شیطان اولاد ہے اور وہ ہمارے دو مختلف دشمن نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ہے یعنی اسی دشمن کے بائیں ہاتھ میں چھ انگلیاں ہیں اور اسی دشمن کو خنجر زنی کا کمال بھی حاصل ہے اچھا یہ بتائیے کیا آپ نے اس خنجر چلانے والے دشمن کے ہاتھ کو غور سے دیکھا ہے کیا اس کی چھ انگلیاں نہیں ہیں۔

نہیں میں نے کبھی غور سے نہیں دیکھا اس

کے ہاتھوں میں خنجر دیکھ کر میں ایسا دہشت زدہ ہو جاتا تھا کہ خنجر کے چمکتے ہوئے کے سوا مجھے کچھ نظر نہیں آتا تھا ویسے میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہمارا دشمن ایک نہیں ہے دو مختلف ہستیاں ہیں وہ ایسے کہ پہلے تو ہم یقین کرلیں کہ دشمن ہماری اولاد نہیں ہے یونہی اسی چڑیل نے اپنی اولاد کو ہماری جائیداد کا وارث بنانے کے لیے چال چلی ہے۔

ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے میں آپ کی بات سے متفق ہیں راجہ نے کہا اور پھر مزید کہا کہنے لگے اب آپ یہ سوچئے کہ وہ چڑیل اپنے کالے علم سے ہمیں سحر زدہ کرتی رہی ہے اب آپ نے یہ خود کہا کہ آپ نیند کی حالت میں خواب گاہ سے نکل کر اس کے پاس پہنچ جاتے تھے میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ میں سحر زدہ ہو کر قبرستان کے پیچھے جایا کرتا تھا دیکھنے میں بڑی اہم بات کہہ رہا ہوں آپ توجہ سے سنیں۔

وہ ساحرہ دو ایسے آدمیوں کو سحر زدہ کرتی ہے جن میں ایک خنجر زنی کا ماہر ہے اور دوسرا گلہ گھونٹ کر ہلاک کرنے کی صلاحیت جانتا ہو ۔وہ جس کی چھ انگلیاں ہیں اب تک یہ ہوتا آیا ہے کہ خنجر زن سحر زدہ ہو کر میرے پاس پہنچ جاتا ہے اور مجھ پر نشانے بازی کی ڈھال بنتا ہے اور چھ انگلیوں والا سحر زدہ ہو کر آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے اور اپنے بائیں ہاتھ کے آہنی شکنجے سے دہشت زدہ کرتا ہے۔۔۔

آں۔۔فیاض خان نے کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے دشمن دو الگ الگ ہیں اور اور ۔۔۔وہ آگے نہ کہہ سکا اس کی آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی اسی وقت بڑی تیزی سے یہ خیال اس کے دماغ میں آیا کہ میں ایک سچا نشانے باز ہوں کیا میں سحر زدہ ہو کر کسی انجانے شخص کو نشانہ بنانے جاتا ہوں کیا میں اپنے مقررہ نشانے کے مقابل آپہنچا ہوں۔

اسی وقت شہاب الدین نے بھی پھر یہی سوچا کہ میرے بائیں ہاتھ میں چھ انگلیاں ہیں اور میرے بائیں ہاتھ میں واقعی آہنی شکنجے سی قوت ہے کیا میں سحر زدہ ہو کر کسی انجانے شخص کا گلا گھونٹنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کیا یہ وہی انجانے شخص تو نہیں ہے جو میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔وہ دونوں ایک دم سے ساکت ہو گئے تھے اور بڑی تیزی سے سوچتے جارہے تھے فیاض نے پھر اسی انداز میں سوچا۔

میں۔۔میں واقعی سحر زدہ ہو جاتا ہوں شاید وہ چڑیل مجھے اس شہاب الدین کے پاس بھیجتی ہے تا کہ میں اسے اپنے نشانہ بازی سے دہشت زدہ کروں اور شاید میں نے سحر زدہ ہو کر ہی اس سے کہا کہ نو چندی جمعرات اس کی زندگی کی آخری رات ہے اگر یہ ایسا ہی ہے تو میری موت کا وقت مقرر کرنے والے شخص کون ہے۔

شہاب الدین نے بھی پھر اسی انداز میں سوچا کہ کیا میں اس چڑیل کے کالے علم کے اثر سے فیاض کا گلہ گھونٹنے جاتا ہوں کیا میں ہی سحر زدہ ہو کر اس کی موت کے لیے آج رات آج کی رات مقرر کی ہے۔۔نن۔نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے میں یہ کیسی بے تکی باتیں سوچ رہا ہوں فیاض میرا دشمن نہیں ہے میں اس کا گلا کیسے گھونٹنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا فیاض

خان نے بھی دل ہی دل میں کہا۔

شہاب الدین میرا دشمن نہیں ہے مجھے فضول باتیں نہیں سوچنی چاہیے میں نے صرف اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ دونوں چاقو رکھے ہیں اگر وہ مقابلے پر آئے گا تو م۔مم۔میں اس سے۔نمٹ لوں گا کیا میں خوفزدہ ہوں۔نن نہیں میں خوفزدہ نہیں ہوں۔اتنے میں لالٹین کی روشنی آپ ہی آپ مدہم پڑنے لگی شہاب الدین نے کہا۔

یہ لالٹین بجھنے والی ہے شاید تیل ختم ہوگیا ہے اب کیا ہوگا ابھی تو نجانے کتنی رات باقی ہے۔شہاب الدین نے کمبل کے اندر سے ہاتھ اٹھا کر لالٹین کو اٹھایا اور اسے اپنے کان کے پاس ذرا ہلاتے ہوئے بولا۔

ہاں سچ مچ تیل ختم ہوگیا ہے اس نے لالٹین کو میز پر رکھ کر اس کی لو بڑھا دی تھوڑی دیر کے لیے روشنی بھی بڑھ گئی تیز روشنی میں میز پر پڑی ہوئی ہڈیوں کا ڈھیر اور زیادہ واضح ہوگیا تھا چھت پر جہاں کھپریل اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا وہاں سے چمکتی ہوئی دو آنکھیں جھانک رہی تھیں وہ چمکتی ہوئی آنکھیں کبھی فیاض کی طرف دیکھتی اور کبھی شہاب الدین کو تک رہی تھی اور کبھی ہڈیوں کے ڈھیر کو گھور رہی تھیں۔

اس لالٹین کو نہیں بجھانا فیاض نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔اس سے پہلے ہی ہمیں اسٹیشن ماسٹر کے پاس جاکر اس میں تیل بھروانا چاہیئے۔

مم۔۔مگر شہاب الدین نے اٹک کر کہا باہر جانے کے لیے دروازہ کھولنا پڑے گا اگر وہ دروازے کے باہر موجود ہوا تو۔وہ خوفزدہ نظروں سے آس پاس دیکھے جا رہا تھا ان چمکتی ہوئی آنکھوں سے بے نیاز۔

آن۔ہاں۔وہ ہماری تاک میں ہوگا ہم باہر نہیں جا سکتے۔شہاب الدین نے مشورہ دیا۔ہم یہاں سے چیخ کر اسٹیشن ماسٹر یا دفاتر مین کو بلا سکتے ہیں جب وہ دروازے میں آئے گا تو ہم دروازہ کھول دیں گے۔

نہیں فیاض وہ روپ بدلنے والا ماسٹر کی آواز بدل کر ہمیں دھوکہ دے سکتا ہے۔نہیں ہم پھر آواز کے فریب میں نہیں آئیں گے یہ دروازہ صبح سے پہلے نہیں کھولیں گے۔

لالٹین کی لو پھر کم ہونے لگی روشنی کم ہوتے ہی دھواں دھواں سا اندھیرا پھیلنے لگا کہ چھت کے شگاف سے لگی ہوئی آنکھیں اسی پر تاریکی میں ریڈیم کی طرح چمک رہی تھی ہڈیاں۔۔ہڈیاں۔ڈھیر بڑھتا جا رہا تھا لالٹین کی لو ڈوبتی جا رہی تھی کمرے کے سناٹے میں دو سہمے ہوئے انسانوں کی آوازیں گڈمڈ ہو رہی تھیں اور ہولے ہولے گونج رہی تھیں۔

اوہ چڑیل کوئی منتر پڑھ رہی ہے۔آواز بھی بازگشت کی طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔اب کیا ہوگا یہ بڑھتا ہوا اندھیرا بازگشت آواز تھرتھراہٹ۔۔

اندھیرا ڈوبی ہوئی لو آواز کی تھرتھراہٹ اور دروازہ بند فرار کی راستہ مسدود وہ آخری اسٹیشن تک پہنچ گئے تھے زندگی کی گاڑی اس اسٹیشن سے آگے کبھی نہیں جاتی یک بیک گھبراہٹ سی ہوئی چھت کی کھپر زور زور سے بجیں اور لالٹین کی بروشنی بجھنے سے پہلے تیزی سے بھڑکنے لگی۔

مرنے سے پہلے زندگی تو تڑپتی ہے بجھنے سے پہلے روشنی بھڑکتی ہے ایک گونجدار آواز کے ساتھ دو کھپر فرش پر آ کر گرا اور ایک سیاہ سا وجود چھت کی بلندی سے چھلانگ لگا کر دھم سے میز پر آ گیا۔ان دونوں کے حلق سے فلک شگاف چیخیں نکلیں دونوں کرسیوں پر سے اچھل کر کھڑے ہوئے ایک کے ہاتھ کوٹ کی جیب سے نکلے اور کھٹاکے کی آواز کے ساتھ چاقوؤں کے پھل باہر آ گئے دوسرے کے شانوں سے کمبل ایک طرف گرا اور دونوں ہاتھ اپنے بچاؤ کے لیے فضا میں بلند ہو گئے لالٹین کی لو رہ رہ کر بھڑک رہی تھی دونوں چاقوؤں کے پھل جگمگا رہے تھے اور بائیں ہاتھ کی چھ انگلیاں تھرا رہی تھیں راجہ شہاب بھڑکتی ہوئی روشنی میں دو چمکتے ہوئے چاقو دیکھ کر ساکت ہو گیا تھا جیسے سحر زدہ ہو گیا ہو یا مارے دہشت کے ہلکی سی جنبش کی بھی سکت نہ رہی ہو۔فیاض نے دھڑکتی اور گھٹتی ہوئی روشنی میں چھ انگلیاں دیکھیں انگوٹھے پر انگوٹھا اور حسب عادت وہ بھی دشمن کو دیکھ کر ساکت رہ گیا پھر دونوں سانس لینا ہی بھول گئے دہشت سے پھیلے ہوئے دیدے پھیلے ہی رہ گئے چند ساعتوں تک وہ بے حس و حرکت کھڑے رہے پھر اپنی اپنی کرسیوں پر دھم سے گر گئے اس کے بعد لالٹین کی روشنی مر گئی ویٹنگ روم گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔

اس خاموشی اور تاریکی میں کڑ کڑ کی آوازیں آ رہی تھی جیسے کوئی ہڈیاں چبا رہا ہو چند لمحوں بعد دروازہ پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں دونوں کی آخری چیخیں سن کر دفاتر مین ڈرائیور ماسٹر تینوں پہنچ گئے تھے اور دروازے پر ہاتھ مار مار کر انہیں آوازیں دے رہے تھے تھوڑی سی دیر بعد اندر کی خاموشی نے انہیں بتا دیا کہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے وہ تینوں دھکے مار مار کر دروازہ توڑنے لگے دروازہ مضبوط تھا ٹوٹ نہیں سکتا تھا البتہ چٹخنی جھٹکے کھا کر نیچے آ گئی۔اور دروازے کے دونوں پٹ جھٹکے سے کھل گئے ماسٹر کے ہاتھ میں لالٹین روشن تھی وہ دونوں اپنی اپنی کرسیوں پر اپنی زندگی کا سفر ختم کر چکے تھے میز پر ایک بجھا ہوا اسٹو و اور لالٹین رکھی ہوئی تھی ہڈیوں کے پاس ایک سیاہ رنگ کا بلا آخری ہڈی چبانے میں مصروف تھا چاقو کے چمکتے ہوئے پھل کی طرح اس بلے کی آنکھیں چمک رہی تھیں اس کے اگلے بائیں پنجے کے ایک ناخن پر دوسرا ناخن یوں چڑھا ہوا تھا جیسے انگوٹھا پر انگوٹھا ہو

ختم شد۔

قارئین کرام آج کافی عرصہ کے بعد آپ کی محفل میں ایک کہانی کے ساتھ حاضر ہو رہا ہوں کیسی لگی میری یہ کہانی مجھے اپنی رائے سے ضرور نوازیئے گا مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

وہ پھول ہی کیا جس میں خوشبو نہیں
اس زندگی کا کیا فائدہ مقدس جس میں تو نہیں
اے کاش وفا کے نام پر ہوتی داستان
ہم بھی لکھتے محبت مدنی آب زم زم کی طرح
محبت کرنا جرم ہے اس زمانے کی نگاہوں میں
حقیقت میں یہ عبادت ہے خدا کی بارگاہوں میں
محبت نام ہے خوشی کا خوشی سے غم اٹھا لینا
مجھے محبت ہے مقدس تم سے کسی دن آزما لینا
دور رہ کر بھی تیری یادوں کو پوجا میں نے
[illegible] نہ کہنا کہ مجھے آداب وفا دیا نہیں

ڈر کے آگے جیت ہے

---آر۔ کے ریحان خان۔ پشاور۔ قسط نمبر 10

ریحان ابھی آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ مغرب کی جانب آگ کے شعلہ بلند ہونے لگے جسے دیکھ کر ریحان کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس۔ نے مورزین سے کہا۔ تم بھی جلدی کرو لگتا ہے یمرن پر وادی مرگ کی طاقت نے حملہ کر دیا ہے۔ ریحان تیزی کے ساتھ یمرن کی طرف بڑھا اور چند لمحوں بعد وہ یمرن کے پاس موجود تھا جیسے ہی اس نے یمرن کو دیکھا تو وہ غصہ سے پاگل ہونے لگا کیونکہ یمرن ان مخلوق کے ہاتھوں میں تھی جو نہایت زخمی ہو چکی تھی اور وہ اسے اس کے سردار کے پاس لیجا رہے تھے اس کے ہاتھ پاؤں سے خون بہہ رہا تھا اس کا گروپ بھی کافی زخمی ہو چکا تھا وہ تیزی کے ساتھ اس مخلوق پر ٹوٹ پڑا وہ پاگلوں کی طرح چیخے جا رہا تھا تم نے یمرن کو زخمی کیا ہے یمرن کا خون بہایا اب مجھ سے مقابلہ کرو آؤ وہ سب کو تیزی سے چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا ان مخلوق کے سر ہوا میں بلند ہونے لگے ریحان نے یمرن کو اپنے بانہوں میں لیا اس پر یمرن نے دھیرے سے اپنی آنکھیں کھولی اور مسکراتے ہوئے ریحان سے بولی۔ ریحان تم رو کیوں رہے ہو مجھے تو لگا تھا کہ تمہیں رونا نہیں آتا ریحان نے بے اختیار یمرن کو گلے سے لگایا اور کہا یمرن تم ٹھیک ہو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم ٹھیک ہو میری جان ہی نکل گئی تھی اس پر یمرن نے دھیمی آواز میں کہا۔ ریحان جب تک تم ہو مجھے کچھ نہیں ہوگا اور مجھے بھی آج پتہ چلا کہ تم کو میری کتنی فکر ہے۔ ریحان اس کا کیا مطلب ہے۔ ریحان پتہ نہیں تمہاری بانہوں میں آتے ہی میں اپنے سب درد بھول جاتی ہوں اس پر ریحان اپنے جذبات کی دنیا سے باہر آ گیا۔ اس نے یمرن کو خود سے الگ کیا اتنے میں باقی لڑکیاں بھی آ گئیں مورزین نے جب یمرن کو زخمی حالت میں دیکھا تو اسے اپنی گود میں لٹایا اور کہا۔ یمرن تم ٹھیک تو ہو اور یہ یہ خون دیدی دیدی کیا ہوا تمہیں۔ حنا بھی رو کر کہنے لگی۔ ارے ارے ٹھیک ہوں میں کچھ نہیں ہوا ہے مجھے اور نہ ہی ہوگا یمرن نے پیار سے ریحان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اس پر ریحان نے غصہ سے کہا۔ بس اب بہت ہو گیا۔ اس نے یمرن پر حملہ کر کے اچھا نہیں کیا اس کی قیمت تو اسے چکانی ہوگی۔ بہت ہو گیا اب تو تم گئے ریحان نے دور وادی مرگ کی طاقت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر ان کو تباہ کرنے کے لیے وہ ان کی طرف بڑھتا چلا گیا وہ اس مخلوق کو مارنے میں کامیاب ہو جائے گا یہ سب اس کہانی میں جانیے۔ ایک سنسنی خیز اور ڈراؤنی کہانی موبائل نمبر۔0336.5091803

ریحان کے ان واروں سے مورزین بمشکل اٹھ گئی۔ اور اس وقت ریحان کا رخ سلمان کی طرف ہو گیا تھا ریحان نے اس پر وار کرنے شروع کر دیئے تھے۔ وہ پاگلوں کی طرح وار پر وار کر رہا تھا جسے دیکھ کر بھی لڑکیوں کی ہنسی چھوٹ گئی ریحان نے ایک زوردار وار سلمان پر کیا جس سے وہ سلمان کی تلوار دو حصوں میں بٹ گئی اور وہ زمین پر نیچے گر گیا جسے دیکھ کر مورزین تیزی سے سلمان کے پاس بھاگی آئی اور اسے اٹھا کر ریحان سے کہا۔

سیمرن تمہیں کیا ہو گیا ہے [illegible] تمہاری کیا دشمنی ہے یا کوئی ایسے [illegible] بازی سکھا [illegible]
لگ تو ایسے ہی رہا تھا جیسے تم اسے جان سے مارنا چاہتے ہو۔
ریحان نے ان سے کہا۔ تو میں کیا کروں یہ خود ہی گر گیا اگر اتنا ہی کمزور ہے تو یہ تو تلوار بازی نہ سیکھے
آؤ سلمان میں تم کو سکھاتی ہوں۔
کیا سچ میں سلمان نے اچھلتے ہوئے کہا۔
ہاں چلو دوسری تلوار اٹھا لو۔
پھر سلمان نے دوسری تلوار اٹھائی اور مورزین اس کو تلوار بازی سکھانے لگی جبکہ ریحان اسے دیکھتا ہی رہ گیا حنا نے ریحان سے کہا۔
ریحان اب میری باری ہے۔
او کے۔ حنا تلوار نکالی حنا نے اپنی تلوار نکالی ریحان نے اسے پہلے تلوار پکڑنا سکھایا اور پھر تلوار بازی سکھانے میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد سیمرن نے حنا سے کہا۔
اب میری باری ہے حنا نے مسکراتے ہوئے اپنی تلوار کمان میں ڈالی اور کہا۔
دیدی کیا تم بھی سیکھو گی۔
ہاں حنا کیوں نہیں۔
اچھا تو پھر آؤ سیمرن اپنے بالوں کو لہراتے ہوئے ریحان کی طرف بڑھنے لگی جس سے ریحان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا سیمرن نے نزدیک پہنچ کر اپنی تلوار نکالی۔ اور ریحان سے بولی اب تیری خیر نہیں۔ سیمرن نے اپنی تلوار جان بوجھ کر الٹ پکڑی ہوئی تھی ریحان نے جب اسے تلوار کو پکڑتے ہوئے دیکھا تو ان سے کہا۔
پہلے تلوار تو ٹھیک سے پکڑنا سیکھو۔
اچھا تو کیا میں نے غلط پکڑی ہے۔
ہاں۔ ریحان نے کہا۔
اچھا تو کس طرح پکڑی جاتی ہے۔
اس پر ریحان نے اس کو تلوار سیدھی پکڑا دی تو پھر سے سیمرن نے الٹ کر دی۔
اف سیمرن کیا تلوار نہیں پکڑ سکتی ریحان نے مایوسی سے کہا ریحان نے پھر سے اس کی تلوار سیدھی کی اور چلانے کو کہا مگر پھر سے سیمرن نے اپنی تلوار الٹ کر دی تماشہ سب لڑکیوں نے دیکھا ادھر سلمان نے مورزین سے کہا۔
ذرا ادھر لیلیٰ مجنوں کو دیکھو۔
مورزین کی نظر بھی ان دونوں پر پڑ گئی سیمرن تمہارے ہاتھوں کو کیا ہوا ہے تلوار پکڑ نہیں پا رہی ہو تو سیمرن نے ریحان سے کہا۔ ریحان پکڑ تو رہی ہوں مگر پتہ نہیں کیوں میرے ہاتھوں سے پھسل جاتی ہے اس پر ریحان سمجھ گیا تو وہ دھیرے سے سیمرن کے پیچھے ہو گیا اور پیچھے سے اپنے دونوں ہاتھوں کو

دھیرے دھیرے ہاتھوں پر آگے ہی آگے لے جانے لگا اور سیمرن کے دونوں ہاتھوں کو پیچھے سے پکڑا اور اسے تلوار پر دھیرے سے دبانے لگا جس سے سیمرن کی آنکھیں دھیرے سے بند ہونے لگیں۔ اور وہ مستی کی دنیا میں خوابوں محبت کی دنیا میں کودنے لگی۔ ریحان کے ہاتھ بھی جذبات کی وجہ سے تھرتھرانے لگے آج پہلی مرتبہ ریحان سیمرن کے اتنے قریب گیا تھا دونوں کی سانسیں آپس میں ٹکرانے لگی سیمرن کے کھلے ہوئے بال پیچھے سے ریحان کے چہرے اور آنکھوں پر ہوا کی وجہ سے گرنے لگے جس کی وجہ سے ریحان اپنی محبت کی دنیا میں سے باہر آ گیا۔ اور آنکھیں کھول کر سیمرن سے کہنے لگا۔
سیمرن تم نے پھر سے اپنے بالوں کو کھلا ہوا چھوڑا ہے۔
مگر سیمرن اب بھی محبت اور مستی کی دنیا میں ڈوبی ہوئی تھی اس نے ریحان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا ریحان نے ان کے دونوں ہاتھوں کو تلوار کے ساتھ پہلے اوپر کیا اور پھر دائیں بائیں لے گیا اور آخر میں نیچے جھکا دیئے اس کے ساتھ ہی ریحان نے ان کے ہاتھوں کو چھوڑا اور ساتھ ہی ریحان نے اس کے ہاتھوں کو چھوڑا اور اس کے سامنے گیا۔
سیمرن اب شروع ہو جاؤ۔
مگر سیمرن نے ابھی تک اپنی آنکھیں بند کی ہوئی تھیں ریحان نے اس بار تیزی سے سیمرن سے کہا
سیمرن کیا کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ ریحان کی اس بات پر سیمرن اپنی یادوں اور محبت کی دنیا سے باہر آ گئی اور چونک کر کہا۔ ہاں۔
سیمرن تم کہاں کھو گئی تھیں۔ تلوار [illegible]۔
سیمرن نے اپنی تلوار اوپر اٹھائی اور ہنستے ہوئے ریحان سے بولی۔ ہاں ضرور۔
ان کے ساتھ ہی سیمرن نے تلوار بازی شروع کر دی جیسے دیکھ کر ریحان نے اس سے کہا۔
سیمرن تم تو پہلے سے ہی تلوار باز ہو گیا ابھی وہ سب ڈرامہ کر رہی تھی۔
اس پر سیمرن نے اپنی تلوار کمان میں ڈالا اور ریحان سے مسکراتے ہوئے بولی۔
ریحان ایسا ہی سمجھ لو۔
کیا!!!!!۔ سیمرن کی اس بات پر ریحان کے منہ سے بے اختیار حیران ہوتے ہوئے یہ الفاظ نکلے جبکہ باقی وہ سب ابھی تک اپنی جگہ پر حیران کھڑے تھے سیمرن نے وہاں پر جاتے ہوئے سب سے کہا چلیں عصر کا وقت ہو گیا ہے باقی ٹریننگ کل صبح ہو گی اس طرح ریحان نے دوسرے میدان میں جا کر سب سے کہا باقی ٹریننگ کل صبح ہو گی اور مجھے لگتا ہے کہ ہم جلدی اپنی فوج بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اسی طرح ریحان نے جلد ہی فون بنالی فوج بنانے کے بعد بھی لوگ حد سے بھی زیادہ خوش تھے ریحان نے ریاست میں پھر سے اعلان کر دیا۔
ریاست کے لوگو جیسا کہ آپ سب لوگوں کو پتہ چل چکا ہے کہ آپ لوگوں کی فوج تیار ہو چکی ہے اور اب منزل دور نہیں ہے مجھے یقین ہے کہ جلدی ہی سات سروں والی مخلوق اور اس کا سردار اپنا وجود ظاہر کر دیں گے اس لیے اب آپ سب لوگ پر سکون رہو انشاء اللہ جلد ہی کوئی حل نکلے گا ریحان کی

باتوں نے ساری ریاست کے لوگوں کو پرسکون کر دیا اس کے بعد ریحان بادشاہ کے خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا بادشاہ سلامت ہمارا منصوبہ اپنے اختتام کو پہنچ چکا ہے۔ اب ریاست کی مکمل فوج تیار ہو چکی ہے اب ان کی اپنی حکومت ہو گی اب وہ مکمل غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہو چکے ہیں اب کوئی بھی شیطانی طاقت چاہ کر بھی اس ریاست پر حملہ آور نہیں ہو سکتی اور اگر غلطی سے ہو گئی بھی گئی تو وہ یہاں سے زندہ سلامت بچ کر نہیں نکلے گی۔

ریحان کی باتیں سن کر بادشاہ نے ایک سرد آہ بھری اور ریحان سے کہا۔ ریحان بیٹے مجھے امید ہے کہ ایسا ہی ہو گا اور مجھے تمہاری بہادری پر فخر ہے بادشاہ نے اتنا کہا اور اپنے کمرے میں چلا گیا جبکہ سلمان وہاں سے بادشاہ کے بیٹے کے ساتھ اندر داخل ہوا کیونکہ آج وہ بادشاہ سے ملنا چاہتا تھا۔ اتنے دنوں بعد وہ بادشاہ سے ملنے آیا تھا کیونکہ اس کو ہمت نہیں ہو رہی تھی کیونکہ بادشاہ کا اس پر بہت بڑا احسان تھا جس کو وہ کبھی چکا نہیں پایا تھا مگر آج وہ آیا تھا بادشاہ سے یہ کہنے کہ اس جنگ میں وہ بادشاہ کے احسان کا بدلہ ضرور چکائے گا اس نے جب ریحان کو دیکھا تو مسکراتے ہوئے ان سے بولا۔

ریحان آپ یہاں۔

ریحان نے سلمان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ہاں بادشاہ سے کچھ کام تھا۔

ریحان نے اتنا کہا اور دروازے کی طرف بڑھا تو سلمان نے اس کو آواز دی۔

ریحان ذرا رکو آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔

ریحان یہ سن کر رکا اور بغیر دیکھے بولا۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

ریحان مجھے پتہ نہیں کہ آپ [illegible] مجھ سے اتنی [illegible] کرتے ہو گے میں آپ کی [illegible] آپ کی بہادری کی قدر کرتا ہوں بس صرف اتنا ہی کہنا تھا کہ اگر آپ کو میری وجہ سے کوئی تکلیف ہو رہی ہو تو میں آپ سے اور باقی لڑکیوں سے دور رہوں گا بس صرف اتنا ہی کہنا چاہتا تھا کہ اگر آپ مجھے اور لڑکوں کی طرح سمجھتے ہیں تو میں آپ کو بتا دوں کہ میں باقی لڑکیوں کی طرح نہیں ہوں۔ اور نہ ہی آج تک مجھے کسی لڑکی میں دلچسپی ہوئی ہے اور رہی بات میری ہنسی مذاق کی تو وہ تو وہ میری عادت ہے جس کو میں چاہ کر بھی نہیں بدل سکتا ہوں۔ سلمان نے بات ختم کی تو ریحان نے پیچھے مڑ کر اسے ایک نظر دیکھا اور بغیر کچھ کہے وہاں سے باہر چلا گیا جبکہ سلمان اپنی جگہ پر کھڑا رہا بادشاہ کے بیٹے نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو سلمان مسکراتے ہوئے اس سے بولا۔

میں کبھی بھی اس لڑکے کو سمجھ نہیں پاؤں گا مگر میرا بھی نام سلمان ہے میں بھی اتنی آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا سالے تو میں اس کو بنا کر ہی رہوں گا زندگی میں پہلی بار مجھے کسی لڑکی سے سچی محبت ہوئی ہے اس کو حاصل کرنے کے لیے میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گا۔

اس پر بادشاہ کے بیٹے نے حیران ہو کر کہا۔ سلمان دن میں سپنے دیکھنا چھوڑو اور آؤ بادشاہ سے نہیں ملنا ہے کیا اس کے ساتھ ہی وہ دونوں بادشاہ کے کمرے میں چلے گئے۔

ریحان اپنے کمرے میں چلا گیا وہ بھی لڑکیاں اس کی منتظر تھیں جبکہ ریحان کے چہرے پر مایوسی

اور پریشانی صاف دکھائی دے رہی تھی آج وہ حد سے زیادہ پریشان تھا سبھی لڑکیوں نے ریحان کی پریشانی نوٹ کی وہ بھی ریحان کی طرف تیزی سے بڑھیں۔

ریحان تم اتنے پریشان کیوں ہوں۔ مورزین نے بے صبری سے ریحان سے کہا باقی سب نے بھی ریحان سے اس کی پریشانی پوچھی ریحان نے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

پتہ نہیں مورزین کیوں مگر میں نا چاہ کر بھی تم سب کے بارے میں سوچتا چلا جا رہا ہوں۔

ہمارے بارے میں وہ کیوں۔

مورزین پتہ نہیں مگر ہم نے اتنے دن ساتھ گزارے مگر میں نے کبھی بھی یہ بات نہیں سوچی جو آج دماغ میں بار بار آ رہی ہے۔

کون سی بات ہے۔ سیمرن نے بھی تیزی سے ریحان سے سوال کر دیا۔

دیکھو سبھی لڑکیاں دھیان سے سنو آپ سب یہاں پرائی ہو میری وجہ سے اور انہی نے بھی تم سب کو میرے بھروسے پر یہاں پر بھیجا ہے اس لیے سلمان کی وجہ سے آج میں یہ سوچنے پر مجبور پر ہو گیا ہوں کہ صرف سلمان ہی نہیں اگر کوئی اور اس کی جگہ ہوتا اور یا آگے تم سب کا سامنا لڑکوں سے ہوا اور تم میں سے ایک اگر اس لڑکے سے محبت دیکھو میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ سچی محبت کرنا کوئی جرم نہیں ہے مگر تم سب اچھی طرح جانتی ہو کہ ہم کس دنیا میں ہیں یہاں پر ہر کسی کو بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے اس لیے میں کہنا چاہ رہا تھا تم سب سمجھتی ہو ناں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

ریحان کی یہ باتیں سن کر سبھی لڑکیوں کے ہوش اڑ گئے اور سب ہی ریحان کو غصہ سے دیکھنے لگیں۔ اس پر مورزین نے کہا۔ ہاں، ریحان ہم سمجھ گئے ہیں تم کیا کہہ رہے ہو مگر مجھے بے حد افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم ہم سب کو ابھی تک نہیں سمجھ پائے ہو تمہیں کیا لگتا ہے کہ ہم اتنی بے وقوف ہیں اتنی بے غیرت ہیں کہ تمہارے بھروسے کو توڑ دیں گی اور جہاں تک لڑکوں کا سوال ہے ہم ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے کہ لڑکوں کے ہنسی مذاق اس کی بھولی بھولی باتوں میں آ جائیں گی۔ نہیں بھیا نہیں تمہاری سوچ اتنی غلط ہو سکتی ہے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

اس پر سیمرن جو ابھی تک خاموش تھی اس کی آنکھوں میں بے پناہ آنسو تھے وہ اپنی بھیگی ہوئی پلکوں سے بولی۔ ریحان مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی تم ہمیں سمجھتے کیا ہو کیا ہم ایسی ویسی لڑکیاں ہیں جو اپنا دل کسی کو بھی پھینک کر دے دیں گے ریحان میں کہنا تو نہیں چاہتی تھی مگر ابھی کہہ رہی ہوں لڑکی جب محبت کرتی ہے تو سچے دل سے اور زندگی میں ایک ہی بار کرتی ہے۔ ایک ہی لڑکے سے محبت کرتی ہے اور وہ محبت بھی ایسی ہوتی ہے کہ اگر وقت آنے پر وہ اپنے محبوب پر اپنی جان بھی قربان کر دیتی ہے اور وہ محبت کبھی ناکام نہیں دھوکہ فریب والی محبت نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ وہ محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور اللہ پاک کبھی بھی دھوکے اور فریب والی محبت کو اپنے بندوں کے لیے پسند نہیں کرتا ہے اور جس جس لوگوں کے ساتھ دھوکے ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں وہ محبت سچی نہیں ہوتی ہے۔ وہ دوسری تیسری یا ہوتی محبت ہوتی ہے۔ اس لیے ریحان تم نے ہم سب کے دلوں کو بہت چوٹ لگائی ہے۔

یسمرن نے اتنا کہا اور اپنا سر جھکا لیا۔ کیونکہ اس کے آنسو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے عالیہ اور حنا کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے تھے حنا نے ریحان سے کہا۔

ریحان کیا تمہارا ہم پر بھروسہ اتنا ہی تھا۔

عالیہ بولی۔ ریحان تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ تم جب ہمارے ساتھ ہو تو ہم کیسے کسی دوسرے کو دیکھیں گے اور ہم یہاں کسی سے محبت کرنے نہیں بلکہ تمہارے لیے آئے ہیں۔

ریحان نے جب یہ باتیں سنی تو اس کی آنکھیں بھی بھر آئیں اور سب سے کہا۔ ارے لڑکیو تم سب نے مجھے بھی رلا دیا ہے کس نے کہا کہ میں تم سب پر بھروسہ نہیں کرتا ارے تم سب ہی میری طاقت ہو میرا غرور ہو وہ تو میں ویسے ہی سب سے مذاق کر رہا تھا۔ مگر مجھے کیا پتہ تھا کہ میری شہزادیاں اسے اتنی سیریس لے لیں گی۔ اس لیے آئی ایم سوری۔۔

ریحان نے اپنا کان پکڑتے ہوئے کہا۔ جس پر اس کا ایک کان حنا نے پکڑا اور دوسرا عالیہ نے اور اسے کھینچتے ہوئے کہا مذاق ایسے کیا جاتا ہے آئندہ اگر ایسا مذاق کیا تو یہ کان ہم چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ اس پر ریحان نے درد سے دبی ہوئی آواز میں کہا۔

مت چھوڑنا مگر اب تو چھوڑ دو مجھے درد ہو رہا ہے۔

حنا نے ریحان سے ہا۔ مگر ایک شرط پر۔

ہاں بولو کون سی شرط۔

تمہیں دیدی کے کان پکڑنے ہوں گے۔ حنا نے کہا۔

حنا تو مروانا چاہتی ہو کیا۔ ریحان نے کہا

ٹھیک ہے تو پھر میں نہیں چھوڑوں گی کان۔

اچھا اچھا تم پہلے چھوڑو تو سہی۔

نہیں پہلے وعدہ کرو۔ حنا نے کہا۔

حنا میری ماں کیوں مجھے مروانا چاہتی ہو۔ اچھا وعدہ پہلے چھوڑو تو سہی۔

او کے چھوڑ دیتی ہوں۔ حنا نے کان چھوڑ دیے جبکہ یسمرن نے اپنا سر جھکایا ہوا تھا ریحان دھیرے دھیرے سے یسمرن کے نزدیک گیا اس کے بال کھلے ہوئے تھے ریحان نے دھیرے سے کہا ریحان موت کے منہ میں جا رہا ہے اور ریحان نے تیزی سے یسمرن کے بال پکڑے مگر یسمرن بھی پہلے سے تیار تھی اس نے تیزی سے اپنے دائیں ہاتھ سے ریحان کے بال پکڑے اور اسے نیچے گرا دیا جس پر سبھی لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں یسمرن نے مسکراتے ہوئے ریحان سے کہا۔

- آج میری باری تھی۔

س۔س۔ یسمرن۔ میرے بال چھوڑ دو مجھے درد ہو رہا ہے۔ ریحان نے ہکلاتے ہوئے درد سے دبی ہوئی آواز میں کہا جس پر یسمرن نے کہا۔

درد ہو رہا ہے۔

یوں لگا جیسے درد میں [illegible]

اب پتہ چلا بالوں کا درد کیا ہوتا ہے۔

ہاں مگر مجھے حنا نے کہا تھا پلیز چھوڑ دو میں آئندہ تمہارے بالوں کے نزدیک بھی نہیں آؤں گا۔

اس پر موزین نے کہا۔ یسمرن اب چھوڑ دو اسے اب اس کو سبق مل چکا ہے۔

او کے موزین تم کہہ رہی ہو تو چھوڑ دیتی ہوں ورنہ میرا ارادہ نہیں تھا اس نے فوراً ریحان کو چھوڑا

ریحان نے اپنے بکھرے بال سنوارے اور موزین سے کہا۔

شکریہ اب میں چلتا ہوں سونے کے لیے ورنہ پتہ نہیں میرا کیا ہوگا۔

وہ دھیرے دھیرے کمرے سے دوسرے کمرے میں چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد میٹھی نیند سو گیا۔ اس طرح یہ رات بھی اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ ریحان نے فجر کی نماز پڑھ تو اچانک ریحان کو باہر شور سنائی دیا وہ تیزی سے باہر نکلا ریحان کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ لوگوں میں شور کیسا ہے اس نے جب کچھ لوگوں سے پوچھا تو اسے جب پتہ چلا کہ اس کے ہوش اڑ گئے کیونکہ ہر ایک کی زبان پر یہ ہی بات تھی کہ بادشاہ سلامت اور سلمان کو کسی نے اغوا کر لیا ہے۔ وہ دونوں غائب ہیں کچھ لوگ یہ کہہ رہے تھے کیسی غائبی مخلوق نے اس کو مارا ہوگا کچھ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ ساتوں سروں والی مخلوق نے یہ کیا ہے اب وہ اس کے ساتھ کیا کرنے والی ہے اس کا کیا ہوگا ہمارے بادشاہ کا کیا ہوگا ریحان سیدھا بادشاہ کے محل میں گیا تو وہاں پر ملکہ اور اس کا بیٹا رو رہے تھے ریحان سیدھا اس کے پاس گیا بادشاہ کے بیٹے نے جب ریحان کو دیکھا تو اٹھ کر ریحان کے گلے لگ گیا۔ ریحان نے پوچھا۔

تم رو کیوں رہے ہو۔ تم بچے نہیں ہو اور مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیسے ہوا اور کس نے کیا۔ ملکہ آپ پلیز رو مت بدشاہ کو کچھ نہیں ہوگا مجھ پر بھروسہ رکھو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

بیٹا مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔

اب مجھے بتاؤ یہ سب کیسے ہوا ریحان نے پوچھا۔

ریحان کل رات میں اور سلمان ابو سے ملنے گئے تو سلمان نے مجھ سے کہا کہ میں باہر جاؤں اس لیے میں باہر آیا اور بہت دیر انتظار کرنے کے بعد وہ باہر نہ نکلا تو میں سونے چلا گیا اس کے بعد مجھے پتہ نہیں کہ سلمان گھر گیا ہوگا کہ نہیں۔ یہ رات گزری ہوگی مگر صبح جب امی نے ابو کو جگانے کے لیے دروازہ کھولا تو وہ اپنے کمرے میں نہیں تھے اور وہاں پر خون کے قطرے تھے سارا محل چھان مارا۔ مگر ابو کہیں پر نہیں ملے۔ جب پتہ چلا کہ سلمان بھی غائب ہے تو مجھے یقین ہو گیا کہ وادی مرگ کی پانچویں طاقت ظاہر ہو گئی ہے یہ سب سننے کے بعد ریحان نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

اس کا مطلب ہے جنگ شروع ہونے والی ہے وہ ہم پر کبھی بھی حملہ کر سکتے ہیں اس لیے مجھے جلدی فوج کو ترتیب دینا ہوگا۔ اس کو تیار رکھنا ہوگا۔ جبران تم اب فکر نہ کرو اب وہ ہوگا۔ جس کا مجھے اب تک انتظار تھا میں جا رہا ہوں اب دیکھنا کیا ہوتا ہے اتنے میں چاروں لڑکیاں بھی اندر داخل ہو گئیں ریحان نے موزین کو دیکھا جو پرسکون تھی تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ کہ موزین کو سلمان سے محبت نہیں ہے

ریحان یہ سب کیسے ہوا موزین نے آتے ہی سوال کر ڈالا۔ تو ریحان نے اس کو سب کچھ بتا دیا۔ جس کو سن کر حنا عالیہ بولی۔

بچارہ سلمان اس کا کیا قصور تھا۔ اس پر موزین بولی۔

ریحان تو اب موزین اب جنگ ہو گی چلو آج تم سب کی بہادری کا بھی امتحان ہے۔

سمرن بولی۔ تو دیر کس بات کی آ ؤ اس شیطانی طاقت کو بتاتے ہیں کہ اس کا ٹکراؤ کسی سے ہونے والا ہے تو سبھی تیار ہو جاؤ۔

ہاں تم تیار رہو او کے تو چلو پلان بناتے ہیں کہ آگے کیا کرنا ہے ریحان نے ریاست کے لوگوں میں اعلان کر دیا ریاست کے لوگوں وقت آ گیا ہے۔ اس شیطان اور غائبی طاقت کو اس کے انجام تک پہنچانے کا اب جنگ ہو گی بدی کے کلاف ایسی جنگ کہ تم سب کی آنے والی نسلیں یاد رکھیں گی آپ سب بہادری کی ایک مثال قائم کرو گے ڈر کے آگے کوئی بھی ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ آج آپ سب اس شیطانی مخلوق کو بتاؤ گے کہ بدی کبھی بھی نیکی سے جیت نہیں سکتی آج آپ لوگ ڈر سے نہیں بلکہ ہمت سے کام لو گے کیونکہ ڈر کے آگے ہی جیت ہے اور یہی حقیقت ہے تو کیا آپ سب تیار ہو۔

ہاں ہاں ہم سب تیار ہیں۔

تو سنو ریاست میں جتنے بھی تلوار ہیں نیزے ہیں گھوڑے ہیں اور لوہے کے کپڑے ہیں وہ بھی میدان میں جلدی سے لے آؤ کیونکہ فوج کو تربیت دینے کا وقت آ گیا ہے ہمیں جتنی بھی جلدی ہو سکے اپنی فوج تیار کرنی ہوئی کیونکہ پتہ نہیں وہ ہم پر کب اور کس وقت حملہ آور ہو جائے۔ اس پر نیچے سے ایک شخص بولا۔

تو کیا ہمیں یہ یقین ہے کہ پہلے حملہ وہ کریں گے اور بادشاہ اور سلمان اس کا کیا ہو گا۔

ریحان بولا۔ یہ تو میرا منصوبہ تھا میں آپ لوگوں کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ مجھے وادی مرگ کی پانچویں طاقت کا پتہ تو پہلے ہی سے چل چکا تھا۔ مگر یہ پتہ نہیں تھا کہ اس کی فوج کہاں ہے اس لیے میں نے فوج تیار کی ہے اور اس ریاست کو پہلے جیسا بنا دیا ہے مجھے پتہ تھا کہ وہ تم سب کو صرف غلامی میں دیکھنا چاہتی ہے۔ مگر جب آپ لوگوں کی اپنی فوج بنے گی تو وہ یہ برداشت نہیں کر پائے گی وہ ضرور کوئی ناہوئی قدم اٹھا سکتی ہے۔ اور وہ قدم صرف اور صرف۔ تنگ کا ہو گا۔ جس سے نا صرف آپ کو یہ پتہ چل جائے گا کہ وادی مرگ کی پانچویں طاقت کون ہے بلکہ اس کی فوج بھی خود بخود ظاہر ہو جائے گی اس لیے اب آپ سب خود اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ وہ کون ہے اور جہاں تک سلمان اور بادشاہ کا سوال ہے وہ اسے کچھ نہیں کریں گے۔

ریحان کی یہ باتیں سن کر سبھی ریحان کی بہادری اور اس کی تیز دماغ کی داد دینے لگے اس طرح چند گھنٹوں میں جنگ کا مکمل سامان میدان میں موجود تھا۔ اور ریحان نے سں کو لوہے کے کپڑے پہننے کو کہا اور خود بھی پہن لیے اور بازوؤں پر سمرن کا دیا ہوا دوپٹے کا ٹکرا باندھا اور سر پر بھی ایک پٹی باندھی سمرن نے جب ریحان کو دیکھا تو مسکراتے ہوئے بولی۔

ریحان خود کو ذرا بچا کر رکھنا کہیں نظر نہ لگ جائے۔

ریحان نے اپنا دایاں ہاتھ تلوار کے ساتھ آگے بڑھایا جس سے اس کے بازوؤں پر باندھی دوپٹے کا ٹکڑا ہوا میں لہرایا ریحان نے سمرن سے کہا۔ یہ ہے ناں یہ مجھے نظر سے بچائے گا ریحان نے وہ دوپٹے کا ٹکراد کھاتے ہوئے کہا جس سے سمرن حد سے بھی زیادہ خوش ہو گئی ریحان نے اس سے کہا۔ اب زیادہ منسوںمت یہ لوہے کے کپڑے پہن لو۔

اسی طرح چاروں لڑکیوں نے بھی وہ لوہے کے کپڑے پہن لیے تھوڑی دیر میں سبھی تیار ہو کر باہر آ گئیں سبھی اس لوہے کے کپڑوں میں حد سے بھی زیادہ خوبصورت لگ رہی تھیں۔ لیکن ریحان نے جب سمرن کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے لوہے کے کالے کپڑے پہن لیے تھے اور اس نے بھی اپنے دائیں بازو پر وہ کپڑے کا ٹکرا باندھا ہوا تھا جو ریحان نے اس کے زخم پر باندھا ہوا تھا اسکے بال مکمل کھلے ہوئے تھے۔ جو ہوا کی وجہ سے اس کے چہرے پر گر رہے تھے سمرن غضب کی حسین لگ رہی تھی ریحان تھوڑی دیر اس کے حسن میں کھویا رہا سمرن نے آگے آ کر اس کے سامنے چٹکی بجائی اور کہا۔

کہاں کھو گئے ہو۔

نہیں نہیں وہ چونک سا گیا۔ بس سوچ رہا تھا کہ کہیں نظر نہ لگ جائے ہم سب کو۔

سمرن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ریحان ہم سب کو یا مجھ کو مگر فکر مت کرو یہ ہے نا یہ میری حفاظت کرنے والا سمرن نے بھی اپنے بازو پر دوپٹے کا ٹکڑا دکھاتے ہوئے کہا

اس طرح وہ سب میدان میں کھڑے تھے ریحان نے ایک نقشہ نکالا اور زمین پر رکھتے ہوئے بولا۔ سنو سبھی میں اس پوری فوج سے چار گروپ بنانے والا ہوں اس لیے ہر ایک گروپ کی الگ تعداد ہو گی جو برابر برابر ہو گی۔ موزین تم گروپ نمبر ایک کو جنگ میں حکم دو گی سمرن تم گروپ نمبر ٹو کو حکم دو گی اور عالیہ تم گروپ نمبر تھری کو حکم دو گی۔ اور حنا تم گروپ نمبر فور کو سمجھ گئی تم سب۔

ہاں مگر ریحان ہمیں نہیں لگتا تھا کہ تم ہم کو اتنے بڑے کام کے لائق سمجھو گے موزین نے ریحان کو مسکراتے ہوئے کہا جس پر ریحان نے کہا،

میں نے کہا تھا ناں کہ اب تم سب کی بہادری کا امتحان ہو گا تو تیار ہو تم سب۔

ہاں ہاں بالکل تیار ہیں مگر ریحان تم کس کو حکم دو گے؟ نے ریحان سے سوال کیا۔

ریحان بولا۔ میں تم سب پر نظر رکھوں گا جو گروپ خطرے میں ہو گا میں نہ صرف اس کی مدد کروں گا بلکہ دوسرے گروپ کو بھی حکم دوں گا میرے حکم پر تم سب اپنے طریقے سے اس کو حکم دینا اور ہاں جنگ میں میری نظر زیادہ تر وادی مرگ کی پانچویں طاقت پر ہو گی اس لیے آگے تم سب خود ہی سنبھالو گی۔ ٹھیک ہے ریحان ہم سمجھ گئے اس پر ریحان نے چار گروپ بنائے اور سب کو ٹھیک طریقے سے سمجھا دیا۔ اور اسی طرح یہ رات بھی گزر گئی صبح ریحان نے سب گروپوں کو ریاست کے چاروں کونوں میں بھیج دیا اور موزین کا گروپ مشرق کی طرف اور حنا کا گروپ جنوب کی طرف اسی طرح یہ رات بھی گزر گئی اور تیسرا دن شروع ہو گیا تھا۔

عصر کا وقت تھا کہ چاروں طرف دنے شور کی آوازیں سنائی دیں۔ ریحان نے سپیڈ کا منتر پڑھا اوراس طرح بڑھنے لگا جیسے ہی اس نے چاروں طرف دیکھا تو ہر طرف ساتوں سروں والی مخلوق تلواروں سے لیس اس کی ریاست کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ریحان واپس مڑا اور محل کا دروازہ بند ہونے کو کہا ریحان نے پہلے ہی سے ریاست کے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کا انتظام کر دیا تھا ریحان نے سب کو یہ خبر دی کہ بھی تیار رہے اس کی فوج آرہی ہے۔ اسی طرح وہ دھیرے دھیرے نزدیک سے نزدیک آرہی تھی اس کی تعداد بہت ہی زیادہ تھی ریحان نے سب کو سمجھا دیا کہ اس کی تعداد بہت زیادہ ہے حوصلہ مت ہارنا ہمت سے کام لینا سب۔ جیسے ہی وہ مکمل نزدیک پہنچے تو ریحان نے مورزین کو اشارہ کیا وہ سمجھ گئی مورزین نے سب کو حکم دیا [illegible] مورزین نے گروپ اس سات سروں والی مخلوق میں ایک زبردست جنگ شروع ہوگئی۔ ریحان نے اللہ کا نام لیا اور حنا کی نزدیک بھی وہ مخلوق پہنچ چکی تھی۔ ریحان نے حنا کو آواز دی یار ہو جاؤ حنا نے اپنے گروپ کو آواز دی حملہ کرو اس طرح اس میں بھی بھیانک جنگ شروع ہوگئی۔ اور اگلا گروپ عالیہ کا تھا جس نے پہلے ہی حملہ کیا ہوا تھا کیونکہ وہ مخلوق اس کے سروں پر پہنچ چکی تھی۔ اس لیے اس نے ریحان کا انتظار نہیں کیا ریحان نے مغرب کی جانب دیکھا جہاں وادی مرگ کی پانچویں طاقت سمیت ایک لمبی فوج آرہی تھی۔ ریحان تیزی سے سیمرن کی جانب گیا کیونکہ اب اس کو اس سمیت میں لڑنا تھا سیمرن تیار ہو ہاں ریحان میری خوش قسمتی ہے کہ تم میرے ساتھ ہو اور وادی مرگ کی پانچویں طاقت بھی ہماری طرف آرہی تھی۔

سیمرن تم بے تاب تھی تا کہ وادی مرگ کی پانچویں طاقت کون ہے اب دیکھتی جاؤ وہ نزدیک آرہا ہے۔ وہ رک گیا وہ ایک جادوائی تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سر پر ہڈیوں سے بنا ہوا تاج تھا جس سے سرخ خون کی طرح روشنی نکل رہی تھی مگر سیمرن نے جب اس کا چہرہ دیکھا تو خوف سے کانپ اٹھی کیونکہ اس کا چہرہ تھا ہی اتنا بھیانک اس کے چہرے کا رنگ مکمل سرخ تھا جیسے کچا گوشت ہو یا یہ سمجھ لو کہ چمڑی کی جگہ مکمل گوشت تھا اس کے چہرے پر اس کی آنکھیں سفید اور نیلی تھیں جو حد سے بھی زیادہ ڈراؤنی تھیں قد کے لحاظ سے وہ تقریباً سات آٹھ فٹ لمبا تھا۔ اس کے ہونٹ ہونٹ نہیں بلکہ ہڈیاں تھیں اسکی ہڈیوں کے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ تھی سیمرن نے ایک نظر ریحان کو دیکھا اور کہا۔

ریحان کیا اتنے دنوں تک تم ہمارے ساتھ مذاق کر رہے تھے کہ ہم اس کو کیسے جانتے ہیں یہ بھیانک چہرہ میں زندگی میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔

ریحان خود بھی حیران تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ سیمرن سے بولا۔ سیمرن یہ اس کا اصلی چہرہ ہے نقلی چہرہ اس کا اور کچھ ہے مگر یہاں اب یہ باتیں کرنا فضول ہیں۔

وہ رک کیا رہے ہیں رک کیوں گئے ہیں وہ سیمرن نے سب پر اپنی نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

ریحان نے سیمرن سے کہا۔ شاید وہ خود وہاں سے نہیں آئے گا شاید اب وہ اپنی فوج کو حکم دے گا اور ایسا ہی ہوا اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور بلند آواز میں کہا اس کی آواز بادلوں کی طرح گرج دار تھی جو پورے ماحول کو چیرتی ہوئی چلی گئی اس کی آواز سن کر اس کی فوج ریحان اور سیمرن کی طرف بڑھنے لگی

ریحان نے سیمرن سے کہا۔

سیمرن اپنا گھوڑا تیار کر لو ہم حملہ کرنے والے ہیں تم تیار ہو۔

ہاں ریحان بس اسے نزدیک آنے دو سیمرن نے سب کو بلند آواز میں کہا سب تیار ہو جاؤ۔ وہ آرہے ہیں جیسے ہی وہ نزدیک پہنچے ریحان نے آگ والا منتر پڑھا اور اپنا ہاتھ آگے کی طرف کیا جس سے اس کے ہاتھ سے آگ نکلنے لگی اور ان مخلوق کو جلانے لگی اس کے ساتھ ہی سیمرن نے سب کو حکم دیا اب وہاں پر ایک دہشت ناک جنگ شروع ہوگئی تھی ریحان نے ایک نظر سیمرن کو دیکھا جو بہت بہادری سے لڑ رہی تھی۔ ریحان نے سپیڈ والا اور غائب ہونے والا منتر پڑھ لیا اور ہوا کی تیزی کے ساتھ سات سروں والی مخلوق پر ٹوٹ پڑا [illegible] دھیرے دھیرے کم ہونے لگی ریحان کو [illegible] اب سیمرن اور اس کے ساتھی اس کا مقابلہ کر پائے گی تو اس نے سیمرن سے کہا۔

سیمرن کیا تم سنبھال لو گی۔ میں ذرا باقی سب کو دیکھ کر آتا ہوں۔

ہاں ریحان تم جاؤ یہ ہمارا مقابلہ نہیں کر پائے گی ریحان نے جب یہ سنا تو تیزی سے حنا کی طرف بڑھ رہا تھا حنا کافی مشکل میں تھی ریحان نے تیزی سے جا کر حنا سے کہا۔

اب فکر نہ کرو اب دیکھنا میں اس کا کیا کرتا ہوں۔

اس کے ساتھ ہی ریحان نے گھوڑے کو سامنے لے گیا۔ اور اپنی تلوار نکالی اور ہوا کی تیزی کے ساتھ ان مخلوق پر ٹوٹ پڑا جس سے وہ مخلوق دھیرے دھیرے کمزور پڑنے لگی مگر حنا کے گروپ میں بہت نوجوان جان سے ہاتھ دو بیٹھے تھے جلد ہی ریحان نے ان پر قابو پا لیا جب اس کو لگا کہ وہ مخلوق کمزور پڑ گئی تو اس نے حنا سے کہا۔

حنا اب سنبھال لو گی۔

ہاں ریحان شکر یہ کہ تم صحیح وقت پر آئے۔

حنا میں عالیہ کی طرف جا رہا ہوں۔ اپنے تعویذ کا خیال رکھنا۔

ٹھیک ہے ریحان تم اب بے فکر رہو۔

اس کے ساتھ ہی ریحان عالیہ کی طرف بڑھنے لگا عالیہ کا بایاں ہاتھ زخمی ہو چکا تھا مگر تعویذ کی وجہ سے اس کا باقی جسم ٹھیک تھا ریحان نے تیزی سے جا کر عالیہ سے کہا۔

عالیہ۔ تم ٹھیک ہو یہ زخم تمہارے ہاتھ پر تو کیسے لگا۔ ریحان نے ساتھ ہی جب اس کے گروپ کی طرف دیکھا [illegible] بہت سے نوجوان مر چکے تھے ریحان نے وہاں [illegible] پر قابو پایا اور کچھ ہی لمحوں میں وہاں کی مخلوق کو بھی کمزور کر دیا صرف کمزور ہی نہیں بلکہ سب کو ختم کر ڈالا۔ اس نے جب مورزین کو دیکھا تو اس کا گروپ بھی صحیح سلامت تھا اور اس نے بھی اپنی اطراف کا مکمل صفایا کیا ہوا تھا اور اب وہ عالیہ کی طرف آرہی تھی۔ مورزین کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے۔

ہاں ریحان اب وہاں پر کوئی بھی نہیں بچا۔ مورزین نے خوشی سے کہا۔

مورزین اب ایسا کرو کہ حنا کی طرف تم اور عالیہ بڑھو اور جب وہاں کا بھی خاتمہ ہو جائے تو سیمرن

کی طرف بھی بڑھو کیونکہ میں بھی وہاں جا رہا ہوں اور وادی مرگ کی پانچویں طاقت بھی وہاں پر ہے اور اب اس کی باری ہے۔

ریحان ابھی آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ مغرب کی جانب آگ کے شعلہ بلند ہونے لگے جسے دیکھ کر ریحان کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے مورزین سے کہا۔

تم بھی جلدی کرو لگتا ہے یسرن پر وادی مرگ کی طاقت نے حملہ کر دیا ہے۔

ریحان تیزی کے ساتھ یسرن کی طرف بڑھا اور چند لمحوں بعد وہ یسرن کے پاس موجود تھا جیسے ہی اس نے یسرن کو دیکھا تو وہ غصہ سے پاگل ہونے لگا کیونکہ یسرن ان مخلوق کے ہاتھوں میں تھی جو نہایت زخمی ہو چکی تھی اور وہ اسے اس کے سردار کے پاس لیجا رہے تھے اس کے ہاتھ پاؤں سے خون بہہ رہا تھا اس کا گروپ بھی کافی زخمی ہو چکا تھا ریحان نے یسرن کو دیکھ کر بلند آواز میں یسرن کا نام لیا۔ یسرن ن ن ن ن وہ تیزی کے ساتھ اس مخلوق پر ٹوٹ پڑا وہ پاگلوں کی طرح کہیے جا رہا تھا تم نے یسرن کو زخمی کیا ہے یسرن کا کون بہایا اب مجھ سے مقابلہ کرو آؤ وہ سب کو تیزی سے چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا ان مخلوق کے سر ہوا میں بلند ہونے لگے ریحان نے یسرن کو اپنے بانہوں میں لیا اور رو کر ان سے کہنے لگا۔

یسرن یسرن آنکھیں کھولو دیکھو میں آگیا ہوں خدا کے لیے آنکھیں کھولو۔

اس پر یسرن نے دھیرے سے اپنی آنکھیں کھولی اور مسکراتے ہوئے ریحان سے بولی۔ ریحان تم رو کیوں رہے ہو مجھے تو لگا تھا کہ تمہیں رونا نہیں آتا

ریحان نے بے اختیار یسرن کو گلے سے لگایا اور کہا یسرن تم ٹھیک ہو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم ٹھیک ہو میری تو جان ہی نکل گئی تھی

اس پر یسرن نے دھیمی آواز میں کہا۔ ریحان جب تک تم ہو مجھے کچھ نہیں ہوگا اور مجھے بھی آج پتہ چلا کہ تم کو میری کتنی فکر ہے۔

ہاں یسرن فکر ہے اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میرا کیا ہوتا ریحان نے اتنا کہا تو چپ ہو گیا اس پر یسرن نے پھر سے دھیمی آواز میں کہا۔

ریحان اس کا کیا مطلب ہے۔ ریحان پتہ نہیں تمہاری بانہوں میں آتے ہی میں اپنے سب درد بھول جاتی ہوں اس پر ریحان اپنے جذبات کی دنیا سے باہر آگیا۔ اس نے یسرن کو خود سے الگ کیا اتنے میں باقی لڑکیاں بھی آگئیں مورزین نے جب یسرن کو زخمی حالت میں دیکھا تو اسے اپنی گود میں لٹایا اور کہا۔

یسرن تم ٹھیک تو ہو اور یہ یہ خون دیدی کیا ہوا تمہیں۔ حنا بھی رو کر کہنے لگی۔

ارے ارے ٹھیک ہو میں کچھ نہیں ہوا ہے مجھے اور نہ ہی ہوگا یسرن نے پیار سے ریحان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اس پر ریحان نے غصہ سے کہا۔

بس اب بہت ہو گیا۔ اس نے یسرن پر حملہ کر کے اچھا نہیں کیا اس کی قیمت تو اسے چکانی ہوگی۔ بہت ہو گیا اب تو تم گئے ریحان نے دور وادی مرگ کی طاقت کو دیکھتے ہوئے کہا اور سپیڈ کا منتر

پڑھ کر تیزی سے وادی مرگ کی پانچویں طاقت ان بلا کی طرف بڑھنے لگا مورزین نے جب ریحان کو دیکھا تو حنا اور عالیہ سے کہا۔

تم دونوں یسرن کے ساتھ بیٹھو میں باقی فوج کو لے کر اس کی طرف جا رہی ہوں ریحان پر جنون سوار ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔

مورزین ریحان کی حفاظت کرنا اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے یسرن نے مورزین سے کہا جس پر وہ بولی یسرن فکر مت کرو اسے کچھ نہیں ہوگا اگر وہ اپنے ہواس میں نہیں ہے مگر میں تو ہوں اسے کچھ بھی ہونے نہیں دوں گی۔

مورزین بھی فوج کے ساتھ وادی مرگ کی پانچویں طاقت کی طرف بڑھنے لگی ادھر ریحان مکمل وادی مرگ کی طاقت کے پاس پہنچ چکا تھا اس نے بلند آواز میں ان سے کہا تم جتنا بھی اپنا چہرہ چھپا لو مگر میں تمہیں جانتا ہوں اس لیے اب ساری ریاست کے لوگ تمہیں دیکھیں گے اس پر وہ ہنستے ہوئے بولا تو پھر ہو جائے کہ جیت کس کی ہوتی ہے میں تمہیں ایک موقع بھی نہیں دوں گا۔ یسرن پر وار کر کے تم نے اپنی موت کو دعوت دی بھی ہے اس کے ساتھ ہی اس بلا نے اپنے باقی فوج کو کچھ کہا جو تیزی سے ریحان پر حملہ آور ہوئی مگر ریحان مکمل ایک طوفان بن چکا تھا وہ تیزی سے اس مخلوق کو چیرتا ہوا آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔

ادھر مورزین بھی اپنی فوج کے ساتھ پہنچ چکی تھی اب وہاں پر پھر سے ایک بھیانک اور آخری جنگ شروع ہوئی۔ آخر ریحان وادی مرگ کی طاقت تک پہنچ ہی گیا۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک زبردست جنگ شروع ہو گئی شام بھی ہونے والی تھی ادھر ریاست کے بھی لوگ محل کے اندر سے نکل گئے تے جس میں ملکہ اور بادشاہ کا بیٹا بھی شامل تھا ادھر مورزین نے تخت کے نیچے ایک بکس کھولا جو تابوت کی شکل میں تھا۔ اس نے جیسے ہی وہ کھولا تو اندر سلمان اس میں باندھا ہوا تھا مورزین نے اس کا منہ کھولا جیسے ہی اس نے مورزین کو دیکھا تو مسکراتے ہوئے بولا۔

مجھے پتہ تھا کہ تم پھر سے مجھے بچانے کے لیے آؤ گی ویسے میرا جادو تم پر بس گیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی مورزین نے اس کو ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا اور کہا۔ آئندہ بچنے سے پہلے سوچ لینا اس کے ساتھ ہی وہ دوبارہ جنگ میں مصروف ہو گئی جبکہ سلمان نے اپنے گال پر ہاتھ رکھا اور خود سے کہا میں نے غلط کہا کیا۔ وہ جیسے ہی تابوت سے باہر نکلا باہر کا ماحول دیکھ کر وہ ڈر کی وجہ سے پھر سے تابوت میں لیٹ گیا بارے یہ ہے کیا سلمان باہر مت نکلنا یہی ٹھیک ہے مگر سلمان تم کو بھی لڑنا ہے مورزین کے لیے ابکے ساتھ ہی وہ بھی میدان میں اتر آیا اس نے تلوار اٹھائی اور لڑائی شروع کر دی۔

ادھر ریحان اپنا ہر وار اس بلا پر آزما رہا تھا مگر اب وہ اسے ہرا نہیں پایا تھا سلمان نے ریحان کو آواز دی ریحان اس کی طاقت اس کے جادوئی تخت میں ہے اسے ختم کر دو۔

سلمان کی بات سن کر مورزین مسکرائی اور سلمان سے کہا۔ آج تو نے کچھ پتہ کی بات کی ہے۔

ریحان تیزی سے اس جادوئی تخت کی طرف بڑھا اور اپنی کرشمائی تلوار سے اس پر ایک زبردست وار کیا جس سے وہ دو حصوں میں بٹ گیا اور ایک زوردار دھماکہ کے ساتھ وہ مکمل پھٹ گیا اب اس جگہ پر صرف چند روشنیاں باقی تھیں اور اس تخت کی چنگاریاں اوپر کی طرف اڑنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ بلا دھیرے دھیرے کسی اور شکل میں آنے لگی ریاست کے سبھی لوگ بھی وہاں جمع ہو گئے تھے سات سروں والی بلا مخلوق بھی مکمل ختم ہو چکی تھی دھیرے دھیرے اس بلا نے انسان روپ اختیار کر لیا۔ جب وہ روپ مکمل ہو گیا تو سب ریاست کے لوگوں کے ہوش اڑ گئے کسی کو بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کچھ لوگ تو وہی پر بے ہوش ہو گئے اور باقی بھی رو رہے تھے ہر کسی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

قارئین میں آپ لوگوں کو اور سسپنس میں نہیں رکھنا اس لیے وادی مرگ کی پانچویں طاقت کون ہے آپ خود پتہ چل جائے گا ملکہ تو رو رو کر پاگل ہو رہی تھی اور بادشاہ کے بیٹے کا بھی یہی حال تھا موزین نے ملکہ کو تسلی دی ہر کوئی اس لیے رو رہا تھا کیونکہ وادی مرگ کی پانچویں طاقت کوئی اور نہیں بلکہ بادشاہ ہی تھا ہاں اس ریاست کا بادشاہ ہی وادی مرگ کی پانچویں طاقت تھا اب آپ لوگ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ بادشاہ کیسے تو اس کا پتہ بھی آپ سب کو لگ جائے گا۔

ابو نہیں نہیں ابو نہیں ہو سکتے۔ اس کا بیٹا رو رو کر کہہ رہا تھا سبھی ریاست کے لوگ بھی یہی کہہ رہے تھے اس کے بعد بادشاہ کا مکمل جسم پانی کی طرح بہنے لگا آخر میں اس نے یہ کہا۔

میں ہی سات سروں کی مخلوق کا [illegible] ہوں اور میں ہی وادی مرگ کی پانچویں طاقت ہوں مگر اس لڑکی کو کوئی بھی بچا نہیں سکتا اس نے سیمرن کو دیکھتے ہوئے کہا تم لوگ کیا سمجھتے ہو کہ مجھے مار کر تم جنگ جیت جاؤ گے۔ تم سب کی موت یقینی ہے یقینی ہے۔

اس کے ساتھ ہی مکمل پانی کی طرح اس کا وجود بہہ گیا۔ اور ان سے دو روشنیاں نیلے رنگ کی نکل گئیں جو ایک ریحان کے جسم میں چلی گئی اور دوسری موزین کے جسم میں اس پر سلمان آگے آیا اور کہا آگے کی کہانی میں سناتا ہوں۔

ہمارا بادشاہ پہلے جنگ میں ہی مر چکا تھا یہ بادشاہت یہ شیطان چلا رہا تھا ہمارے بادشاہ کو مار کر اس نے اس کی شکل لے لی اور ہمیشہ ہم لوگوں کو غلام بنا لیا اور اسی رات بھی جب میں جبران کے ساتھ بادشاہ کے کمرے میں گیا تو میں نے اس کی آواز پہچان لی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ جبران کو اس کا پتہ چلے اس لیے میں نے اس کو کمرے سے باہر جانے کو کہا اور میں نے اس شیطان سے یہ پوچھا کہ ہمارا بادشاہ کہاں ہے تو اس نے مجھے یہ کہانی سنا دی جو میں نے آپ لوگوں سے کہا اور جب اس نے اپنی تمام حقیقت مجھے بتا دی تو اس نے یہ کہا کہ اب جنگ ہو گی اور پھر سے یہ ریاست میرے قبضے میں ہو گی اور اس کے لوگ میرے غلام ہوں گے اور پھر اس نے اپنے ساتھ مجھ کو بھی لے گیا اور وہاں پر مجھے پتہ چلا کہ اس کی تمام طاقت اس کے جادوئی تخت میں ہے اور اب سب کچھ آپ لوگوں کے سامنے ہے۔

عالیہ ریحان سے بولی۔ ریحان تو تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔

اب میں کچھ کہوں گا مجھے پہلے سے پتہ تھا کہ مگر میں اس لیے چپ تھا کیونکہ آپ سب کبھی بھی میری

بات نہیں مانتے اور کبھی بھی اپنے بادشاہ کے خلاف نہیں جا سکتے تھے تو مجھے اس دن سے ہوا تھا جب اس نے ہمیں دو دیو کے راستے پر بھیجا تھا اس نے کہا تھا کہ ہم دن کو نکلیں گے جبکہ دن میں وہ مشن کبھی پورا نہیں ہو سکتا تھا اور اس کو یہ لگا تھا کہ ہم اس دو دیو راستے کو کبھی پار نہیں کر پائیں گے مگر معاملہ الٹ ہو گیا ہم نے سب ریاست کے لوگوں کا دماغ اس سرخ کھوپڑی سے آزاد کر لیا میرا شک یقین میں بدل گیا۔ تب بدلہ جب سلمان نے وہ آواز سنی تھی اور مجھے کہا تھا کہ یہ ہی وادی مرگ کی طاقت کی آواز ہے میں نے وہ آواز پہچان لی تھی اور میں نے صرف نا کو یہ بات بتائی تھی وادی مرگ کی پانچویں طاقت کون ہے اس لیے میں نے یہ سب کھیل کھیلا تا کہ آپ لوگ خود اپنی آنکھوں سے یہ سب دیکھو اور ایسا ہی ہوا ملکہ آپ پلیز رومت آپ کے شوہر تو کب کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں یہ آپ سب کا دشمن تھا ملکہ رو کر ریحان کے گلے سے لگ گئی اور کہا۔

بیٹا اگر تم نہیں آتے تو پتہ نہیں ہماری ریاست کا کیا ہوتا۔ بس ملکہ یہ تو اللہ کا کھیل تھا وہ کبھی بھی بدی کو زیادہ دیر چلنے نہیں دیتا اور ہمیشہ جیت نیکی کی ہوتی ہے اس طرح یہ ریاست غلامی سے آزاد ہو گئی ہے ریحان اور چاروں لڑکیوں نے بہت سے دن یہاں پر گزارے کیونکہ سیمرن کی حالت آگے جانے کی نہیں تھی۔ اور اب سیمرن مکمل ٹھیک ہو چکی تھی اور ریحان نے سب کی مرضی سے ریاست کی بادشاہت بادشاہ کے بیٹے جبران کو دی۔ اور آج وہ دن بھی آ گیا کہ جب ان سب کو چھٹی ریاست میں جانا تھا سب کی آنکھوں میں آنسو تھے سلمان تو رو کر پاگل ہو رہا تھا موزین نے اس کو بہت سمجھایا کہ ہمارا ساتھ تمہارے ساتھ بس اتنا ہی تھا قسمت کو یہی منظور تھا ریحان نے بھی سلمان سے کہا۔

اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو مجھے معاف کر دو تم نے ہماری بہت مدد کی ہے تمہارے بغیر ہم کبھی بھی چھٹی ریاست میں نہیں پہنچ سکتے تھے ریحان نے اس کو اپنی بھیگی پلکوں سے گلے سے لگایا اور سب ریاست کے لوگوں سے رخصت لے کر آگے بڑھنے لگے چاروں لڑکیاں بھی رو رہی تھیں سب نے یہاں پر بہت وقت گزارا تھا یہ جگہ اس کو اپنوں کی طرح لگی تھی اور یہاں کے لوگ بھی اسے اپنوں کی طرح لگے تھے۔ ہر کوئی پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ یہاں پر آنسو کا نہ تھمنے والا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا مگر ان سب کو آگے جانا تھا اس طرح روتے رونے وہ سبھی چھٹی ریاست کے دروازے تک پہنچ چکے تھے دروازے کے نزدیک پہنچتے ہی اندر سے آواز سنائی دی۔

کہاں جا رہے ہو۔ تم لوگ۔ ریحان نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ہم چھٹی ریاست میں جا رہے ہیں اور ہمیں جلدی سے اندر کا راستہ دو۔ اس کی بات پر اندر سے آواز سنائی دی۔ ضرور ضرور مگر میرا ایک سوال ہے اور مجھے اس کا جواب چاہیے پوچھو اپنا سوال۔ ریحان نے کہا۔ میرا سوال یہ ہے۔ وہ کیا ہے جسے ہر کوئی چاہتا ہے جسے ہر ایک پسند کرتا ہے اور جس انسان کو وہ حاصل ہوتی ہے وہ بڑا ہی مغرور ہوتا ہے اور خود کو دوسروں سے بڑا اور اہم محسوس کرتا ہے۔ بوجھو تو جانیں

تو اس سوال کا جواب کیا تھا کیا ریحان نے وہ جواب درست دیا کیا وہ سبھی چھٹی ریاست میں پہنچ پائیں گی یہ سب جاننے کے لیے اگلا شمارہ ضرور پڑھیے گا۔ جاری ہے۔

روح کہانی

---تحریر: محمد سلیم اختر۔راولپنڈی۔0336.0548882

محترم شہزادہ صاحب اور ریاض صاحب۔

ایک کہانی کے ساتھ حاضر ہوں اس کو ضرور شائع کرنا۔اس کا نام روح کہانی رکھا یہ سنسکرت کی مشہور زمانہ تصنیف۔پربت کتھا سرت ساگر۔کے مصنف کا نام گناڈھیائے تھا اس کا زمانہ تصنیف ۲۰۰ سے ۵۰۰ کا درمیانی دور ہے گناڈھیائے کے حالات زندگی جواب تک معلوم ہوئے ہیں وہ غیر معتبر ہیں کہتے ہیں کہ اس نے ہندو دیومالائی کہانیوں کو سات لاکھ اشعار میں بیان کر دیا تھا جب مہاراجہ نے انہیں پسند نہیں کیا تو اس نے اپنی منظوم کہانیوں کے ایک ایک لفظ کو جنگلی پرندوں کو سنا کر نذر آتش کر دیا اور خود بھی مر گیا۔زیر نظر دس کہانیاں اسی کتاب سے لی گئیں ہیں یہ کہانیاں کیسی ہیں انکی قدر و قیمت کا اندازہ قارئین خود لگا لیں گے لیکن یہ بتانا ضروری ہے کہ ان کہانیوں نے تمام دنیا کو متاثر کیا سر کسی کا دھڑ کسی کا ریورپ کے عظیم ناول نگار تھامس جین نے die vertaudcten koffe نامی ناول لکھ ڈالا اور اسی بنیاد پر امریکہ کے ایک اوپیرا ہاؤس نے liberetto of american pera کے نام سے تمثیلچہ پیش کیا نزاکت نامی کہانی ایشیا سے ہوتی ہوئی سائبیریا لیپ لینڈ اور جٹ لینڈ پہنچی جہاں اس کے پلاٹ پر ہنس اینڈرسن نے princessof the pea نامی کلاسیکل ناول لکھا اس کہانیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان سے عوام اور خواص یکساں متاثر ہوئے ہیں ان کو براہ راست سنسکرت سے اردو میں منتقل کیا ہے ان میں عقل و دانش کے ساتھ ہندوستان کا سہیلیوں سے تمدن اور انداز فکر بھی موجود ہے انہیں پڑھ کر حیرت اور ہنسی ایک ساتھ غلبہ کریں گے اور یہ دونوں ہی باتیں ہندو دیومالائی دماغ اور تمدن کی جان ہیں۔قارئین کرام کیسی لگی اپنی رائے سے نوازیئے گا۔اس کا باقی حصہ بعد میں روانہ کر دوں گا۔

دریائے گوداوری کے کنارے واقع سپرتیش تھانا پر کسی زمانے میں مشہور ہندو راجا تری وکرم سین کی حکومت تھی جو طاقت اور جاہ و جلال کے اعتبار سے راجا اندر سے کسی طرح کم نہ تھا مشہور ہے کہ یہ راجا جب دربار میں بیٹھا مملکت کے امور سے متعلق فیصلے کر رہا تھا تو ایک سادھو جس کا نام شانتی بل تھا اس کے پاس آتا اور ایک پھل بطور نذرانہ اسے دے کر چلا جاتا راجا وہ پھل سادھو سے لے کر اپنے وزیر مال کے حوالے کر دیتا یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا

ایک روز کا ذکر ہے کہ راجا نے یہ پھل سادھو سے لے کر ایک بندر کے آگے ڈال دیا بندر نے اسے کھانا شروع کر دیا راجا اور درباریوں کی حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ پھل کے اندر ایک

نہایت قیمتی اصلی موتی جگمگا رہا تھا تو راجا نے وہ موتی اٹھالیا اور وزیر کو بلا کر اس سے پوچھا کہ ہم نے اس سے پہلے جو پھل تمہیں دیئے تھے ان کا تم نے کیا کیا۔

مہاراج میں انہیں مال خانے میں ڈال دیا تھا اگر حکم ہو تو میں مال خانہ کھلوا کر ان کا پتہ لگاؤں وزیر نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

راجا کی اجازت پا کر وزیر دربار سے چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

مہاراج مجھے مال خانے میں پھل تو نظر نہیں آئے کیونکہ وہ تو گل سڑ بھی چکے ہوں گے لیکن قیمتی اور نایاب موتیوں کا ایک بڑا ذخیرہ البتہ مال خانے میں موجود ہے راجا نے وزیر کی ایمانداری سے خوش ہو کر تمام خزانہ اسے بخش دیا اگلے دن. پھر جب بوڑھا سادھو پھر راجہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو راجا نے اس سے کہا۔

مہاراج بھگوان کی کرپا سے میرے پاس سب کچھ موجود ہے پھر آپ مجھے اتنے قیمتی جواہر نذرانے کے طور پر کیوں پیش کرتے ہیں مجھے افسوس ہے کہ اگر آج آپ نے اس کا سبب مجھے نہ بتایا تو میں نذرانہ قبول نہیں کروں گا۔ سادھو کی آنکھوں میں شفقت کی ایک جھلک دکھائی دی اور پھر معدوم ہو گئی اس نے راجا کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

اے مہاراجا دراصل مجھے ایک خاص قسم کے جاپ کو مکمل کرنے کے لیے مدد کی ضرورت ہے اور میرا مددگار تجھ جیسا بہادر نڈر اور ایماندار شخص ہی ہو سکتا ہے مجھے امید ہے کہ مجھے مایوس نہیں کریئے گا یہ سن کا راجا نے چند لمحے توقف کیا اور پھر سادھو سے مدد کا وعدہ کر لیا۔

مجھے خوشی ہے کہ ایک بہادر اور مہان راجا نے میری مدد کا وعدہ کیا ہے۔ اے راجا مہینے کی آخری تاریخ کو جب چاند ڈوب چکا ہو رات کے پچھلے پہر مجھ سے شمشان بھومی میں ملنا میں تیرا انتظار کروں گا۔

چنانچہ مقررہ تاریخ اور وقت پر جب راجا گہرے تیساہ لباس میں ملبوس ہاتھ میں تلوار لیے پہرہ داروں کی نظروں سے بچتا بچاتا ہوا محل سے باہر نکلا اور تاریکی کی گہری چادر میں لپٹی ہوئی دہشت ناک فضا سے گزرتا ہوا شمشان بھومی میں داخل ہوا تو چاروں طرف چتائیں جل رہی تھی اور شعلے اپنی خوفناک زبانیں ہوا میں لہرا رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لاتعداد چڑیلیں اور بھوت ایک جگہ جمع ہو کر کسی وحشیانہ رقص میں محو ہوں

راجا بے شمار ہڈیوں کھوپڑیوں اور ڈھانچوں پر قدم رکھتا ہوا آگے بڑھتا ہوا ہڈیوں کے چٹخنے کی آوازیں ہوا کی سنساہٹ شعلوں کا رقص مردہ ڈھانچوں کا آگ سے اکڑ کر کھڑے ہو جانا تیل گھی اور انسانی گوشت کے جلنے کی ملی جلی بدبو نے اس کے ماحول کو جہنمی ماحول بنا دیا تھا لیکن بہادر راجا بڑے صبر و تحمل سے آگے بڑھتا رہا اور اس نے مرگھٹ کو پار کر لیا۔ سامنے ہی اسے سادھو دکھائی دیا جو ایک درخت کے نیچے ایک حلقہ کھینچ رہا تھا جس کے اندر بیٹھ کر اسے جاپ کرنا تھا۔

مہاراج میں حاضر ہوں بتایئے میں آپ کی کیا خدمت کروں۔ راجا نے قریب جا کر سادھو سے کہا۔

اے بہادر راجا میں تیری اس عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہوں یہاں سے جنوب کی جانب کچھ فاصلہ پر شیشم کے ایک درخت پر ایک شخص کی لاش لٹکی ہوئی ہے جا اور وہ لاش مجھے لا دے سادھو نے کہا۔

قول کا پکا اور مضبوط ارادے کا مالک راجا فوراً ہی جنوب کی جانب چل دیا رات گو تاریکی تھی لیکن جلتی ہوئی چتاؤں کی روشنی نے اس کی مدد کی اور آخر کار وہ مطلوبہ درخت تک پہنچ گیا لاش درخت پر ٹنگی ہوئی تھی لیکن اس کا تمام گوشت جل کر سیاہ پڑ چکا تھا اور لاش بجائے خود رات کی تاریکی کا ایک حصہ دکھائی دیتی تھی راجا نے درخت پر چڑھ کر رسی کو کاٹ دیا لاش زمین پر گر پڑی اور راجا کو ایک چیخ سنائی دی جیسے کوئی درد سے بلبلا رہا ہو۔ راجا درخت سے اترا اور یہ سوچ کر کہ ممکن ہے یہ شخص ابھی زندہ ہو نہایت نرمی سے اس کے جسم کو چھوا اور پھر اسے ایک بہت ہی ہیبت ناک شیطانی قہقہہ سنائی دیا۔

راجا سمجھ گیا کہ اس پر یقیناً کسی بدروح کا قبضہ ہے تم ہنس کیوں رہے ہو آؤ چلیں راجا نے انداز میں بے خوفی تھی لیکن جیسے ہی اس نے یہ الفاظ ادا کیے اس کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب اس نے لاش کو اپنے سامنے سے غائب پایا نظر اٹھا کر اوپر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ پھر درخت پر اسی طرح لٹکی ہوئی ہے راجا پھر درکت پر چڑھا اور لاش کو اتار کر کندھے پر رکھ کر سادھو کی جانب روانہ ہوا سچ ہے بہادر آدمی کے ارادے کی سختی ہیرے کی سختی سے بھی زیادہ ہوتی ہے راستہ میں لاش پر قابض روح نے راجا سے کہا۔

اے مہان راجا میں تجھے ایک کہانی سناتی ہوں تا کہ تیرے سفر کی صعوبت میں کچھ کمی آ جائے یہ کہہ کر اس نے ایک دلچسپ کہانی سنانی شروع کر دی۔

کالی ندی کے کنارے آباد برہمنوں کے ایک گاؤں میں وید کا ایک بہت بڑا عالم رہتا تھا جس کا نام گنیش سوامی تھا اس کی ایک بیٹی تھی جس کا حسن بے نظیر تھا اس لڑکی کا نام مندراوتی تھا جب یہ لڑکی شادی کے قابل ہوئی تو کنیا کے لیے تین بڑے قابل خوبصورت اور حسین نوجوان برہمن اس کی امیدواری میں آئے. عالم یہ تا کہ ان میں سے ہر ایک نے لڑکی کے باپ کو دھمکی دی کہ اگر حسین مندراوتی کسی اور کے ساتھ بیاہ دی گئی تو وہ خودکشی کر لے گا اور اس ڈر سے کہ کنیا کی کسی ایک سے شادی باقی دو برہمنوں کی موت پر فتح ہو گی۔ جو بہت بڑا پاپ تھا لڑکی کے باپ نے اس کی شادی کسی سے بھی نہ کی اور یہ حسین و جمیل لڑکی کنواری ہی رہی تینوں امیدواروں نے اسی گاؤں میں رہائش اختیار کر لی اور اب وہ تینوں چکور لڑکی کے چاند جیسے چہرے کو تکتے اور زندگی کے دن گزارتے رہے

آخر کار مندراوتی اس دنیا سے چلی گئی تینوں نوجوان برہمن کریا کرم کے لیے لڑکی کی لاش کو شمشان بھومی میں لائے اور اسے نذر آتش کر دیا ان میں سے ایک نے مرگھٹ میں

لڑکی کی لاش کی راکھ پر ہی رہائش اختیار کرلی
اور بھیک مانگ کر پیٹ بھرنے لگا دوسرے
برہمن نے لڑکی کی جلی ہوئی ہڈیوں کو جمع کیا
اور انہیں گنگا میں بہانے چلا گیا تیسرا برہمن
سادھو بن گیا اور دوسرے ملکوں نکل گیا۔ تیسرا
برہمن جب ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک اور
برہمن نے اسے اپنا مہمان بنالیا گھر کے سب
لوگوں کے ساتھ جب یہ سادھو کھانے پر بیٹھا تو
میزبان کا بچہ رونے لگا ماں نے پہلے تو اسے
پیار سے چپ کرنے کی کوشش کی اور جب وہ
چپ نہ ہوا تو اس نے اسے آگ کی بھٹی میں
پھینک دیا اور بچہ جل بھن کر کباب ہوگیا
رونگٹے کھڑے کر دینے والے اس منظر کو دیکھ کر
سادھو کو بہت صدمہ ہوا اور اس نے میزبان کی
دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اٹھ کر
کھڑا ہو گیا لیکن میزبان نے بڑی لجاجت اور
خوشامد سے اسے روکا اور کہا۔

وہ جادو کے زور سے ابھی بچے کو زندہ
کردے گا یہ کہہ کر اس نے مٹھی بھر مٹی پر کچھ منتر
پڑھا جو ایک کتاب کے صفحے پر لکھا ہوا تھا اور
مٹی کو آگ میں پھینک دیا۔ دیکھتے ہی
دیکھتے بچہ ہنستا کھیلتا ہوا آگ سے باہر نکل آیا یہ
دیکھ کر سادھو طمانیت محسوس ہوئی اور وہ کھانا
کھانے لگا میزبان نے دیوار کے ایک طاق پر
کتاب کو رکھ دیا رات کو جب تمام گھر سو چکا تھا
تو سادھو اس کتاب کو لے کر جس میں منتر لکھا
ہوا تھا بھاگ گیا اور باقی دو ساتھیوں سے آملا
اس نے پہلے برہمن کی جھونپڑی کو دوسرے
برہمن کی مدد سے توڑا اور مٹھی بھر خاک میں منتر
پڑھا اور اسے لڑکی کی راکھ پر پھینک دیا فوراً ہی
مندراوتی اٹھ کھڑی ہوئی لیکن حیرت کی بات
یہ تھی کہ اس کا حسن جلنے کے بعد اور بھی نکھر آیا
تھا اب تینوں برہمنوں میں جھگڑا شروع ہوگیا
لڑکی سے شادی کا حق دار کون زیادہ ہے ایک
نے کہا یہ میرے منتر سے زندہ ہوئی ہے اس
لیے یہ میری ہے۔ دوسرے نے کہا۔ واہ یہ تو
گنگا جل کی برکت سے زندہ ہوئی ہے اس پر
میرا حق ہے۔ تیسرے نے کہا۔ نہیں میں نے
اس کی راکھ کی حفاظت کی اس لیے یہ میری
ہے۔

اتنا کہہ کر روح نے چند لمحے توقف کیا
اور پھر راجا سے مخاطب ہوئی بتا اے راجا تیرا
کیا خیال ہے لڑکی سے شادی کا حقدار سب
سے زیادہ کون ہے۔ مگر یاد رکھ اگر تو جواب
سے واقف ہے اور بتانے سے گریز کرتا ہے تو
تیرا سر پاش پاش ہو جائے گا۔

راجا نے جواب دیا وہ برہمن جس نے
اپنے منتر کے زور سے لڑکی کو زندگی دی باپ
کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا وہ اس کا شوہر نہیں بن
سکتا جس شخص نے لڑکی کی ہڈیوں کو گنگا میں بہا دیا
وہ بیٹے کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ہندو دھرم میں
یہ کام دوسروں کی بہ نسبت بیٹوں کا زیادہ فرض
ہوتا ہے البتہ وہ شخص جس نے مرگھٹ میں
رہائش اختیار کرکے دنیا کو چھوڑ دیا اور لڑکی کی
راکھ کی حفاظت کی اس کا شوہر بن سکتا ہے

راجا کے اس جواب کو سن کر روح راجا
کے کندھے پر لدی ہوئی لاش کے ساتھ غائب
ہوگئی مگر وہ پھر شیشم کے درخت تلے واپس آیا
اور اس نے لاش کو پھر ویسا ہی ٹنگا ہوا پایا ایک

مرتبہ پھر راجا اوپر چڑھا اور لاش کو درخت پر
سے اتارا اور اسے کندھے پر لاد کر پھر منزل کی
جانب چل دیا۔ لیکن روح نے پھر راجا کو ایک
کہانی سنائی۔

سرکسی کا دھڑ کسی کا

قدیم زمانے میں ایک راجا تھا جس کا نام تھا
یاساکیتو اس کا محل شہر شوبھاوتی میں واقع تھا جہاں
سفید دیوی کا ایک بڑا خوبصورت مندر بھی تھا اس
مندر کے جنوبی حصہ میں ایک خوبصورت تالاب
تھا جسے دیویوں کا تالاب کہا جاتا تھا اور ہر سال
اشدہ کے مہینے کی چودھویں تاریخ کو ہندوستان
کے چپے چپے سے لوگ یہاں میلہ دیکھنے آتے
اور اس تالاب میں نہا کر گناہوں کو دھوتے ایک
مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک نوجوان دھوبی جس کا نام
دھولا تھا اس تالاب میں نہانے کے لیے آیا یہاں
اس کی نظر اس گاؤں کے ایک اور دھوبی سدھابت
کی نوجوان حسین لڑکی مون سندری پر پڑی اور وہ
اس پر سو جان سے فریفتہ ہوگیا۔ جب گھر واپس
آیا تو اپنے حواس کھو بیٹھا کیونکہ محبوب سے جدائی
کا تجربہ اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ اس کی ماں نے
جب بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو اس نے سبب
دریافت کیا اور بیٹے نے ساری کتھا اسے سنادی
چنانچہ وہ اپنے شوہر وملامل کے پاس گئی اور اسے
بلالائی وملامل نے بیٹے کو دلاسہ دیا اور کہا۔

سدھابت ہماری برادری کا ایک فرد ہے کوئی
بات نہیں اگر ہم اس کی لڑکی تمہارے لیے مانگیں
گے تو وہ انکار نہیں کرے گا۔ وہ ہمیں جانتا ہے
اور ہم اسے جانتے ہیں بہت شریف آدمی ہے تم
فکر نہ کرو بھگوان بھلا کریں گے۔

اگلے دن وملامل اپنے بیٹے دھولا کو لے کر
سدھابت سے ملنے شوبھاوتی جا پہنچا۔ اور اس
سے اپنے بیٹے کے لیے رشتہ مانگا اور تیسرے دن
ہی لگن منڈپ کے پھیرے ہوئے اور مدن
سندری دھولا سے بیاہ دی گئی۔ اور یہ جوڑی ہنسی
خوشی زندگی گزارنے لگی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ
مدن سندری کا بھائی اس کے گھر آیا اور اس نے
کہا۔

بہن مدن سندری تمہیں اور بھائی کو پتاجی
نے بلایا ہے۔

دھولا نے اپنے سالے کو روک کر اس کی چند
دن خاطر مدارات کی اور پھر اس کے ساتھ مدن
سندری کو لے کر سسرال روانہ ہوگیا یہ تینوں جب
سفید دیوی کے مندر کے قریب سے گزرے تو
دھولا نے خواہش ظاہر کی کہ وہ مندر میں جاکر پوجا
پاٹ کرنا چاہتا ہے لیکن سالے نے اس کی مخالفت
کی اور کہا۔

مندر میں خالی ہاتھ نہیں جانا چاہیے۔

مگر دھولا نہ مانا۔ اور مندر میں داخل ہوگیا
اور دیوی کے سامنے منہ کے بل گر گیا اور اشلوک
پڑھنے لگا وہ سوچ رہا تھا اس عظیم دیوی نے اپنے
اٹھارہ طاقتور بازوؤں سے راکھشس رورو کو
کس بری طرح شکست دی ہے اور کس طرح اس
نے بھینس کو اپنے خوبصورت نرم ونازک پیروں
تلے روندھا تھا۔ ان خیالات کے ساتھ ہی اب
اس نے سوچا کہ اس عظیم دیوی کی خوشنودی کے
لیے لوگ ہر قسم کی قربانیاں دیتے ہیں کیا ایسا نہیں
ہوسکتا کہ میں خود اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے پیش

کر کے امر ہو جاؤں یہ سوچ کر ڈھولا اندر گیا۔
وہاں ایک تلوار رکھی ہوئی تھی وہ اسے اٹھا لایا اور اس سے اپنا سر قلم کر دیا اور وہ گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔
ادھر مدن سندری اور اس کا بھائی دونوں ڈھولا کا انتظار کر رہے تھے جب وہ خاصی دیر ہونے کے بعد بھی واپس نہ آیا تو مدن سندری کا بھائی بھی حقیقت حال جاننے کے لیے مندر میں داخل ہوا اور جب اس نے اپنے بہنوئی کو خاک و خون میں یوں لت پت دیکھا تو عالم تصور میں اسے اپنی پیاری بہن کا سہاگ اجڑا ہوا دکھائی دیا پھر اس نے سوچا جب بہن ہی دکھی رہے گی تو اس کا اپنا زندہ رہنا بیکار ہے اسی تلوار سے اس نے بھی دیوی کی مورتی کے سامنے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا
تھوڑی دیر بعد خود مدن سندری مندر میں پہنچی اور شوہر اور بھائی کو نہایت صبر و تحمل سے دیکھا اور ہاتھ جوڑ کر دیوی کی مورتی کے سامنے کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔
اے دیالو دیوی میرے بھاگ اتنے بڑے کہاں تھے کہ میں تیرے حضور اتنی بڑی بھینٹ چڑھا سکتی یہ سب کچھ تیرا ہے اور تیرے لیے ہے اپنے پیارے شوہر اور پیارے بھائی کی لاشوں کو دیکھ کر میرا سر فخر سے اونچا ہو گیا ہے کاش میں تیرے کسی کام آ سکتی۔ اب میری ایک تمنا ہے اور وہ یہ ہے کہ تو میری بھی قربانی قبول کر مگر اگلے جنم میں میں جس شکل میں بھی پیدا ہوں میرا شوہر مجھے میرے شوہر کی حیثیت سے اور میرا بھائی مجھے میرے بھائی کی حیثیت سے ملے یہ کہہ کر مدن سندری نے تلوار اٹھائی اور قبل اس کے کہ وہ اپنی گردن کو جدا کر سکتی مندر کی عمارت ایک موم اور شیریں آواز سے گنگنا اٹھی۔
لڑکی ہم تیرے تدبر تحمل اور جذبہ ایثار سے خوش ہیں اٹھ اور دونوں گردنوں کو ان کے دھڑوں سے جوڑ دے یہ زندہ ہو جائیں گے جا دیوتاؤں کی برکتیں تیرے ساتھ ہیں۔
مدن سندری کا چہرہ یہ سن کر کنول کے پھول کی طرح کھل اٹھا اور اس نے دیوی کی ہدایات پر عمل کیا اور دونوں انسان زندہ ہو گئے۔ لیکن جب یہ تینوں باہر نکلے تو یہ دیکھ کر مدن سندری پر غم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا کہ اس نے اپنے بھائی کی گردن شوہر کے دھڑ پر اور شوہر کی گردن بھائی کے دھڑ پر رکھ دی ہے۔
کہانی سنا کر روح خاموش ہو گئی چند لمحوں کے بعد وہ پھر سے راجا سے مخاطب ہوئی۔ ہاں تو راجا اب بتا کہ مدن سندری ان میں سے کس کو اپنا شوہر کہے اور کس کو اپنا بھائی۔ مگر یاد رکھ کہ اگر تو جواب سے واقف ہے اور تو بتانے سے گریز کرتا ہے تو تیرا سر پاش پاش ہو جائے گا راجا نے یہ دلچسپ کہانی غور سے سنی اور جواب دیا۔
جس دھڑ پر مدن سندری کے شوہر کا سر لگا دیا گیا ہے وہ جسم مدن سندری کا شوہر ہے اور جس دھڑ پر اس کے بھائی کا سر ہے وہ اس کا بھائی ہے کیونکہ کھوپڑی میں دماغ ہوتا ہے اور دماغ جسم کا بادشاہ ہے اور اس کی مدد ہی سے جسم کو پہنچانا جاتا ہے۔
راجا یہ کہہ کر خاموش ہو گیا روح نہایت خاموشی سے اس کے کندھے پر سے ہٹ گئی اور راجا کو پھر شیشم کے درخت تلے جانا پڑا اچ تو یہ ہے کہ راجا یہ دلچسپ کہانیاں سنکر راجا اتنی محنت شاقہ صعوبت کو بھی بھول گیا تھا اور دوسرے طرف اسے سادھو سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا تھا لہذا وہ ہر

قیمت پر لاش کو سادھو تک پہنچانا چاہتا تھا چنانچہ حسب سابق ایک بار پھر وہ لاش کو درخت پر سے اتار کر لایا اور اب اس نے روح سے جو کہانی وہ یوں تھی۔

نزاکت

انگا کے قریب برہمنوں کی ایک بہت بڑی آبادی ہے جسے ورکشا گھاٹ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہاں کسی زمانے میں ایک امیر و کبیر برہمن رہا کرتا تھا۔ جس کا نام وشنو سوامی تھی جو دیوتاؤں کو بڑی باقاعدگی کے ساتھ بھینٹ دیا کرتا تھا اس کے تین بیٹے تھے یہ تینوں بیٹے بڑے فلسفیانہ خیالات کے حامل تھے ایک دن باپ نے ان سے کہا۔
بیٹا مجھے دیوتاؤں سے مانی ہوئی ایک منت پوری کرنی ہے تم جاؤ اور دریا سے ایک مگرمچھ پکڑ کر لاؤ چنانچہ تینوں بھائی دریا پر آئے اور انہیں ایک مگرمچھ مل گیا سب سے بڑے بھائی نے اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں سے کہا۔
دیکھو تم دونوں مگرمچھ اٹھا کر گھر لے چلو میں اسے نہیں اٹھاؤں گا چھی چھی مجھے تو اس غلیظ مچھلی شے سے گھن آتی ہے۔
دونوں بھائی نے یک زبان ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ واہ جب آپ نہیں اٹھا سکتے تو ہم اسے کیوں اٹھائیں۔
لیکن میں کہتا ہوں کہ تمہیں اسے لے جانا پڑے گا ورنہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو ذمہ دار تم خود ہو گے اور تم دونوں کا ٹھکانا جہنم ہو گا
بڑے بھائی نے غصہ سے کہا۔
دونوں بھائی ہنس پڑے خوب یعنی آپ ہمارا فرض تو ہمیں یاد دلا رہے ہیں اور خود اپنا فرض یاد نہیں ہے۔
مگر تم دونوں یہ تو سوچو کہ میں کھانوں کے معاملہ میں کتنا نفاست پسند واقع ہوا ہوں کہ کسی ایسی شے کو جس سے مجھے ذرا سی بھی گھن محسوس ہوتی ہے میں چھونا تک گوارہ نہیں کرتا ہوں۔
اس لحاظ سے تو میں عورتوں کے معاملے میں بڑا نفاست پسند واقع ہوا ہوں۔ منجھلے بھائی نے جواب دیا۔
کچھ تو چھوٹے بھائی کو مگرمچھ گھر لے جانا چاہیے۔ بڑے بھائی نے فیصلہ سنا دیا۔
ارے جاؤ جاؤ میں بستر کے معاملے میں تم دونوں سے زیادہ نفاست پسند واقع ہوا ہوں بھلا میں اسے کیوں لے کر جاؤں۔ تیسرے بھائی نے جل کر جواب دیا۔
تینوں بھائی لڑنے لگے اور آخر کار غصہ میں بھرے ہوئے قریبی ضلع کے حاکم کے پاس پہنچے اور جا کر اسے سارا واقعہ کہہ سنایا اور اسی سے مدد طلب کی۔
اچھا تو تم تینوں میرے پاس ٹھہرو میں تم تینوں کا امتحان لیتا ہوں اس کے بعد فیصلہ کروں گا کہ کیا کرنا چاہیے حاکم نے جواب دیا۔ تینوں بھائی حاکم کے مہمان خانے میں پہنچا دیئے گئے۔
جب کھانے کا وقت آیا تو حاکم نے تینوں بھائیوں کو ایک مناسب جگہ پر بیٹھا دیا اور حکم دیا کہ بہترین طریقے سے تیار کیا ہوا۔ کھانا جو چھ خوشبوؤں سے معطر ہو ان تینوں بھائیوں کو کھلایا جائے جب کھانا سامنے آیا تو تینوں بھائیوں میں سے ایک نے

ناک پر انگلی رکھ کر اسے سونگھنا شروع کر دیا یہ وہی نوجوان تھا جس نے اپنے آپ کو کھانوں کے بارے میں نفاست پسند بتایا تھا۔

کھانا کھاؤ۔ کیا بات ہے چاول تو بڑے لذیذ بنے ہیں۔۔ حاکم نے نہایت نرمی سے لڑکے سے کہا۔

بات یہ ہے کہ جناب عالی کہ اس چاول میں مجھے جلی ہوئی لاشوں کی بو آ رہی ہے واقعی یہ بہت لذیذ ہیں لیکن افسوس کہ میں انہیں کھا نہیں سکتا لڑکے نے جواب دیا۔

حاکم کے حکم پر دستر خوان پر موجود تمام لوگوں نے پلیٹ کو کئی کئی بار سونگھا لیکن کسی کو بھی بدبو کا احساس نہ ہوا لڑکے نے اب ناک پر کپڑا باندھ لیا تھا اور وہ کسی قیمت پر کھانا کھانے پر راضی نہ تھا چنانچہ حاکم نے تحقیقات کرائی پتہ چلا کہ جن زمین پر چاول کی فصل بوئی گئی تھی وہ کسی زمانے میں مرگھٹ کے طور پر استعمال ہوتی تھی اب حاکم کو لڑکے کے اس دعوے کو کہ وہ کھانے کے معاملہ میں بڑا نفاست پسند واقع ہوا ہے تسلیم کرنا پڑا اور اس نے لڑکے کو کچھ اور چیزیں کھانے کی اجازت دے دی کھانے کے بعد تینوں لڑکوں کو شاہی مہمان خانے میں الگ الگ کمروں میں بھیج دیا گیا۔

رات کے پچھلے پہر راجا نے اپنے حرم کی انتہائی خوبصورت نوجوان لڑکی کو سجا بنا کر اس دوسرے لڑکے کے کمرے میں روانہ کر دیا جو اپنے دعوے کے مطابق عورتوں کے معاملے میں بڑا نفاست پسند واقع ہوا تھا۔ چاند سا دمکتا ہوا چہرہ سرخ رخسار گلابی ہونٹ گہرے سیاہ لانبے بال پتلی پتلی انگلیاں نازک کلائیاں عشق پیچاں کی طرح بل کھاتی کمر اس کے اندر گداز تھا اس کی آنکھیں کسی گہری جھیل کی مانند تھیں غرض اسکے حسین جہاں سنور کو بیان کرنا زبان کی طاقت سے باہر ہے جب یہ معطر دوشیزہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے حسن کی چمک دمک سے کمرے کی تاریکی روشنی سے بدل گئی لیکن نوجوان برہمن نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا اور چیخنے لگا۔ اوہ اسے یہاں سے نکالو میں مرا۔۔ ہائے میں مرا اس میں بکری کی سی گھراند آ رہی ہے۔

حاکم کے خدمت گار جو اس لڑکی کو برہم کے کمرے میں لائے تھے اسے واپس حاکم کے پاس لے گئے اور ماجرہ سنایا حاکم نے برہم لڑکے کو بلایا اور کہا۔

بڑے ہی تعجب کی بات ہے یہ دوشیزہ تو بہار تمہیں پسند نہیں ارے یہ تو میرے ذاتی حرم کی حسین ترین عورتوں میں سے ہے اور اس کے جسم کو بہترین خوشبوؤں سے معطر کیا گیا ہے لیکن حاکم کی بات لڑکے کی سمجھ میں نہ آئی اور وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اور اب حاکم کے چہرے پر بھی الجھن اور شک کے آثار نمودار ہونے لگے تھے اس نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ اس عورت کے والدین اسے بہت چھوٹا سا چھوڑ کر سورگ باش ہو گئے تھے اور وہ بکری کے دودھ پر پلی تھی حاکم کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا اور وہ لڑکے کی نفاست پسندی کا قائل ہو گیا۔ بعد ازاں حاکم نے خادموں کو حکم دیا کہ تیسرے نوجوان کے لیے ایک بستر تیار کیا جائے جس میں چھ نہایت نرم خوبصورت گدوں کی تہیں لگائی جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور تیسرا نوجوان اس بستر پر سو گیا لیکن ابھی اسے سوئے ہوئے چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ وہ بیزاری سے منہ

بناتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اس نے اپنے ایک پہلو ہاتھ سے دبا رکھا تھا خادموں نے نوجوان کے جسم کی اس جگہ کا جائزہ لیا جہاں اس نے ہاتھ رکھا ہوا تھا وہاں انہیں ایک لمبی سرخ سرخ لکیر دکھائی دی۔ جیسے کسی نے سوئی کی نوک جلائے اس حصہ پر گزار دی ہو خادم حاکم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ اسے سنا دیا۔

حاکم نے حکم دیا کہ وہ غور سے بستر کی چادروں اور گدوں کو دیکھیں کہ کہیں کوئی نوکیلی چیز تو پڑی ہوئی نہیں ہے۔ انہوں نے بڑی احتیاط اور انہاک سے بستر کا معائنہ کیا اور آخر چوتھے گدے کے نیچے انہیں ایک بال پڑا ملا اس بال کی لمبائی سے جسم پر پڑی ہوئی سرخ لکیر کی لمبائی کو ناپا گیا تو دونوں برابر تھیں۔ حاکم کو بڑا تعجب ہوا اور وہ تیسرے نوجوان کی نزاکت اور نفاست دونوں کا قائل ہو گیا۔ حاکم کو تینوں واقعات دیکھ کر ازحد پریشانی ہوئی وہ ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتا رہا اس کی بیویوں نے جب اسے اس حال میں دیکھا تو اس کی دلجوئی کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود دوسرے دن صبح کو حاکم نے اپنا فیصلہ سنایا اور کہا تینوں نوجوان نفاست میں بے مثال ہیں اس نے ان میں سے ہر ایک کو سو سو اشرفیاں بطور انعام دیں برہمن نوجوان اب گھر کو بھول چکے تھے انہوں نے اسی ضلع میں ہنسی خوشی رہائش اختیار کر لی۔

روح یہ کہانی سنا کر خاموش ہو گئی اور اس نے وکرم سین سے پوچھا۔ تو بتا راجا تینوں میں سے کون سا نوجوان سب سے زیادہ نفاست پسند تھا مگر یاد رکھو اگر تو جواب سے واقف ہے اور بتانے سے گریز کرتا ہے تو تیرا سر پاش پاش ہو جائے گا۔ نڈر راجا نے چند لمحے توقف کیا اور بولا۔

میرا خیال ہے کہ تیسرا نوجوان سب سے زیادہ نفاست پسند تھا کیونکہ ایک بال نے جو اس کے بستر میں چوتھے گدے کے نیچے پڑا تھا اس کے جسم پر زخم ڈال دیا اور باقی دونوں نوجوانوں کی نفاست پسندی اس نوجوان کی نفاست پسندی کا مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ جو ثبوت انہوں نے اپنی نفاست پسندی کے بہم پہنچائے تھے وہ سنی سنائی باتوں پر مبنی ہو سکتے تھے۔

بادشاہ کا یہ جواب سن کر روح لاش سمیت اس کے کندھے پر سے غائب ہو گئی اور ایک بار پھر اسے شیشم کے اسی درخت تک جا کر لاش کو واپس لانا پڑا راستے میں روح نے راجا کو پھر ایک کہانی سنائی تاکہ ماحول کی بدمزگی راجا کو پریشان نہ کر سکے۔

تبدیلی جنس

نیپال کے ایک شہر سیوا پور پر کسی زمانے میں پاسا کیتو کی حکومت تھی اس نے حکومت کے تمام کاروبار کی ذمہ داری اپنے معتبر وزیر اعظم پر چنا ساگر کے کندھوں پر ڈال رکھی تھی اور اپنی ملکہ چندر پربھا گی کی محبت میں غرق زندگی عیش و عشرت میں گزار رہا تھا۔ اس کی ایک بیٹی تھی ششی پربھا۔ حسن میں جس کا کوئی ثانی نہیں تھا ایک دن کا ذکر ہے کہ موسم بہار کے تہوار سرسوتی کے موقع پر وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ باغ میں پھول جمع کر رہی تھی اس کے ایک ہاتھ میں ٹوکری تھی اور دوسرے ہاتھ سے وہ پھول اٹھا کر اس میں جمع کرتی جاتی تھی

ایک دفعہ جب اس نے ایک پھول توڑنے کے لیے ہاتھ آگے کی طرف بڑھایا تو اس کے سرخ وسفید بدن کا کچھ حصہ عریاں ہوگیا اور حالت میں قریب سے گزرتے ہوئے ایک برہمن زادے کی نظر اس پر پڑی اور وہ مبہوت ہو کر اس متاثرہ عالم کے پریوں جیسے حسن کی رعنائیوں میں گم ہوگیا۔

اس برہمن زادے کا نام من سوری تھا اور وہ بھی تہوار منانے کے لیے یہاں آیا تھا ادھر ششی نے جب اس خوبرو نوجوان کو دیکھا تو اسے بھی اپنا ہوش نہ رہا۔ اور وہ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھی کہ اس کی سہیلیاں اس کی ایک ایک حرکت پر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز اشارے کر رہی ہیں اور مسکرا رہی ہیں نوجوان کے ذہن میں حسن کی دیوی کو دیکھنے کے بعد خیالات کا ایک طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ کیا یہ عشق کی دیوی تو نہیں جو عشق کے دیوتا کے لیے موسم بہار کے عطا کردہ پھول جمع کر رہی ہے تاکہ انہیں تیر بنا کر اپنے محبوب پر وار کرے۔

یہ کون ہے کون۔۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ دیوی آکاش سے اتر کر کرشنا کو خوش کرنے آئی ہو۔ ادھر ششی بھی خیالوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی اس کی نگاہیں اب بھی برہمن زادے کے چہرے پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ اوہ کتنا خوبصورت کیسا وجیہہ اور بھلا کا جوان ہے۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہ سوچ سکی اور نوجوان کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالے کھڑی کی کھڑی رہ گئی یہ جمود اس وقت ٹوٹا جب چاروں طرف سے بھاگو بھاگو کی آوازیں سنائی دیں۔

دراصل ایک ہاتھی بگڑ کر بھاگ رہا تھا شہزاد ی کی سہیلیاں تو خوف ودہشت کی وجہ سے بھاگ گئیں لیکن خود ششی گم سم سی اجنبی نوجوان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی رہی وہ بھاگ نہ سکی ہاتھی قریب آچکا تھا۔ اچانک نوجوان چونکا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً راج کماری کو لے کر ایک طرف کو بھاگ گیا اور ایک محفوظ مقام پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔

راج کماری کے دل میں جذبات کا ایک طوفان بپا تھا پیار اور شرم کے ملے جلے جذبات نے اسے عجیب سی ہیجانی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا برہمن چلا گیا لیکن جاتے جاتے وہ پیچھے مڑ مڑ کر راج کماری کی جانب دیکھتا رہا بالاؤ وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

ادھر راج کماری محل واپس آئی۔ تو اس کی حالت بہت ہی بگڑی ہوئی تھی وہ اپنے آپ پر قابو پانے میں بڑی دشواری محسوس کر رہی تھی اب محبوب سے جدائی کا غم اسے کائی کی طرح چاٹ رہا تھا ادھر نوجوان برہمن زادہ اپنے گرو مولا دیو کے پاس پہنچا جو اس زمانے کا مانا ہوا جادوگر تھا اور اسے اپنی پوری کتھا سنائی اور بتایا کہ وہ ششی کے بغیر زندہ نہ رہ سکے گا چنانچہ مولا دیو مسکرایا اور اس کی مدد کا وعدہ کر لیا وہ اپنی کٹیا میں گیا اور دو گولیاں لے کر آیا۔ ایک گولی تو اس نے اپنے منہ میں ڈال لی اور دوسری گولی اس نے من سوری کو دی گولی منہ میں ڈالتے ہی مولا دیو ایک ضعیف العمر بر ہمن میں تبدیل ہوگیا اور من سوری ایک خوبصورت لڑکی بن گئی اب مولود دیو اس لڑکی کو لے کر راجا یاسا کیتو کے دربار مین حاضر ہوا اور عرض کی۔

مہاراج میرا ایک ہی بیٹا ہے جس کی شادی مین اس لڑکی سے کرنا چاہتا ہوں اس لڑکی کو

ایک دور دراز ملک سے لایا ہوں لیکن یہاں آ تو پتہ چلا کہ میرا بیٹا کہیں جا چکا ہے اب مجھے کو تلاش کرنا ہوگا چونکہ میری غیر موجودگی میں ری کنیا اکیلی رہے گی۔ اس میں درخواست رتا ہوں کہ جب تک میں واپس نہ آؤں یہ آپ کی نگرانی میں رہے گی اور آپ کی خدمت کرتی ہے گی۔ مجھے یہ امید ہے کہ یہ یہاں محفوظ رہے گی۔

راجا نے اس کی یہ درخواست قبول کر لی اور بیٹی ششی کے ساتھ رہنے کا حکم دیا چالاک مولا دیو چلا گیا۔ اور اب من سوری اپنی محبوبہ ششی کے پاس پہنچ چکا تھا رات کو جب من سوری نے ششی کی بے کلی دیکھی تو اس کے دکھ کا راز جاننا چاہا ششی نے من سوری پر اپنا تمام حال شروع سے آخر تک آشکار کیا لڑکی کی کہانی سن کر من سوری نے محسوس کیا گویا وہ ہواؤں میں پرواز کر رہا ہو اپنی منزل کے قریب پہنچ چکا ہو چنانچہ اس نے دوسری گولی منہ سے نکالی اور اب وہ برہمن زادہ ششی کا محبوب اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس نے زندگی میں پہلی بار ششی اور من سوری نے عشق ومحبت کی منزل کامیابی سے طے کی۔

وقت گزرتا گیا اب من سوری دن کے وقت خوبصورت لڑکی اور رات کو ایک وجیہہ برہمن زادے کی حیثیت سے محل میں رہ رہا تھا۔ اس کے شب وروز عیش ونشاط میں گزر رہے تھے ایک دن ذکر ہے راجا یاسا کیتو کے بہنوئی گنگادت کی لڑکی گنگاوی کی شادی راجا کے سب سے معتبر پرجناساگر کے لڑکے سے ہوئی ششی بھی اپنی سہیلی من سوری کے ساتھ اپنے پھوپھا کے گھر گئی لیکن دولہا نے جب ششی کی سہیلی من سوامی کو دیکھا تو اس کی طبیعت مچل گئی۔ اور اب اس نے مطالبہ کیا کہ وہ شادی کرے گا تو من سوری سے ورنہ نہیں بڑی مشکل سے موجودہ شادی کی رسوم طے ہوئے لیکن دولہا اپنے ہوش وحواس میں نہیں تھا اسے کئی مرتبہ دورے پڑے بالآخر وزیر نے ڈرتے ڈرتے راجا کے حضور تمام واقعہ پیش کیا راجا بڑا ہی انصاف پسند تھا اور نیک باطن تھا اس نے اپنی کابینہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا اور انہیں بتایا کہا۔

وہ ایک طرف تو امانت میں خیانت کا جرم ہے اور دوسری طرف پورے ملک کی سلامتی کا سوال ہے کیونکہ پرجناساگر حکومت کا تمام کاروبار سنبھالے ہوئے ہے اور ظاہر ہے کہ بیٹے کو نقصان پہنچنے کے بعد اس کی دلچسپی کسی چیز میں باقی نہ رہ سکے گی چنانچہ دونوں برائیوں پر غور کرنے کے بعد کابینہ نے فیصلہ دے دیا کہ وزیر اعظم کے لڑکے کی شادی اس لڑکی کے ساتھ کر دی جائے جس سے وہ چاہتا ہے تاکہ ملک تباہی سے بچ جائے اب بادشاہ من سوامی کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے اس کی رائے لی بڑی سوچ بچار کے بعد من سوری نے وزیر اعظم کے لڑکے سے شادی کی تجویز منظور کر لی لیکن شرط یہ رکھی کہ وہ حق زوجیت اس وقت تک ادا نہیں کرے گی جب تک کہ اس کا شوہر کم از کم مسلسل چھ ماہ تک مقدس مقامات اور تیرتھوں کی یاترا نہیں کر آتا۔

وزیر اعظم کے لڑکے نے اس شرط کو منظور کر لیا اور ان دونوں کی شادی ہوگئی۔ اب وزیر اعظم کے لڑکے کی دونوں بیویاں گنگاوی اور من سوامی ایک ہی گھر میں رہنے لگیں اور وہ خود وعدہ کے مطابق یاترا کو چلا گیا جب من سوامی نے

گنگاوتی کو ہجر کی راتوں میں کروٹیں بدلتے پریشان اور اداس دیکھا تو ایک رات اس نے جادو کی گولی پھر اپنے منہ سے نکالی اور اس پر ظاہر کیا کہ دیوتاؤں نے اُسے اپنی جنس بدل لینے کی طاقت بالکل اسی طرح بخشی تھی جیسے سورج دیوتا کے خاندان کا ایک فرد پاربتی دیوی کو بددعا کے زیر اثر ایک خوبصورت عورت میں تبدیل ہو گیا تھا اور راجا بدھ نے اس کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کی شادی کی تھی اور پھر ان دونوں سے ہمارا ایک مشہور دیوتا پیدا ہوا تھا سادہ لوح گنگاوتی من سوامی کے جال میں پھنس گئی اور اب رات کو من سوامی ایک مرد ہوتا اور گنگاوتی ایک عورت دن بھر یہ دونوں سوگئیں۔

ادھر جادوگر مولادیو کو من سوامی کی تمام سرگرمیوں کا علم تھا ایک مرتبہ پھر وہ اسی برہمن کے روپ میں اپنے ایک اور جادوگر دوست چندن لال کو ایک نوجوان برہمن کے بھیس میں لے جا کر راجا کے دربار میں حاضر ہوا اور لڑکی کا مطالبہ کیا جسے وہ بطور امانت راجا کے سپرد کر گیا تھا تا کہ اس کی شادی اپنے بیٹے چندر لال سے کرے راجا بڑا پریشان ہوا اس نے اپنی کابینہ سے مشورہ کیا اور مولادیو سے کہا۔

دیکھو بیٹی مجھے افسوس ہے کہ تمہاری وہ لڑکی تو کہیں چلی گئی اور اب میں اسے نہیں ڈھونڈ سکتا ہاں اگر تم چاہو تو میں اپنی بیٹی ششی کو تمہارے بیٹے سے بیاہنے کے لیے تیار ہوں مولادیو یہ بات سن کر غصہ سے سرخ ہو گیا لیکن آخر کار مولادیو نے ششی کو اپنے بیٹے ساسین چندر لال کے لیے قبول کر لیا اور راجا نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ ششی وساسین سے بیاہ دیا مولادیو ششی کو لے کر گھر آگیا ادھر من سوامی محل سے نکل کر مولادیو کے گھر پہلے ہی پہنچ چکا تھا اور ششی کا انتظار کر رہا تھا لیکن جب یہ لوگ آپس میں ملے تو چندن لال ششی سے من سوامی کے حق میں دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا کیونکہ راجا نے بہر حال ششی کو اس کے ساتھ بیاہا تھا اور اس طرح ان دونوں کے درمیان ایک جھگڑا شروع ہو گیا۔

اتنا کہہ کر روح ایک مرتبہ پھر خاموش ہو گئی اور اس نے راجا سے سوال کیا۔ ہاں تو اے راجا تو بتا کہ اس مسئلے کا کیا حل ہے مگر یاد رکھ اگر تو جواب سے واقف ہے اور بتانے سے گریز کرتا ہے تو تیرا سر پاش پاش ہو جائے گا۔

راجا اس کہانی سے خاص طور سے لطف اندوز ہو رہا تھا لہذا وہ بڑے اچھے موڈ میں تھا اس نے جواب دیا میری رائے میں ششی کا سچا حقدار ساسین یا چندن لال ہے کیونکہ ششی کے باپ نے قانونی طور پر اس کا ہاتھ چندن لال ہی کے ہاتھ میں دیا تھا من سوامی نے بے شک لڑکی کو دھوکے سے حاصل کر لیا تھا لیکن اس کی شادی باقاعدہ اس کے ساتھ نہیں ہوئی تھی اور یہی قانون بھی کہتا ہے کہ چور اپنے آپ کو مسروقہ مال کے مالک کی حیثیت سے پیش نہیں کر سکتا۔

روح نے جب یہ جواب سنا تو وہ فوراً ہی لاش سمیت راجا کے کندھے سے غائب ہو گئی اور پھر راجا شیشم کے درخت کی طرف واپس جا رہا تھا ایک بار پھر بہادر راجا نے لاش کو درخت پر سے اتار کر کندھے پر رکھا اور اپنی منزل کی طرف چل دیا راستے میں روح نے پھر راجا کو ایک کہانی سنائی۔

حسن کا جادو

کسی زمانے میں دریائے گنگا کے کنارے ایک شہر آباد تھا۔ جس کا نام کنک پور تھا یہاں یاسو دھن کی حکومت تھی رعایا بڑے آرام سے زندگی گزار رہی تھی جرم اور قانون کی خلاف ورزی کا کوئی تصور ہی نہ تھا اپنے ملک کے دفاع کے لیے راجا بذات خود نا قابل تسخیر دیوار کی مانند تھا وہ اگر خود کسی جگہ کمزور پڑتا تو وہ موقع گناہ یا قانون کی خلاف ورزی کا موقع ہوتا تھا ورنہ وہ بڑا نڈر بڑا جری اور بہت ہی پر ہیبت راجا تھا وہ ہمیشہ گناہ کے ارتکاب سے خوفزدہ رہتا اور دیوتاؤں سے پراتھنا کرتا رہتا کہ دیوتا اسے برائی سے بچائیں۔

اسی شہر میں ایک سوداگر رہتا تھا جو بڑا امیر کبیر تھا اس کی ایک نوجوان حسین بیٹی بھی تھی جس کا نام رومادیوی تھا۔ اس لڑکی کے حسن کا چرچا دور دور تک تھا۔ لڑکی شادی کے لائق تھی چنانچہ اس کا باپ راجا کے دربار میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

مہاراج میری ایک بیٹی ہے جسے حسن کے اعتبار سے اس دنیا کا بہترین ہیرا کہا جا سکتا ہے اور چونکہ مہاراج دنیا کے تمام ہیروں کے مالک ہیں لہذا میرا فرض ہے کہ قبل اس کے میں یہ ہیرا کسی کو پیش کروں ضروری خیال کرتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

راجا نے یہ سن کر دربار میں موجود جوتشیوں سے زائچہ بنوایا۔ کہ دیکھیں اس لڑکی سے اس کی شادی ملک کے لیے سودمند ثابت ہو گی یا نہیں۔ جوتشی بڑے جہاندیدہ تھے انہوں نے آپس میں اس بات سے اتفاق کیا کہ اگر راجا نے اتنی حسین لڑکی کو اپنی رانی بنا لیا تو وہ پھر اس کے حسن اور عشق میں گرفتار ہو کر ملک اور قوم کو فراموش کر بیٹھے گا اور عجب نہیں کہ اس کے نتائج اس سے بھی زیادہ تباہ کن ثابت ہوں چنانچہ انہوں نے دربار میں حاضر ہو کر راجا کو سلطنت کے حق میں لڑکی کے منحوس ہونے کی اطلاع دی اور راجا ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے شادی سے انکار کر دیا لیکن راجا کی ہدایت پر لڑکی کے باپ نے اپنی بیٹی کی شادی راجا کے سپہ سالار بلادھر سے کر دی۔

اور رومادیوی اب اپنے شوہر کے ساتھ خوش و خرم رہنے لگی لیکن اسے غم اس بات کا تھا کہ راجا نے اپنے جوتشیوں کے کہنے پر اسے منحوس قرار دے کر اس سے شادی سے انکار کر دیا تھا بسنتی کے تہوار کے موقع پر راجا اپنے ہاتھی پر سوار ہو کر شہر میں میلے کا انتظام دیکھنے کے لیے نکلا ہاتھی کے آگے آگے نقیب یہ ہدایت کر رہے تھے کہ شہر کی تمام عورتیں پردہ کر لیں کہیں ایسا نہ ہو کہ راجا کے حسن کو دیکھ کر وہ اس پر فریفتہ ہو جائیں اور معاشرتی زندگی میں کسی انقلاب کا خطرہ لاحق ہو۔۔۔۔

رومادیوی نے جب یہ اعلان سنا تو اس نے اوپر سے جھانک کر ہاتھی پر سوار راجا کو دیکھا ادھر راجا کی نظر بھی اس پر پڑی اس حسین و جمیل عورت کو دیکھ کر خود راجا اپنے حواس کھو بیٹھا۔ اور بے ہوش ہو گیا۔ اس حالت میں اس کے خدمت گار اسے محل میں لائے جب راجا کے حواس بحال ہوئے تو اس نے عورت کے بارے میں دریافت کیا اس کے غصہ اور غم کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اسی لڑکی کے باپ نے راجا کو پیشکش کی تھی کہ وہ اس کی لڑکی سے شادی کر لے

لیکن جوتشیوں کے کہنے میں آ کر اس نے انکار کر دیا تھا چنانچہ اس نے ان تمام بوڑھے جوتشیوں کو ملک بدر کر دیا جنہوں نے لڑکی کو منحوس قرار دیا تھا۔

اب راجا کے لیے ہجر و فراق کی راتیں گزارنا بڑا ہی کٹھن مرحلہ تھا یہ چاند کتنا ڈھیٹ ہے اور بے شرم ہے کہ اس حسینہ کے سامنے چمکتا ہے راجا اب دن رات ان ہی خیالوں میں غرق رہنے لگا اب وہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا آخر ایک دن اس کے مشیروں نے اصرار کر کے اس سے اس کے دل کا راز اگلوا ہی لیا

اے راجاؤں کے راجا۔ یہ کون سی مشکل بات ہے آپ اس سے شادی کر سکتے ہیں آخر وہ آپ کی رعیت میں ہے۔ ایک منہ چڑھے درباری نے مشورہ دیا لیکن راجا نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ سپہ سالار بالا دھر کو جب پتہ چلا تو وہ راجا کی خدمت میں حاضر ہوا اور فراخدلی کے ساتھ راجا کے حق میں اپنی بیوی سے دست بردار ہو جانے کی پیشکش کی لیکن اس پر راجا کو غصہ آ گیا کہنے لگا۔

تم جانتے ہو بالا دھر ہم اس ملک کی قسمت کے مالک ہیں اگر ہم ہی اپنے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی شروع کر دیں تو رعایا میں کون ہوگا جو ہمارے حکم کی تعمیل دل و جان سے اور ہماری عزت روح کی گہرائیوں سے کرے گا تم میرے قریبی عزیز ہو لیکن تمہیں کیوں یہ خیال آیا کہ چند لمحوں کی مسرت کی خاطر میں آنے والے زمانے کے لوگوں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع دوں گا۔ اور اپنی آئندہ نسلوں کے لیے ایک مستقل عذاب پیچھے چھوڑ جاؤں گا۔ یاد رکھو میری زندگی میں ۔ں ایسا مو ں آیا تو میں ایسے ں ں ہ ارتکاب کرنے سے زیادہ موت کو پسند کروں گا۔

اس طرح اس مہان راجا نے قانون کی عظمت کو برقرار رکھا کیونکہ جو لوگ عظیم ہوتے ہیں انہیں زندگی کی پرواہ نہیں ہوتی دنیاوی خوشیاں حاصل کرنے کے لیے قانون کی بھینٹ دینا بھی انہیں پسند نہیں ہوتا۔

جب راجا کی حالت زیادہ بگڑ گئی تو پرجا محل کے باہر جمع ہو کر راجا سے مطالبہ کرنے لگی کہ وہ اوما دیوی سے شادی کر لے لیکن ہٹیلا راجا اپنے فیصلہ پر اڑا رہا اور آخر کار ایک دن دنیا سے رخصت ہو گیا بالا دھر نے جب راجا کی موت کی خبر سنی تو وہ اپنے عظیم مالک کی جدائی برداشت نہ کر سکا اور راجا کی جلتی چتا میں کود پڑا اور خود بھی جل مرا۔

کہانی سنا کر روح نے پھر راجا سے سوال کیا ہاں تو اے راجا بتا کہ دونوں میں کون زیادہ پرخلوص تھا راجا یا سپہ سالار۔ مگر یاد رکھ اگر تو جواب سے مدتف ہے اور بتانے سے گریز کرتا ہے تو تیرا سر پاش پاش ہو جائے گا۔

راجا نے جواب دیا۔ راجا زیادہ پرخلوص تھا کیوں۔ روح نے اعتراض کیا۔ کیا سپہ سالار پرخلوص نہ تھا۔

اس نے راجا سے اس درجے وفاداری کا ثبوت دیا کہ اس نے اپنی بیوی کو جس کی رفاقت میں اس کا ایک عرصہ گزرا تھا راجا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور پھر یہ کہ وہ خود راجا کی چتا میں جل کر ہلاک ہوا اس کے خلوص اور قربانی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

راجا تری وکرم سین مسکرایا اور بولا۔ تیرا

خیال درست نہیں سپہ سالار جو راجا کا ایک خادم تھا اس نے جو کچھ کیا وہ اس کا فرض تھا کیونکہ خدام کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے مالکوں کو بچانے کے لیے جانوں کی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں۔ لیکن ذرا راجا کی طرف تو دیکھ طاقت کے نشے میں چور قانون کا غلام جاہ و جلال اور شان و شوکت کا وہ امین ایسے لوگ اگر اتنا کچھ قبضے میں رکھنے کے باوجود قانون کی بالادستی کو قائم رکھیں اور شہوانی خواہشات کو عوام کی فلاح و بہبود اور ملک کے سکون اور اطمینان پر قربان کر دیں اور نفس کو کچل دیں وہ واقعی عظیم کہلانے کے مستحق ہیں اب تو ہی بتا کون زیادہ پرخلوص تھا راجا یا فوجی سردار

یقیناً راجا ہی تھا۔

وکرم سین یہ کہہ کر چپ ہو گیا روح جواب سن کر ایک بار پھر راجا کے کندھے سے غائب ہو گئی اور راجا پر شیشم کے درخت پر سے لاش کو کندھے پر اٹھا لایا روح راجا کی ثابت قدمی سے بہت خوش تھی راجا ایک بار پھر اپنی منزل کی جانب لاش کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا چنانچہ روح نے راجا کو ایک اور کہانی سنائی۔ وہ اگلے ماہ شائع کی جائے گی

غزل بے خبر S کے نام

تیری یاد بن کے کانٹے جگر میں اتر گئے
جو یادوں کو سمیٹا تو پھر خود بکھر گئے
دے کر ہمیں یادیں تم خود ہو گئے روپوش
اور دل کو درد دے کے تم جانے کدھر گئے
ہر پل ہے اذیت ہر سو ہے جدائی
کرتے ہیں تجھے یاد یہ نیناں بھر گئے
راتوں کو ستاتی ہے تیری یاد کی پروائی
تیری یاد کے سہارے وہ دن بھی گزر گئے
تم کو بھلانے کی کی تھیں کوششیں ہزار
پر یادوں کے حسیں پھول اور بھی نکھر گئے
کہنے کی کوئی بات دل میں ہی رہ گئی
لو کہتے ہیں یہی بات ہم تم پر ہی مر گئے
بس یادیں ہی کمائی ہیں ان کے پیار میں اے جان
رکھنا انہیں سدا پھر تم تو جدھر گئے

نعیم جان۔ پشاور بورڈ

غزل

چاہت کا یہ دعوہ ہے
ملنے کا پتہ دے دو
ملنا ہے مگر تم سے چاہے جتنی سزا دے دو
مانا کہ حسین ہو تم
اتنا بتا دے دو
کیوں اور ستاتی ہو اب پیار سدا دے دو
اتفاق سے ہوتا ہے ملاپ
اس حسن کی سزا دے دو
چاہت کا یہ دعوہ ہے
ملنے کا پتہ دے دو
ملنا ہے مقدس تم سے چاہے جتنی سزا دے دو

☆☆☆

کسی سے ناطہ پا تو ہم جوڑا نہیں کرتے
ملا لیں ہاتھ تو پھر عمر بھر چھوڑا نہیں کرتے
اگر ہم فیصلہ کر لیں صنم کہیں کوچ کرنے کا
تو پھر واپس مہاروں کو صنم کبھی موڑا نہیں کرتے
ہمیں تو معلوم ہی ہے کہ مہر جیت بالآخر ہماری ہی ہے
لیکن ہم ان وقتی شکستوں پر دل توڑا نہیں کرتے
محبت کرنے والے لگو صنم خود کو توڑ لیتے ہیں
محبت کرنے والے صنم دل توڑا نہیں کرتے
چپکے چپکے رات دن آنسو بہتے رہتے ہیں صنم

زاہد اعظم، سورکھی

عاشق پری

تحریر: ماریہ مسعود۔ بانٹھ۔۔۔

میرے دشمن ایک ساتھ ہی مرنے کے لیے آگئے ہیں اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ان دونوں کو جا کر ختم کر دو ان دونوں نے محل کے اندر قدم رکھا تو اس کے سامنے خوفناک شکل والے جن کھڑے تھے دونوں نے لڑنا شروع کر دیا۔ پر وہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے عائشہ نے پھونک ماری تو سب جل گئے۔ وہ دونوں آگے بڑھیں تو ان کے سامنے نیلم پری کھڑی تھی۔ ہمیں زندہ دیکھ کر حیرانگی ہو رہی ہے تم کو عائشہ پری نے نیلم پری کو دیکھ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔ ان سے بچ کر آ گئی ہو لیکن اب اس سے بچ نہیں سکو گی اس نے یہ کہہ کر سامنے کی طرف پھونک ماری تو ایک بلا کھڑی تھی۔ جس کا قد دس فٹ تھا اسے دیکھ کر عانیہ تو بہت ہی بری طرح ڈر گئی۔ ایک سنسنی اور دلچسپ کہانی۔

عانیہ کا آج کالج میں پہلا دن تھا اس لیے وہ کافی نروس تھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس سے اپنی کلاس کے بارے میں پوچھے ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ تب ہی اسے محسوس ہوا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے اس نے اپنے سامنے دیکھا کہ ایک لڑکا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر مسکرایا۔ اور اس کے پاس آ گیا ہائے میرا سلمان ہے لگتا ہے آپ کا بھی آج کالج کا پہلا دن ہے آپ کا نام کیا ہے میرا نام عانیہ ہے بہت خوبصورت نام ہے آپ کا سلمان نے کہا کیا آپ مجھے کلاس روم میں دیکھ سکتے ہیں۔

عانیہ نے کہا۔ آیئے میرے ساتھ یہ کہہ کر سلمان آگے چل پڑا عانیہ اس کے پیچھے آ رہی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ اسے سلمان کے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا کلاس میں داخل ہوتے ہی عانیہ نے سکون کا سانس لیا عانیہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی اس کے سامنے والی سیٹ پر سلمان بیٹھ گیا کچھ دن یوں ہی گزرتے چلے گئے کلاس میں عانیہ اور سلمان کے کافی دوست بن گئے تھے سلمان بہت ہی خوبصورت لڑکا تھا بہت سی لڑکیاں اس کی دیوانی تھی لڑکیاں اس کی ایک نظر کے لیے پڑتی سلمان صرف عانیہ کو دیکھتا تھا۔

عانیہ لائبریری میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی تب ہی اسے یاد آیا کہ اس کی دوست کینٹین میں اس کا انتظار کر رہی تھی عانیہ نے کتاب بند کی اور باہر آ گئی تب سامنے سے آتے سلمان سے ٹکرا گئی اس کے ہاتھ سے کتابیں گر گئیں اس سے پہلے کہ وہ نیچے گرتی سلمان نے اسکو تھام لیا دونوں کی نظریں ملیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کی دیکھتے رہے عانیہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی عانیہ اپنی کتابیں اٹھانے کے لیے جھکی تب دونوں کے ہاتھ ٹکرائے ایک پل کے لیے دونوں کی نظریں ملیں عانیہ فوراً ہٹ گئی سلمان نے کہا۔

سوری میں جلدی میں تھا۔

غلطی ہم دونوں کی تھی دونوں ہی جلدی میں تھے یہ کہتے ہوئے عانیہ آگے بڑھ گئی۔ جبکہ سلمان اسے تب تک دیکھتا رہا جب تک عانیہ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی۔

سلمان کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ عانیہ سے کس طرح کہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے یہ بات اس نے اپنے دوست سے کہی۔

اس نے کہا۔ اپنے دل کی بات عانیہ کو بتادو سلمانے فیصلہ کرلیا کہ وہ اچھا سا موقع دیکھ کر عانیہ کو اپنے دل کی بات بتادے گا آخرکار سلمان کو موقع مل گیا عانیہ گارڈن میں اکیلی بیٹھی ہوئی کتابیں پڑھ رہی تھی کہ آج س کی دوست اس کے ساتھ نہیں تھی سلمان عانیہ کے پاس آیا اس سے کہا کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں عانیہ نے چونک کر سلمان کو دیکھا اور کہا۔

بیٹھ جاؤ عانیہ سلمان کو اپنے سامنے دیکھ کر کچھ گھبرا سی گئی تھی اس دن کے بعد عانیہ میں ہمت نہیں تھی کہ وہ سلمان کا سامنے کرے۔

عانیہ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ سلمان نے مشکل سے کہا۔

ہاں کہو۔ عانیہ بھی مشکل سے بولی۔

دونوں میں پانچ منٹ تک خاموشی طاری رہی عانیہ سلمان کے بولنے کی منتظر تھی تب ہی سلمان بولا۔

عانہ میں تم سے۔۔ عانیہ میں تم سے لو یو کہنا چاہتا ہوں میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں تمہارا جواب جاننا چاہتا ہوں تمہارا جو بھی فیصلہ ہوگا مجھے قبول ہوگا۔

عانیہ حیران ہوکر سلمان کو دیکھی رہی اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اسے لگ رہی کہ جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہو کیونکہ وہ بھی سلمان سے پیار کرتی تھی ابھی وہ سوچ میں گم تھی کہ سلمان بولا۔

عانیہ تمہارا جواب چاہیے۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ یہ بول کر عانیہ جانے کے لیے کھڑی ہوئی تو سلمان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں میں تم سے پیار کرتی ہوں سلمان نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور عانیہ کلاس میں چلی گئی۔

وقت تیزی سے گزرتا گیا اور اسی دوران دونوں کی پڑھائی ختم ہوگئی عانیہ اور سلمان کی منگنی ہوگئی رزلٹ آنے کے بعد دونوں کی شادی ہونی تھی آخرکار رزلٹ آگیا دونوں پاس ہوگئے سلمان بہت ہی خوش تھا کہ کل عانیہ اور اس کی شادی تھی سلمان نے عانیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا ابھی ان سوچوں میں گم تھا کہ کمرے میں دھواں پھیلنے لگا سلمان حیران ہوکر دھویں کو دیکھ رہا تھا کہ دھویں میں سے ایک وجود ہوا اس کے سمنے ایک خوبصورت لڑکی کھڑی تھی اس نے نیلے رنگ کی میکسی پہنی ہوئی تھی اس کے دو پر بھی تھے۔

کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہی ہو۔۔۔۔

سلمان نے پوچھا۔

میرا نام نیلم پری ہے۔ میں ایک پری ہوں مجھے اس دن کا بہت انتظار تھا جب میں تمہارے سامنے آؤں گی میں تم سے تب سے محبت کرتی ہوں جب تم دس سال کے تھے پری بولی تمہارے گھر کے پاس ایک باغ ہے جہاں تم نے سن رکھا تھا کہ وہاں پر پریاں آتی ہیں ایک دن تم وہاں سے گزر رہے تھے کہ تمہاری نظر پھولوں پر پڑی تم نے ایک پھول توڑ لیا اور کہا یہ پھول میری طرف سے سب سے خوبصورت پری کے لیے یہ کہہ کر تم پھول وہی پھینک کر چلے گئے تب میں وہی تھی اور وہ پھول میں نے اٹھالیا اور مجھ تم سے محبت ہو گئی تب سے میں تمہارے ساتھ ہوں سلمان یہ سن کر حیران رہ گیا۔ اسے اپنے بچپن کا وہ زمانہ یاد آگیا۔

سلمان میں تمہیں لینے آئی ہوں تمہیں میرے ساتھ پرستان جانا ہوگا۔ نیلم پری بولی۔

نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں صرف عانیہ سے محبت کرتا ہوں۔

تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہاری اور عانیہ کی شادی ہونے دونگی نیلم پری غصہ سے بولی عانیہ کو مارنے کی میں نے بہت کوشش کی ہے پر پتہ نہیں اس میں ایسا کیا ہے میں اسے نقصان نہیں پا سکی ہوں پر تمہیں تو اپنے ساتھ لے جا سکتی ہوں۔۔ یہ کہہ کر پری نے سلمان کا ہاتھ تھام لیا اور دونوں کے اردگرد دھواں چھا گیا۔ اب کمرے میں کچھ بھی نہیں تھا نہ ہی سلمان اور نہ ہی پری۔

عانیہ دلہن بنی بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھی وہ سلمان کے خیالوں میں گم تھی کہ اس کی امی اس کے پاس آئی اور بولی سلمان کو کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔

کیا ہوا سلمان کو عانیہ نے پریشان ہوکر کہا۔

اس کے گھر والے ہر جگہ دیکھ چکے ہیں پر اس کا کچھ پتہ نہیں ہے مجھے لگتا ہے سلمان گھر چھوڑ کر بھاگ گیا ہے عانیہ کی امی نے کہا۔

نہیں نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔ سلمان مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتا ہے یہ کہہ کر عانیہ وہی گر گئی۔ یہ نہیں ہوسکتا سلمان مجھے اس طرح چھوڑ کر نہیں جاسکتا عانیہ کا رو رو کر برا حال تھا۔

مجھے لگتا ہے سلمان تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ عانیہ کی امی نے اس سے کہا۔

نہیں امی جان ایسا نہیں ہے وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتا اس کے ساتھ ضرور کچھ نہ کچھ ہوا ہے سلمان کے گھر والوں نے کیا بتایا تھا عانیہ اپنی امی سے بولی۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہے پر کوئی جواب نہیں ملا تو انہوں نے دروازہ توڑ دیا اندر کوئی نہیں تھا سلمان کے ساتھ ضرور کچھ ہوا ہے وہ کسی مصیبت میں ہے میرا دل کہتا ہے عانیہ بولی۔

میں سلمان کو ڈھونڈ کے رہوں گی ایک مہینہ ہوگیا تھا سلمان کو غائب ہوئے عانیہ کہیں عاملوں کے پاس گئی پر کوئی کچھ نہ بتا سکتا عانیہ جنگل میں کھڑی تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ یہاں پر کیا کر رہی ہے ایک کشش اسے آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ جنگل ختم ہوا تو آگے میدان تھا وہاں پر ایک تالاب تھا اور تالاب کے پاس آئی جھونپڑی تھی عانیہ کے قدم اس جھونپڑی کی طرف اٹھنے لگے عانیہ اندر گئی تو اندر ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا عانیہ سے بولے۔

مجھے تمہارا ہی انتظار تھا تب ہی عانیہ کی آنکھ کھل گئی یہ کیسا خواب تھا تب ہی عانیہ کو یاد آیا کہ جو جنگل اس نے خواب میں دیکھا ہے وہ تو اس کے گھر کے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہے عانیہ نے وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا اس وقت صبح کے ساتھ بج رہے تھے سو رہے تھے عانیہ بغیر کسی کو بتائے گھر

سے نکل گئی عانیہ جب جنگل میں گئی تو اسے اپنے خواب والا منظر یاد آ گیا سب کچھ ویسا تھا جیسا اس نے خواب ہی دیکھا تھا پھر وہی جھونپڑی نظر آئی عانیہ کے قدم بے اختیار جھونپڑی کی طرف بڑھے وہ جھونپڑی کے اندر گئی اور اندر وہی بزرگ تھے جن کو اس نے خواب میں دیکھا تھا۔

آؤ عانیہ بیٹی مجھے تمہارا ہی انتظار تھا مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ سلمان کہاں ہے عانیہ نے بے تابی سے پوچھا اور ان کے پاس بیٹھ گئی۔

ہاں میں جانتا ہوں سلمان کہاں ہے اسے واپس لانا بہت ہم مشکل ہے۔

آپ مجھے بتائیں کہ وہ کہاں ہے میں اسے واپس لے کر آؤں گی عانیہ بولی۔ پلیز بابا جی مجھے بتائیں وہ کہاں ہے۔

وہ اس وقت پرستان میں ہے پھر بابا ہی نے عانیہ کو سب کچھ بتا دیا جو کچھ سلمان کے ساتھ ہوا وہ میری ایک ایسا چلہ کر رہی ہے جس سے سلمان سب کچھ بھول جائے گا اور اس سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔

یہ سب سن کر عانیہ پریشان ہو گئی بابا کیا اسے واپس لانے کو کوئی اور راستہ ہے عانیہ نے پوچھا۔

راستہ ہے پر کس کو پرستان جانا ہوگا اور پری سے لڑنا ہوگا کیا تمہاری نظر میں کوئی ایسا ہے جو پرستان جا سکے بابا عانیہ سے بولے۔

میں خود وہاں جاؤں گی۔

ٹھیک ہے۔ بابا نے ایک نظر اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گا۔

ابھی مجھے گھر جانا ہوگا میں نے کسی کو گھر میں بتایا نہیں ہے سب میرے لیے پریشان ہوں گے عانیہ نے کہا۔

ٹھیک ہے جاؤ اور جلدی آنا۔ بابا نے کہا۔

وہ گھر گئی تو سب اس کے لیے پریشان تھے عانیہ کو دیکھتے ہی اس کی امی اس کے پاس آئیں او وہ کہاں چلی گئی تو عانیہ نے سب کچھ بتا دیا اس کی امی نے منع کر دیا کہ وہ پرستان نہیں جائے گی پر اس نے امی کو منا لیا وہ مان گئیں تو وہ بابا جی کے پاس چلی گئی۔ اور جاتے ہی کہا۔

بابا جی میں آ گئی ہوں۔ اب مجھے بتائیں کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔

عانیہ تمہیں نیلم پری سے لڑنا ہوگا تب ہی تم سلمان کو حاصل کر پاؤ گی تمہیں وہاں پر نیلم پری کا محل تلاش کرنا ہوگا جو نیلے رنگ کا ہے ار ایک غار تلاش کرنا ہوگی جس کے اوپر سرخ پتھر ہے اس غار کے اندر ایک تلوار ہے اسی تلوار سے تم نیلم پری کو ختم کر پاؤ گی۔ ٹھیک ہے بابا جی میں ایسا ہی کروں گا انشاءاللہ کامیاب ہوں گی۔

ٹھیک ہے تم اپنی آنکھیں بند کرو میں تم کو وہاں پر پہنچا دیتا ہوں میری دعا میں آپ کے ساتھ ہیں بابا جی نے کہا اور عانیہ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ بابا جی نے کچھ کہا تو بابا جی نے کچھ پڑھ کر اس پر پھونک ماری تو اس نے پھر سے کہا اب اپنی آنکھیں کھول لو جب عانیہ نے اپنی آنکھیں کھولیں تو اس کے سامنے ایک نئی دنیا تھی چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ تھے ندیاں بہہ رہی تھیں اور بہت خوبصورت محل تھے عانیہ ابھی ان نظاروں میں کھوئی ہوئی تھی کہ تب ہی اسے ایک خوفناک آواز سنائی دی عانیہ نے مڑ کر دیکھا تو خوف سے اس کی چیخ نکل گئی اس کے سامنے ایک بلا کھڑی تھی۔ جس کے پورے جسم پر بال ہی بال تھے اس

کے دو لمبے دانت منہ سے باہر کو آ رہے تھے اس کی آنکھیں ڈراؤنی تھیں عانیہ نے خوف سے بھاگنا شروع کر دیا اس نے پیچھے دیکھا تو بلا اس کے ساتھ ساتھ تھی تب ہی عانیہ کا پیر ایک پتھر سے ٹکرایا اور عانیہ نیچے گر گئی۔

عانیہ کی آنکھیں کھلیں تو اسے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ وہ کہاں پر ہے تب ہی اسے سب کچھ یاد آ گیا سی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت سی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے پنک کلر کی میکسی پہنی ہوئی تھی اور اس کے دو پر تھے اس کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ ایک پری ہے۔

کون ہو تم اور میں یہاں کیسے آئی۔ اور وہ بلا کہاں گئی عانیہ نے ایک ساتھ ہی اس لڑکی سے سوال کر دیے۔ جواب میں وہ لڑکی مسکرائی اور عانیہ کے پاس بیٹھ گئی۔

میرا نام عائشہ پری ہے میں سیر کے لیے نکلی ہوئی تھی کہ میری نظر تم پر پڑی تمہارے پیچھے وہ بلا لگی ہوئی تھی میں نے اس بلا کو ختم کر دیا اور تمہیں یہاں لے آئی پر تم تو انسان ہو یہاں کیا کر رہی ہو پری نے پوچھا۔

جواب میں عانیہ نے اسے سب کچھ بتا دیا کہ وہ یہاں کس لیے آئی ہے نیلم پری تمہارے منگیتر کو اٹھا کے یہاں لے آئی ہے اس سے یہی امید تھی عائشہ پری کو غصہ آ گیا تم پریشان نہ ہو میں تمہاری مدد کروں گی۔

وہ غار کہاں ہے۔ عانیہ نے پوچھا۔

میں جانتی ہوں تمہارے ساتھ میں بھی اپنا انتقام پورا کروں گی۔

عائشہ کی بات سن کر عانیہ نے پوچھا نیلم پری نے تمہارے ساتھ کیا کیا تھا یہ سن کر عائشہ پری اداس ہو گئی اور بولی۔

یہ سچ ہے کہ وہ ہم سب میں سے زیادہ خوبصورت ہے اس کے بہت سے عاشق ہیں میرا بھائی بھی اس سے بہت محبت کرتا ہے ایک دیو بھی اس کا عاشق تھا وہ بھی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے پر نیلم نے انکار کر دیا وہ اس کی انگوٹھی لے گیا جس میں اس کی طاقتیں تھیں نیلم پری خود وہ انگوٹھی واپس نہیں لا سکتی تھی اس لیے اس نے میرے بھائی کو اپنے جال میں پھنسایا اس سے کہا کہ اگر وہ میری انگوٹھی واپس لا دے گا تو میں اس سے شادی کر لوں گی میرا بھائی اس کی انگوٹھی واپس لے آیا اور اسے اپنا وعدہ یاد دلایا تو نیلم نے میرے بھائی کو مار دیا میں ان دنوں میں یہاں پر نہیں تھی جب میں واپس آئی تو اس کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا پھر میں نے ایک چلہ کیا جس میں مجھے میرے بھائی کی موت کا پتہ چلا تو پھر میں نے نیلم سے بدلہ لینے کی ٹھان لی اور اس سے بدلہ لینے گئی لیکن اس کی طاقت مجھ سے زیادہ تھی اس لیے وہ مجھ پر بھاری پڑ گئی جب میں نے اپنی طاقت بڑھائی تو اس نے اپنے محل کے اردگرد ایسا حصار قائم کر دیا جسے میں پار کروں گی تو جل جاؤں گی وہ حصار پار کرو گی تو تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔

عائشہ پری کی کہانی سن کر عانیہ کو دکھ ہوا اس نے بات بدلتے ہوئے عائشہ سے پوچھا تم بھی بہت خوبصورت ہو تمہارا کوئی عاشق نہیں ہے

عائشہ مسکرا دی اور بولی۔ ہاں ہے پر میں اس سے پیار نہیں کرتی۔ کیا تم کسی اور سے پیار کرتی ہو۔ عانیہ نے پوچھا۔ تو وہ بولی۔

میری زندگی میں کوئی نہیں ہے ابھی رات

ہوگئی ہے صبح چلیں گے۔۔ عائشہ پری نے بات بدل دی۔

دونوں غار کے سامنے کھڑی تھیں غار کے اوپر ایک سرخ رنگ کا پتھر تھا دونوں غار کے اندر داخل ہوگئی۔ سامنے کا منظر دیکھ کر عانیہ کے ہوش اڑ گئے جہاں تلوار پڑی تھی وہاں کا راستہ بہت ہی تنگ تھا اس کے نیچے گہری کھائی تھی اور لاوا بہہ رہا تھا۔ عائشہ پلیز وہ تلوار تم لے آؤ عانیہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

نہیں میں وہاں نہیں جاسکتی اس تلوار کو وہی چھوسکتا ہے جو کسی سے سچی محبت کرتا ہے اگر میں اس تلوار کو چھوؤں گی تو وہ خاک میں تبدیل ہو جائے گی تمہیں خود ہی جانا ہوگا منزل تمہارے سامنے ہے عانیہ۔ عانیہ تم آگے بڑھو عائشہ نے کہا عانیہ نے اللہ کا نام لے کر رستے پر قدم رکھا وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ کہ اس کے قدم ڈگمگائے وہ گرتے گرتے بچی عانیہ آگے بڑھو کچھ نہیں ہوگا عائشہ کی آواز سنتے ہی عانیہ کو حوصلہ ملا۔ اور آگے بڑھ کر تلوار اٹھائی اچانک غار ہلنے لگی عانیہ جلدی کرو عائشہ کی آواز آئی عائشہ نے عانیہ کا ہاتھ تھام لیا اور فوراً باہر آگئی غار کے آگے ایک بڑا سا پتھر آگرا تھا نیلم کو ختم کرنے کے لیے تمہارے پاس آدھا گھنٹہ ہے اسی آدھے گھنٹے میں تمہیں سلمان کو بھی ڈھونڈنا ہوگا۔ تم جہاں بھی ہوگی میں تمہارے پاس آجاؤں گی اگر تم سلمان کو ڈھونڈ نہ پائی تو میں تمہیں بچالوں گی۔

نہیں تم ایسا نہیں کروگی اگر میں اسے ڈھونڈ نہ پائی تو تم مجھے نہیں بچاؤ گی۔

نہیں میں ایسا نہیں کرسکتی دونوں محل کے سامنے کھڑی تھیں نیلے رنگ کا محل مکمل طور پر شیشے سے بنا ہوا تھا۔ اور دھوپ سے ایسا چمک رہا تھا کہ جیسے کوئی ہیرا ہو عانیہ آگے بڑھی تو اسے سرخ سی لائن دکھائی دی عانیہ کے ہوتے ہی حصار ٹوٹ گیا نیلم پری اپنے جادوئی آئینے میں ان دونوں کو دیکھ رہی تھی اور بولی۔

میرے دشمن ایک ساتھ ہی مرنے کے لیے آگئے ہیں اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ان دونوں کو جا کر ختم کردو ان دونوں نے محل کے اندر قدم رکھا تو اس کے سامنے خوفناک شکل والے جن کھڑے تھے دونوں نے لڑنا شروع کردیا۔ پر وہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے عائشہ نے پھونک ماری تو سب جل گئے۔ وہ دونوں آگے بڑھیں وان کے سامنے نیلم پری کھڑی تھی۔ ہمیں زندہ دیکھ کر حیرانگی ہو رہی ہے تم کو عائشہ پری نے نیلم پری کو دیکھ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

ان سے بچ کر آگئی ہو لیکن اب اس سے بچ نہیں سکوگی اس نے یہ کہہ کر سامنے کی طرف پھونک ماری تو ایک بلا کھڑی تھی جس کا قد دس فٹ تھا اسے دیکھ کر عانیہ تو بہت ہی بری طرح ڈر گئی۔

عانیہ تم نیلم کو ختم کرو میں اسے دیکھتی ہوں نیلم عانیہ پر وار پر وار کر رہی تھی عانیہ ہر بار اس کے وار سے بچ رہی تھی۔ تب ہی تلوار عانیہ کی بازو پر لگی اور خون بہنے لگا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ عانیہ جلدی نیلم کو ختم کرو نجانے عانیہ میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی تھی اور اس نے ایک ہی وار میں نیلم کو مات دے دی اور اس کو مار ڈالا عانیہ سلمان کو تم ڈھونڈو میں اسے ختم کرتی ہوں عانیہ سارے کمرے میں دیکھنے لگی لیکن سلمان کا اسے

کہیں بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ وہ کبھی اس کمرے میں کبھی اس کمرے میں لیکن اس کو سلمان مل نہیں رہا تھا اب صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے اور ایک ہی کمرہ رہ گیا تھا۔ عانیہ نے دعا کرتے ہوئے دروازہ کھولا تو سلمان کو سامنے پایا وہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس گئی اور چیخنے لگی۔

سلمان آنکھیں کھولو سلمان آنکھیں کھولو۔ عانیہ نے اس کو ہلایا اتنی دیر میں محل ہلنے لگا تھا اور عائشہ وہاں آگئی تھی عانیہ جلدی سے میرا ہاتھ تھام لو اور اپنی آنکھیں بند کرلو عانیہ نے ویسا ہی کیا جیسا عائشہ نے کہا تھا عانیہ نے آنکھیں پھر جب آنکھیں کھولیں تو وہ تینوں باہر کھڑے تھے۔

سلمان کو ہوش آیا تو اس کی نظر عانیہ پر پڑی عانیہ تم یہاں کیسے آئی۔

سلمان تم ٹھیک ہو ناں۔ عانیہ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

ہاں میں ٹھیک ہوں۔ پر تم یہاں کیسے۔ اور یہ کون ہے۔ سلمان نے عانیہ کے ہاتھ تھام لیے عانیہ نے سلمان کو سب کچھ بتادیا کہ عائشہ پری نے کیسے اس کی مدد کی عائشہ پری نے کہا۔ میں تم دونوں کو تمہاری دنیا میں چھوڑ آؤں۔

ہاں ہاں۔ عانیہ نے جلدی سے کہا۔

تم دونوں اپنی آنکھیں بند کرو عائشہ پری نے انکے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے کہا اور ان دونوں نے اپنی آنکھیں بند کیں تو ان کو ایک جھٹکا لگا وہ ہواؤں میں اڑنے لگے اب تم لوگ اپنی آنکھیں کھول لو۔ عائشہ کی آواز سنائی دی تو انہوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں تو عانیہ اپنے گھر کے سامنے کھڑی تھی وہ بہت ہی خوش تھی کہ وہ سلمان کے ساتھ واپس آئی تھی۔ اور اس نے عائشہ پری کا بھی شکریہ ادا کیا اور کہا۔

عائشہ پری میری مانوں تو جو تم سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے شادی کرلو۔

ہاں عانیہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو میں ایسا ہی کروں گی اپنے دیس میں پہنچتے ہی جا کر ہاں کردوں گی لیکن تم لوگ مجھے اپنی شادی پر ضرور بلانا۔ میں ضرور آؤں گی۔

ہاں عائشہ پری ہم تم کو ضرور بلائیں گے۔

عائشہ پری نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر عانیہ کو دی اور کہا۔ عانیہ جب بھی تم کو میری ضرورت پڑی تو میری انگوٹھی اپنے سامنے رکھ کر تین بار میرا نام پکارنا میں تمہارے سامنے حاضر ہوجاؤں گی۔

ٹھیک ہے عائشہ پری میں ایسا ہی کروں گی

اس کے ساتھ ہی وہ پری ان کے سامنے سے اڑتے ہوئے اوجھل ہوگئی اور وہ دونوں اپنے گھر میں داخل ہوگئے ان کو اپنے سامنے دیکھ کر سب گھر والوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ان کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ عانیہ اتنی بہادر بھی ہوسکتی ہے کہ پرستان سے جا کر اپنے سلمان کو زندہ لاسکتی ہے پھر جلد ہی ان کی شادی کردی گئی اور ان کی شادی میں عانیہ نے عائشہ پری کو بھی بلایا۔ یہ ایسی شادی تھی جس میں ایک پری نے بھی شرکت کی تھی۔

اب وہ دونوں اپنی زندگی میں بہت ہی خوش ہیں۔ دعا کریں کہ وہ ہمیشہ خوش رہیں۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازیئے گا تاکہ میں مزید لکھ سکوں مجھے آپ کے رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔ دعاؤں کے ساتھ اجازت۔

کوئی ہے

تحریر: مسز طاہر سلیم۔ قمر نشاد۔ فتح جنگ۔

ابھی وہ ایک سنسان اور خوفناک راستے سے گزر رہا تھا کہ بڑے بڑے گھنے درختوں کا سایہ راستے کو مزیدہ خوفناک بنا رہا تھا۔ فاروق بے فکر ہو کر سفر کر رہا تھا اچانک ہی گھوڑا ہنہنانے لگا اور پیچھے ہٹنے لگا فاروق یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ گھوڑے کو یکدم کیا ہو گیا ہے یہ تو اپنی چال میں بھاگتا جا رہا تھا۔ چاند کی روشنی میں راستے کے درمیان فاروق کو ایک چھوٹا سا کتا کھڑا دکھائی دیا فاروق نے اس کتے کو دھتکارتے ہوئے راستے سے پیچھے ہٹایا تو وہ آہستہ آہستہ دم ہلاتے ہوئے آگے سے ہٹ گیا اور گھوڑا آگے چلنے لگا تھوڑی دیر بعد فاروق کو کتے کی آواز سنائی دی فاروق نے پیچھے دیکھا وہ کتا ان کے پیچھے دوڑتے ہوئے آ رہا تھا نجانے کیا وجہ سے کیوں فاروق کو اس کتے کے بچے پر ترس سا آ گیا۔ وہ گھوڑا کو روک کر نیچے اتر آیا۔ اس کو کتے کا بچہ پسند آ گیا اس نے سوچا شاید بھوکا ہو اسے گھر لے چلتا ہوں یہ سوچ کر فاروق نے گھوڑا روکا اور کتے کے بچے کو اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اور اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ پھر وہ پھر سے گھوڑے پر سوار ہو گیا کتا بھی اس نے گھوڑے پر سوار کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑے کے بھاگنے کی رفتار میں کمی آنے لگی اور کچھ دیر بعد ہی گھوڑا رک گیا۔ فاروق کی جب کتے پر نظر پڑی تو حیران رہ گیا کتے کی جسامت پہلے جیسی نہیں تھی وہ جسامت میں بڑے کتوں جیسا ہو گیا تھا۔ لیکن فاروق کے دل میں ذرا بھی خوف نہ آیا وہ سمجھ گیا کہ یہ کتے کے روپ میں کوئی اور چیز ہے فاروق نے ذرا بھی دیر نہ کی اور کتے کو اٹھا کر زور سے زمین پر پٹخ دیا۔ ایک سنسنی خیز اور ڈراؤنی کہانی۔

بعض اوقات ہماری زندگی میں ایسے واقعات بیتتے ہیں جن کو فراموش کرنا ہمارے لیے ناممکن ہو جاتا ہے ان گزرے واقعات کو یاد کر کے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ کل کی بات ہو زندگی ہمیں ایسے دوراہے پر لا کھڑا کرتی ہے کہ ہم سے یہ فیصلہ کرنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے کہ ہمیں کون سے راستے کا انتخاب کرنا چاہیے۔

ذکیہ اپنے گھر میں اکیلی تھی اپنی ننھی منی دس دن کی بچی کو گود میں لیے وہ مسکرا رہی تھی اچانک ہی دروازے پر دستک ہوئی وہ اپنی بچی کو چارپائی پر ڈال کر دروازے کی طرف لپکی جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا ایک تیز ہوا کا جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا تو وہ ایک دم لڑکھڑا سی گئی خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے باہر جھانک کر دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

کون ہے کون ہے۔

کئی دفعہ پوچھنے پر بھی جب کوئی سامنے نہ آیا تو وہ دروازہ بند کر کے چارپائی پر آ بیٹھی وہ کچھ خوفزدہ سی دکھائی دینے لگی تھی اور پھر اس کی آنکھوں نے ایک خوفناک منظر دیکھا ایک کالا سیاہ وجود جس کے جسم پر لمبے لمبے بال تھے آنکھیں سرخ انگاروں کی طرح دھک رہی تھی۔

وہ پیڑوں کے درخت پر بیٹھا ہوا اسے گھور رہا تھا۔

ذکیہ خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی کہ اس نے ذکیہ پر چھلانگ لگادی۔ ذکیہ نے ایک چیخ ماری اور گر کر بے ہوش ہوگئی جب اس کو ہوش آیا تو اس کا شوہر فرید گھر آچکا تھا فرید ہی اس کو ہوش میں لایا تھا جب فرید گھر آیا تھا تو اپنی بیوی کو بے ہوش دیکھ کر پریشان ہوگیا تھا جب اس پر پانی کے چھینٹے مار کر اسے ہوش میں وہ لایا تو وہ بہت بہکی بہکی باتیں کرنے لگی بھی زور زور سے ہنسنے لگتی تو بھی رونے لگتی اپنی ننھی بچی کو دیکھنا بھی گوارہ نہیں کر رہی تھی مرد کی طرح باتیں کرتی اور غصہ کے عالم میں آنکھیں سرخ ہوجاتیں۔

فرید اس کی حالت دیکھ کر بہت ہی پریشان ہوگیا۔ اور خوفزدہ تھا اس نے موقع دیکھ کر ذکیہ کے ماں باپ کو گھر بلالیا لیکن ذکیہ ان سے بات کرنے کو تیار نہ تھی اپنے والدین کو دیکھ کر تو اس کی حالت مزید خراب ہوگئی۔

چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں سب کو مار دوں گا۔ ذکیہ دھمکی دینے والے انداز میں بولی۔

ذکیہ کے ابو کو شک ہوگیا کہ اس پر کسی چیز کا سایہ ہوگیا ہے وہ آہستہ آہستہ قرآنی آیات کا ورد کرنے لگے جیسے جیسے وہ قرآنی آیات کا ورد کرتے گئے ذکیہ غصہ سے مزید سرخ ہونے لگتی۔

بند کرو یہ پڑھنا مجھے تنگ نہ کرو اور چلے جاؤ یہاں سے ذکیہ غصہ سے بولی۔ اور پھر ذکیہ کے ابو کہنے لگے۔

ہمیں اسے کسی عامل بابا کے پاس لے جانا ہوگا۔ اس پر کوئی سایہ سوار ہوگیا ہے ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے ورنہ کچھ بھی ہوسکتا ہے تم جلدی سے گاڑی باہر نکالو۔

ٹھیک ہے میں ابھی گاڑی باہر نکالتا ہوں۔ فرید جلدی سے اٹھا اور ٹیکسی باہر نکالی۔

کہاں لے کر جا رہے ہو مجھے میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ ذکیہ مردانہ آواز میں بولی۔

ہم تمہیں کہیں بھی لے کر نہیں جا رہے ہیں بس کچھ بھی مت بولو۔۔ فرید نے اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ ان کے ہاتھوں میں نہیں آرہی تھی۔

کافی مشکل سے گھسیٹتے ہوئے اسے گاڑی میں بٹھایا گیا راستے میں بھی اسے کافی مشکل سے کنٹرول کیا گیا بہر حال عامل بابا کے پاس پہنچنے پر ذکیہ بالکل خاموش ہوگئی تھی لیکن اپنی سرخ آنکھوں سے عامل بابا کو گھورتی جا رہی تھی انہوں نے جاتے ہی بابا جی کو تمام حالات بتادیئے کہ صبح تک یہ ٹھیک تھی کہ یکدم اس کے ساتھ یہ سب ہوگیا ہے۔

عامل بابا نے سفید چونے سے اس کے گرد حصار بنایا اور کچھ پڑھنے لگے جیسے جیسے وہ پڑھ رہے تھے ذکیہ مردانہ آواز میں چیخنے لگی اسکے بال کھل کر چہرے پر بکھر گئے۔

کون ہو تم۔ عامل بابا نے سختی سے پوچھا۔

میں ایک مسلمان جن ہوں۔۔ ذکیہ مردانہ آواز میں غصہ سے بولی۔

کیا نام ہے تمہارا۔

ہارون۔ ذکیہ مردانہ آواز میں بولی۔

تم نے اس لڑکی کو کیوں تنگ کر رکھا ہے کیا بگاڑا ہے اس نے تمہارا عامل نے پوچھا

میں اس گھر کے اوپر سے گزر رہا تھا اس کو دیکھا تو یہ مجھے پسند آگئی اور میں اس کے اوپر

جاؤں گا ... گھورتے ہوئے بولی۔

چھوڑ دو اسے۔ بابا اونچی آواز میں بولے۔

میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ میں ہمیشہ اس کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ یہ کبھی بھی نہیں ہوسکتا کہ میں اس کو چھوڑ دوں۔ ذکیہ مردانہ آواز میں تقریبا گرجتے ہوئے بولی۔

تم اس کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

کیوں نہیں رہ سکتا ہوں میں اس کے ساتھ اس نے اسی انداز میں پوچھا۔

کیوں کہ تم ایک جن ہو اور یہ انسان ہے جن گ سے بنا ہے اور انسان مٹی سے اور یہ دونو ں چیزیں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ عامل بابا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے کہ میں اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ ذکیہ مردانہ آواز میں انکار کرتے ہوئے بولی۔

تم ایسے نہیں مانو گے۔ تمہارا کچھ اور حال کرنا پڑے گا بزرگ جلالی ہونے لگے۔ اور پھر عامل بابا نے ہاتھ میں خاک اٹھائی اور اس پر کچھ پڑھ کر پھونک ماری اور زور سے ذکیہ پر پھینک دی خاک پڑتے ہی وہ زور زور سے چیخنے لگی

میں تمہیں سلمان پیغمبر کی قسم دیتا ہوں اس لڑکی کو چھوڑ دو اور آئندہ اسے تنگ نہیں کرنا عامل بابازی سے بولے۔

ذکیہ کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور وہ بے ہوش ہوگئی جب اسے ہوش آیا تو وہ بالکل ٹھیک تھی۔ پھر لوگ اپنے ساتھ وہ گھر لے آئے۔ ان کو سکون مل گیا تھا کہ اس کے ساتھ چمٹا ہوا سایہ اس کی جان چھوڑ گیا ہے۔

رات کو ذکیہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت ہی حسین نوجوان جس نے سفید رنگ کا لباس پہن رکھا تھا ایک بہت ہی گھنے درخت کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور وہ بھی اس کے پاس جانے لگی تھی۔

ذکیہ تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا اور مجبوراً مجھے تم کو چھوڑنا پڑا۔ یہ انگوٹھی میں تم کو پہنانا چاہتا تھا لیکن افسوس میں ایسا نہیں کرسکا۔۔

یہ کہہ کر وہ لڑکا درخت کی طرف چل دیا اور درخت کے نیچے پہنچتے ہی غائب ہوگیا اور ذکیہ اسے غائب ہوتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اور ذکیہ کی آنکھ بھی کھل گئی جب ذکیہ کا خواب ٹوٹا تو اس کے اردگرد سے بہت ہی پیاری خوشبو بکھری ہوئی تھی ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ دیر پہلے آیا ہو کوئی یہاں وہ کافی دیر تک اس خوشبو کو محسوس کرتی رہی اور سوچتی رہی کہ کیا یہ خواب تھا یا حقیقت تھی وہ کچھ بھی فیصلہ نہ کر پائی لیکن ذکیہ نے سکھ کا سانس لیا اور دوبارہ لیٹ گئی۔

کبھی نہ کبھی بہاروں کے پھول مرجھا جائیں گے
بھولے بھی کبھی ہم تمہیں یاد آئیں گے
احساس ہوگا تمہیں ہماری دوستی کا
جب ہم بہت دور چلے جائیں گے

کئی سالوں پہلے کی بات ہے اس وقت موبائل نہیں ہوا کرتے تھے دوسروں تک کوئی خبر یا اطلاع پہنچانے کے لیے خط لکھے جاتے تھے پھر خود جا کر خبر پہنچائی جاتی تھی فاروق ایک بہت ہی نڈر اور بہادر نوجوان تھا۔ ایک دفعہ فوتگی ہوگئی اس کے رشتے داروں کو اطلاع دینے کے لیے رات کو

ن دوسرے گاؤں جانا تھا راستہ بہت ہی خطرناک
ا رات کو وہاں جن بھوتوں اور چڑیلوں کو دیکھنے
ی خبریں پورے گاؤں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ لہٰذا
رات کو دوسرے گاؤں جانے کے لیے کوئی بھی
تیار نہ تھا۔ ہر کوئی اس راستے جانے سے گھبرا رہے
تھے بلکہ بری طرح خوفزدہ ہو رہے تھے
فاروق سے بات کی گئی تو وہ جانے کے لیے
رضامند ہو گیا اس کی رضامندی کو دیکھتے ہوئے
ب ہی خوش ہو گئے اور اس کے جانے کا انتظام
رنے لگے لہٰذا گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا
ں کی زبان پر قرآنی آیات کا ورد تھا۔
ابھی وہ ایک سنسان اور خوفناک راستے سے
گزر رہا تھا کہ بڑے بڑے گھنے درختوں کا سایہ
راستے کو مزید خوفناک بنا رہا تھا۔ فاروق بے فکر
ہو کر سفر کر رہا تھا اچانک ہی گھوڑا ہنہنانے لگا
اور پیچھے ہٹنے لگا فاروق یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ
گھوڑے کو یکدم کیا ہو گیا ہے یہ تو اپنی چال میں
ھاگتا جا رہا تھا۔ چاند کی روشنی میں راستے کے
رمیان فاروق کو ایک چھوٹا سا کتا کھڑا دکھائی دیا
فاروق نے اس کتے کو دھتکارتے ہوئے راستے
سے پیچھے ہٹایا تو وہ آہستہ آہستہ دم ہلاتے ہوئے
آگے سے ہٹ گیا اور گھوڑا آگے چلنے لگا تھوڑی
دیر بعد فاروق کو کتے کی آواز سنائی دی فاروق نے
پیچھے دیکھا وہ کتا ان کے پیچھے دوڑتے ہوئے
آ رہا تھا نجانے کیا وجہ ہے کیوں فاروق کو اس کتے
ے بچے پر ترس سا آ گیا۔ وہ گھوڑا کو روک کر نیچے
ز آیا۔ اس کو کتے کا بچہ پسند آ گیا اس نے سوچا
ناید بھوکا ہوا سے گھر لے چلتا ہوں یہ سوچ کر
فاروق نے گھوڑا روکا اور کتے کے بچے کو اٹھا کر
اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اور اس کے سر پر پیار سے
[illegible]
ہو گیا کتا بھی اس نے گھوڑے پر سوار کر لیا۔ تھوڑی
دیر بعد گھوڑے کے بھاگنے کی رفتار میں کمی آنے
لگی اور کچھ دیر بعد ہی گھوڑا رک گیا۔ فاروق کی
جب کتے پر نظر پڑی تو حیران رہ گیا کتے کی
جسامت پہلے جیسی نہیں تھی وہ جسامت میں بڑے
کتوں جیسا ہو گیا تھا۔ لیکن فاروق کے دل میں
ذرا بھی خوف نہ آیا وہ سمجھ گیا کہ یہ کتے کے روپ
میں کوئی اور چیز ہے فاروق نے ذرا بھی دیر نہ کی
اور کتے کو اٹھا کر زور سے زمین پر پٹخ دیا۔
زمین پر گرتے ہی کتا ایک بھیانک عورت
کی شکل اختیار کر گیا فاروق کے چہرے پر ذرا بھی
خوف کے تاثرات نہ تھے بلکہ وہ اس عورت کو دیکھ
کر حیران ہو رہا تھا کہ یہ ہی وہ عورت تھی جو کتے کا
روپ دھارے ہوئے تھی۔ اس نے جلدی سے
جیب سے تیز دار چاقو نکال لیا اسکے ہاتھ میں چاقو
دیکھ کر وہ عورت پیچھے ہٹنے لگی اور ہٹتے ہٹتے بہت
ہی پیچھے ہو گئی۔ فاروق نے گھوڑے کو پھر سے
دوڑا دیا اور گھوڑا اپنی مخصوص رفتار میں بھاگنے لگا
فاروق نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بھیانک عورت ایک
درخت کے ساتھ الٹی لٹکی ہوئی تھی اس کے سر کے
بال زمین کو چھو رہے تھے چہرہ کالا سیاہ جلا ہوا تھا
آنکھیں سرخ انگارہ تھیں اس کے منہ سے قہقہے
جاری ہونے لگے اور یکدم ہی اس نے زمین پر
چھلانگ لگا دی۔ اور گھوڑے کے پیچھے بھاگنے لگی
فاروق نے ذرا بھی اس کی پرواہ نہ کی۔ اور ہاتھ
میں چاقو تھامے غصہ سے دیکھتا رہا یکدم ہی
وہ بھیانک عورت غائب ہو گئی لیکن اس کے
قدموں کی آہٹیں فاروق کو واضح سنائی دے رہی
تھیں درختوں کا سلسلہ ختم ہونے والا تھا اچانک

افسوس آج تم بچ گئے ہو اگر تم ذرا بھی مجھ
سے ڈر جاتے تو میں تمہیں مار ڈالتی فاروق کو اپنے
قریب سے آواز سنائی دی۔
افسوس آج تم میرے ہاتھوں سے بچ نکلی ہو
چلو کسی اور دن تمہارا حساب بھی پورا کر دوں گا
فاروق نے مسکراتے ہوئے کہا۔
اتنا کہہ کر فاروق نے اپنا گھوڑا ایک بار پھر
[illegible]ا دیا اور اس کے بعد جیسے ہی درختوں کا سلسلہ
ختم ہوا فاروق تو اس کے قدموں کی آوازیں بھی
بند ہو گئیں۔ وہ جس کام کے لیے گیا تھا وہ کام
اس نے کر لیا اور پھر واپسی پر وہ انہی راستوں
سے واپس آیا لیکن وہ عورت وہ کتا اس کو دوبارہ
دکھائی نہ دیئے۔
میں آج بھی سوچتی ہوں کہ ایسے کئی واقعات
نجانے کن کن لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہوں
گے کون ان سے ڈرتا ہے اور کون ان کو ڈراتا ہے
کوئی ہمت والا ہو تو پھر مات نہیں کھا سکتا اور اگر
کوئی کمزور دل والا ہو تو نجانے وہ انکے ہاتھوں
زندہ بھی بچ پاتا ہے کہ نہیں۔
قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی رائے
سے مجھے ضرور نوازیئے گا آج بہت ہی عرصہ بعد
دوبارہ آپ کی محفل میں شامل ہو رہی ہوں امید
ہے کہ مجھے پہلے کی طرح عزت ملے گی۔

تیری بہت مصروف زندگی ہے پھر بھی نجانے کیوں
مجھ سے رہا نہیں جاتا تجھے یاد کیے بنا
تم تم نشاد۔ کنیال فتح جنگ

اداس کر دیتی ہے ہر روز یہ شام مجھے
یوں لگتا ہے جیسے ہر کوئی بھول رہا ہے آہستہ آہستہ
[illegible] رہی ہے

سے مجبور ہوئے اپنی وفا کے ہاتھوں
ریزہ ریزہ بھی ہوئے اور بکھرے بھی نہیں
تم تم نشاد۔ کنیال فتح جنگ

اتنی امیدیں اب ہم کبھی کسی سے نہ رکھیں گے
دل کی گہرائی سے جسے بھی چاہو وہی مغرور ہو جاتا ہے
تم تم نشاد۔ کنیال فتح جنگ

آپ سے پیار ہوتا جاتا ہے
کام دشوار ہوتا جاتا ہے
کیا خبر ہوش ہے کہ مدہوش
کوئی آزار ہوتا جاتا ہے
عقل کی مستقل حفاظت سے
عشق بیمار ہوتا جاتا ہے
اب تو بلوایئے طبیبوں کو
دل کا آزار ہوتا جاتا ہے
کیا کریں موت کا علاج ثمران
زیست سے پیار ہوتا جاتا ہے

ثمران جاوید۔ گوجرانوالہ

ان ذرات ریت سے تیری تصویر بنا ڈالوں کہو نا
خود کو خود سے بھلا ڈالوں کہو نا
ہیں تصویریں بے جان رنگ بولتے ہیں
تصویروں کے چھپے بھید کھولتے ہیں
کاش کہ تصویر جاناں میرے پاس بھی ہو
خود کو تجھ میں چھپا لوں کہو نا
مصور تو تصویر بنا ہی لیتے ہیں
نہ بھولنے والے چہروں کو چھپا ہی لیتے ہیں
تصور تصور ہے مصور اس صنم
تم کو اپنا خدا بنا لوں کہو نا

ثمران جاوید۔ گوجرانوالہ

۔۔۔تحریر: کائنات عامر۔ڈسکہ۔سیالکوٹ۔

میں نے کھانا کھایا اور عارف کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔اور تقریباً دو گھنٹے کے بعد اس کے گھر تھا میں نے اس کو کہا کہ چلو میرے ساتھ وہ میرے ساتھ چل دیا۔میں اس کو لے کر اپنے گھر آ گیا وہ اندر جانے سے انکار کرنے لگا میں ڈر گیا کہیں یہ یہاں تک آنے کے بعد یہاں سے بھاگ نہ جائے میں نے اس کو کس کر پکڑ لیا۔اور اندر لے گیا اور لے جا کر ایک کمرے میں بند کر دیا ہو سکتا تھا کہ میں اسے معاف کر دیتا لیکن اگر معاف کر دیتا تو نتاشہ کا بدلہ پورا نہیں ہوتا اور نتاشہ بے گناہ لڑکیوں کو مارتی رہتی اور کبھی بھی اپنی ماں سے نہ مل سکتی اور پھر نتاشہ کو بتا دیا کہ میں عارف کو لے آیا ہوں یہ سنکر نتاشہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔اور وہ بچوں کی طرح اچھلنے لگی میں نے کہا۔مار دو اسے۔نتاشہ بولی مارنے کے لیے انتظار کرنا ہوگا۔میں نے کہا۔وہ کیوں۔کہنے لگی۔وہ اس لیے کہ میں رات کو بارہ بجے یہاں پر قید ہوئی تھی اور بارہ بجے ہی مر گئی تھی اس لیے عارف بھی بارہ بجے کے بعد مر سکتا ہے میری طاقت بارہ بجے کے بعد زیادہ ہوتی ہے رات کو گیارہ بجے اٹھا اور جلدی سے باہر گیا نتاشہ نے کہا۔میں عارف کو لے آؤں اور میں عارف کو لے آیا عارف نتاشہ کو دیکھ کر بہت ڈر گیا اور بھاگنے کی کوشش کی لیکن نتاشہ نے اسے ہلنے بھی نہ دیا۔پھر نتاشہ نے عارف کو بہت ہی بری موت مار دیا۔لیکن بہت ہی زیادہ تڑپا تڑپا کر مارا تھا میں پاس ہی کھڑا تھا۔لیکن مجھے ذرا بھی ترس نہ آیا تھا نتاشہ نے اس سے اپنی موت کا بدلہ لے لیا تھا اور اس کے دل کو سکون مل گیا تھا میں بھی یہی چاہتا تھا کہ اس کی روح کو سکون مل جائے۔ایک سنسنی خیز اور ڈراونی کہانی۔

ایک تو یہ رونے کی آواز جو ہمیں روز تنگ کرتی ہے سونے نہیں دیتی رات کو بارہ بجے وہ بھی فروری میں اتنی سخت سردی میں کون روتا ہے ایک اس لڑکی نے سونا بھی دوبھر کر دیا ہے ایک ہمارا کام اتنا سخت ہے تھک کر گھر آ کر آرام کرنا ہوتا ہے اور یہ رونا شروع ہو جاتی ہے۔

دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔امی امی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔

یہ کون ہے کہاں سے آئی ہے اور کیوں روزانہ روتی ہے۔۔امی وہ پھر سے مجھے وہی سایہ آیا ہے اتنے میں میں اور اسد کمرے سے باہر نکل آئے اور رامین ابھی تک روئے جا رہی تھی میں غصہ میں بولا۔

خاموش ہو جاؤ۔پلیز خدا کا واسطہ ہے میں اس جگہ سے بہت تنگ آ چکا ہوں اور تم اوپر سے روئے ہی جا رہی ہو۔

امی نے مجھے خاموش رہنے کو کہا اور کہا میں اپنے کمرے میں جاؤں اور پھر میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔

کچھ دنوں تک ابو نے آ جانا تھا ابو بزنس کے سلسلہ میں امریکہ گئے ہوئے تھے اور پھر آج سے رامین امی کے ساتھ سو رہی تھی جب میں اپنے

کمرے میں آیا تو ایسا لگا جیسے کمرے میں مجھے پائل کی آواز سنائی دی ہو۔

میں نے جلدی سے دیکھا تو کچھ بھی نہیں تھا میں نے اپنا وہم سمجھ کر دروازہ بند کیا اور پھر اپنے بستر پر لیٹ گیا اور جلد ہی پھر نیند آ گئی۔

رات دو بجے تو مجھے پھر سے رونے کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز ہمیں پچھلے دو مہینوں سے آ رہی تھی ہم ایک گاؤں میں رہتے ہیں اور ہمارا بزنس شہر میں تھا اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہم شہر میں شفٹ ہو جائیں گے کافی دیر شہر میں گھر ڈھونڈا مگر نہ ملا پھر یہ ایک حویلی نما گھر ملا اس کے دام بھی زیادہ مہنگے نہ تھے اور ہمیں جلدی تھی کہتے ہیں نہ کہ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے سو ہم نے گھر خرید لیا ہم اس گھر میں تین ماہ سے رہ رہے تھے پہلے پندرہ دن کوئی بھی واقعہ نہ ہوا تھا۔ لیکن اب ہر روز کوئی نہ کوئی واقعہ ہو رہا تھا جس کی وجہ سے ہر کوئی پریشان تھا۔ کبھی چابی گم ہو جاتی اور کبھی آفس کے لیے بلیک شرٹ نکالتا ہوں تو بلیک کی جگہ ریڈ ہوتی ہے اور پھر میں آفس سے لیٹ ہو جاتا ہوں اور جب رامین کے کالج کا ٹائم ہوتا ہے تو کوئی نہ کوئی کتاب ادھر ادھر ہو جاتی ہے اور وہ بھی لیٹ ہو جاتی ہے۔

پتہ نہیں یہ کون ہے اور کیا چاہتی ہے اور ہمیں کیوں تنگ کرتی ہے میں ان سب چیزوں کو مانتا تو نہیں لیکن ماننا پڑ رہا ہے کیونکہ جو کچھ ہو رہا تھا وہ سب میرے سامنے تھا اکثر رات کو لان میں کوئی لڑکی دکھائی دیتی ہے لیکن اس کا چہرہ نہیں دکھائی دیتا اس سے ڈر سا محسوس ہوتا ہے۔

آج ہمارے کزن کی بارات تھی ہم تیاریاں کر رہے تھے کہ اچانک کسی کے گرنے کی آواز سنائی دی میں دیکھنے کے لیے گیا تو سب ٹھیک تھا کسی کو بھی کچھ نہ ہوا تھا جب میں واپس اپنے کمرے میں آیا تو میرا کوٹ جگہ جگہ سے کٹا ہوا تھا اس کے اتنے زیادہ ٹکرے ہوئے تھے کہ کوئی گن بھی نہ سکتا تھا۔ میں غصہ میں آ گیا اور امی کو آواز دی۔

امی امی جلدی آئیں یہ دیکھیں کیا ہوا ہے

امی دیکھ کر حیران ہو گئیں اور کچھ ہی وقت میں ہمیں ہال پہنچنا تھا اور میں اپنا پرانا کوٹ پہن کر گیا کیونکہ سردی بہت زیادہ تھی کوٹ کے بغیر مر جاتا ویسے داد دینی چاہیے لڑکیوں کو جو اتنی سردی میں بھی ہاف بازو والے کپڑے پہن لیتی ہیں اب واپس آئے تو ہم سب کے اوسان خطا ہو گئے ہمارے گھر کی ہر چیز ہوا میں لہرا رہی تھی اور دیوار پر بہت سارا خون تھا ہماری تصویروں پر خون لگا ہوا تھا اور وہ اچانک گر کر ٹوٹ گئی ہم سب بہت ڈر گئے تھے جیسے ہمارے پیروں سے تلے زمین نکل گئی ہو۔

جب تصویریں گریں تو رامین بے ہوش ہو گئی اور ہم جلدی سے اسے قریبی ہاسپٹل لے گئے جب ہم گھر واپس آئے تو رامین بچوں کی طرح ضد کر رہی تھی بار بار ایک ہی لفظ کہہ رہی تھی۔ مجھے اس گھر میں نہیں جانا بھائی آپ ہی کچھ کریں مجھے اس گھر میں نہیں جانا۔

میں نے رامین کو سمجھایا کہا۔۔ ہمارا گھر اب یہی ہے۔ اور ہم کہاں جائیں گے سمجھنے کی کوشش کرو میری بہن۔

پھر رامین چپ ہو گئی اور ہم گھر آ گئے تو ایک بار پھر سے ہمیں جھٹکا سا لگا کیونکہ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی نہ کرسیاں ہوا میں تھیں اور نہ دیواروں پر خون اور تو اور ہماری تصویریں بھی بالکل ٹھیک تھیں گھر کا سارا سامان اپنی جگہ پر تھا پھر ہم اندر چلے گئے جب ہم اندر گئے تو ایک عجیب سی گرمی محسوس ہوئی تھی تھوڑی دیر ہم ہال میں ہی سب اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے پھر امی نے ہمت کر کے کہا۔

اب ہمیں اپنے اپنے کمرے میں جا کر سونا چاہیے رات کافی ہو گئی ہے۔

ہم بھی ڈر رہے تھے پھر ہم نے بھی ہمت کی اور اپنے کمرے میں چلے گئے میں اپنے کمرے میں آ کر فریش ہو کر بستر پر لیٹنے ہی لگا تھا کہ مجھے محسوس ہوا کہ پائل کی آواز ہے اور ساتھ ہی ایک دم بہت زیادہ گرمی لگنے لگی اتنی زیادہ گرمی لگنے لگی کہ میرا دل گھبرانے لگا میں جلدی سے اٹھا اور میں اے سی لگانے پر مجبور ہو گیا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ایک دم سے بہت سردی لگنے لگی اور میں اے سی بند کر کے باہر آ گیا۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا میں یہی سوچے جا رہا تھا کیا ہمارے گھر میں کوئی روح ہے کوئی جن بھوت ہے کوئی چڑیل ہے کیا ہے ہمارے گھر میں جو ہمیں مسلسل پریشان کیے جا رہا ہے۔ میں ابھی انہی سوچوں میں گم تھا کہ مجھے ایک دم بہت زیادہ کسی کے رونے کی آواز سنائی دی یہ آواز پرچھائی والی لڑکی کی نہ تھی کسی اور کی تھی۔ میں آواز کی طرف ہی کھنچتا چلا گیا پھر میں لان میں چلا گیا اور جا کر دیکھا تو حیرت سے میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا کیونکہ میرے سامنے ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی اس کے بال بہت لمبے تھے سیاہ بال اور اندر اندر سے اس کے بال سرخ بھی تھے اور اس کی آنکھیں بلی کی طرح چمک رہی تھیں۔ اور گال ٹماٹر کی طرح لال تھے اور ہونٹ گلاب کی پتیوں جیسے تھے میں پاگلوں کی طرح اسے دیکھتے ہی جا رہا تھا۔ اور دنیا جہاں سے بے خبر بس روئے ہی جا رہی تھی میں نے ہمت کر کے اس سے پوچھا۔

کون ہو تم اور کیوں رو رہی ہو۔ اور اتنی رات کو ہمارے گھر کیسے آئی ہو لیکن اگر گھر آئی تو آئی کیسے باہر ہمارا گارڈ بیٹھا ہوا ہے۔

میں اس سے سوال پر سوال کیے جا رہا تھا لیکن وہ کوئی جواب نہ دے رہی تھی میری باتیں سن رہی تھی شاید وہ یہ سوچ رہی تھی میں خاموش ہو جاؤں تو پھر کچھ بولے پھر میں اس کے اور قریب گیا تو وہ بہت زیادہ سردی محسوس کر رہی تھی میں نے ایک مرتبہ پھر کہا۔

اے لڑکی میں تجھ سے کچھ پوچھ رہا ہوں

پھر اس نے ایک گہری نظر میرے چہرے پر ڈالی اپنے آنسو صاف کیے اور کہنے لگی۔ میرا نام نتاشہ ہے مجھے میرے ابا اور میرے کزن عارف نے قید کیا ہوا تھا اور مجھے بہت مارتے تھے میں ان کی ایک ہی بیٹی تھی پھر بھی کبھی انہوں نے مجھ سے پیار نہیں کیا انہیں بیٹا چاہیے تھا اور میں بیٹی ہو گئی اور وہ مجھے اس قید خانہ میں بہت مارتے تھے آج میں وہاں سے بچ کر بھاگ نکلی ہوں مجھے اپنی ماں سے ملنا ہے لیکن مجھے معلوم نہیں ہے وہ کہاں رہتی ہے میں نے آٹھ سال سے اپنی ماں کو نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی ابا نے ملوایا ہے صرف آج رات یہاں رہنے دیں صبح ہوتے ہی میں چلی جاؤں گی پلیز رہنے دیں۔

میں نے کہا۔ تم یہاں جتنی دیر رہنا چاہتی ہو رہ سکتی ہو اور صرف اس وجہ سے تمہیں قید کیا تھا تم ایک لڑکی ہو۔

نہیں نہیں وجہ ایک اور بھی ہے

میں نے پوچھا۔کیا بیماری ہو۔

وہ بولی۔ جب میں سولہ سال کی ہوئی تھی ابو نے مجھے کہا کہ تم اس سال کے امتحانات نہیں دے سکتی ان دنوں میں تمہاری شادی کرنی ہے عارف سے عارف میرے بڑے ابو کا بیٹا تھا وہ ایک برا انسان تھا اس میں کوئی اچھائی نہیں تھی لیکن میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی میں نے صاف انکار کردیا۔ اس بات پر ابو بھڑک اٹھے۔ اور زبردستی شادی کروانی چاہی لیکن میں نے شادی نہیں کی اور پھر ابو کے ساتھ عارف نے مل کر مجھے قید کردیا مجھے زنجیروں سے باندھ کر رکھا تھا اور تین دن بعد کھانا دیتے تھے جلی ہوئی روٹی اور پیاز کے ساتھ میں نے ابو سے کہا۔

مجھے اس قید سے باہر نکالو عارف سے شادی کرنا منظور ہے میں شادی کروں گی۔

نہیں ہوگی تمہاری شادی اب کسی سے بھی نہیں ہوسکتی کیا تم پہلے کی طرح گھر آئے مہمانوں کو پھر سے واپس بھیجنا چاہتی ہو۔نہیں اب تم یہاں میرے اور عارف کے ہاتھوں ہی مروگی تین دن میں ایک مرتبہ ہاتھ کھولتے تھے اور پھر ایسے تڑپتے تڑپتے مجھے آٹھ سال ہوگئے میں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن سب ناکام رہا۔ یہاں رک کر اس نے ایک گہری سانس لی میری پوری توجہ اس کی کہانی کی طرف تھی۔وہ پھر سے بولی۔

میں نے کل ابا کے آنے سے پہلے ہی ایک سریا اپنے پاس رکھ لیا تھا جب ابا نے کھولا تو میں نے کھانا کھا کر جلدی سے عارف کے اور ابا کے سر پر یہ سریا مار دیا اور وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوگئی مجھ میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی تھی یہ میں خود بھی نہیں جانتی ہوں لیکن اتنا جانتی ہوں کہ میں نے سریا مار کر [illegible]

اور اب میں کل سے بھاگ رہی ہوں اور عارف مجھے ڈھونڈ رہا ہے میں نے دو گھنٹے پہلے اسے دیکھا تھا اس لیے سمجھ نہ آئی اور آپ کے گھر آگئی میں کل سے آزاد ہوئی ہوں لیکن ماں نہیں ملی۔

اتنا کہتے ہی نتاشہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی میں نے سر جھکا لیا میرے بھی آنسو نکلنے لگے پھر میں نے آنسو صاف کئے اور نتاشہ کو دلاسہ دیا اور اندر لے گیا میں نے اس سے کہا۔

" آؤ تمہیں اپنی بہن سے ملواتا ہوں۔

وہ میرے ساتھ اندر کی جانب چل دی جب میں اندر گیا تو ٹائم صبح کے چار بج رہے تھے میں نے نتاشہ سے کہا۔

سوری وہ سو رہی ہوگی تم ایسا کرو وہ والے کمرے میں جاؤ میں تمہیں کپڑے دیتا ہوں تم پہن لینا کیونکہ جو کپڑے نتاشہ نے پہنے ہوئے تھے وہ بہت ہی گندے تھے اور پھٹے بھی ہوئے تھے وہ بولی۔

جی ٹھیک ہے۔

میں کپڑے لینے کے لیے چلا گیا جب میں واپس آیا تو وہ اپنی ہی جگہ پر کھڑی تھی میں نے اسے کپڑے دے کر کہا۔

اب تم سو جانا صبح ملتے ہیں۔

نتاشہ نے کہا۔ٹھیک ہے بہت بہت شکریہ آپ کا لیکن آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔

اوسوری ایم رئیلی سوری میں بھی تمہاری اور اپنی باتوں میں مگن ہوگیا تھا اس لیے اپنا نام بتانا بھی بھول گیا ویسے میرا نام نمیر ہے گھر والے پیار سے نومی کہتے ہیں۔

[illegible] مجھ سے سوال کردیا۔میں نے کہا۔

میں بزنس مین ہوں اس گھر میں ہم پانچ لوگ رہتے ہیں امی ابو اور میری بہن رامین اور اسد بھائی رہتا ہے میں بڑا ہوں میرا بھائی اسد ڈاکٹر بن رہا ہے اور بہن چھوٹی ہے وہ وکیل بن رہی ہے اور میرے پاپا بزنس کے سلسلہ میں امریکہ گئے ہوئے ہیں ایک ہفتہ ہوگیا ہے اور آنے میں ابھی ایک مہینہ پڑا ہے اور ماما ہاؤس وائف ہیں صبح سب سے ملواؤں گا۔اب میں چلتا ہوں۔

ٹھیک ہے آپ جائیں اور ایک بار پھر سے شکریہ آپ امیر ہونے کے باوجود بھلے انسان ہیں اور غرور ذرا بھی نہیں ہے ویسے آپکا نام بہت اچھا ہے یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

میں نے کہا ایسی بات نہیں ہے غرور مجھ میں ہے اور پھر ہم دونوں ہنس دیئے۔

میں نے کہا۔

آج پہلی بار کسی سے اتنی زیادہ باتیں ہوئی ہیں چلو اب میں چلتا ہوں نہیں تو ہم صبح تک باتیں ہی کرتے رہیں گے۔

میں نے نتاشہ کے کمرے کا دروازہ بند کیا اور اپنے کمرے میں چلا گیا آج کتنے دنوں بعد سکون کی سانس لی تھی ویسے اگر سچ بولوں تو مجھے وہ لڑکی بہت ہی پسند آئی تھی بہت ہی سادہ سوچ کی مالک تھی سادگی اس کے چہرے پے حسن کو نکھار رہی تھی میں نے جب سے اس کی کہانی سنی تھی بس اس کے بارے میں سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا تھا یہ میں خود بھی نہیں جانتا تھا۔اور پھر خود سے باتیں کرتے کرتے صبح کے ساڑھے پانچ بج گئے تھے پھر نجانے کون سا پہر تھا میری آنکھ لگ گئی اور میں گہری نیند سو گیا میں صبح رامین کے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سن کر اٹھا اور جب ٹائم دیکھا تو دن کے گیارہ بج رہے تھے او شٹ میں زیر لب بڑبڑایا اور پھر جلدی سے دروازہ کھولا اور رامین نے کہا،

بھائی وہ لڑکی کون ہے اس نے میرے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور میرے سامنے والے کمرے میں ہے۔

میں نے کہا تم چلو ناشتے کی ٹیبل پر سب کچھ بتاتا ہوں۔

پھر رامین چلی گئی اور میں بھی فریش ہوکر پرفیوم لگا کر باہر آیا تو سب باہر میرا انتظار کر رہے تھے میں نے کھڑے کھڑے ہی نتاشہ کو سب سے ملوایا اور میں بیٹھنے ہی والا تھا کہ نتاشہ کو پتہ نہیں کیا ہوا وہ منہ بنا رہی تھی۔

میں نے پوچھا نتاشہ کیا ہوا۔

نتاشہ نے کہا۔آپ نے پرفیوم بہت لگایا ہے مجھے سر بھاری لگ رہا ہے۔

میں نے کہا تمہیں پرفیوم سے الرجی ہے

وہ بولی نہیں کافی عرصے سے قید کانہ میں تھی تو اس لیے اب برداشت نہیں ہو رہا ہے۔

میں نے کہا۔سوری اور پھر میں شرٹ چینج کی اور ساری سٹوری اپنے گھر والوں کو بتادی کہ نتاشہ کے ساتھ کیا ہوا ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ آٹھ سال سے قید تھی سب سن کر دکھی ہوگئے۔

امی نے کہا دیکھو ہاتھ بازو کتنے زخمی ہیں اور اس کے حلقے کتنے گہرے ہیں امی نے نتاشہ کو اپنے ساتھ اس گھر میں رکھنے کا فیصلہ کرلیا امی نے کہا پہلے میری ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے اب دو بیٹیاں ہیں اور دو بیٹے ہیں۔

ایسے ہی ہنستے مسکراتے دو دن گزر گئے اور نتاشہ ہمارے ساتھ دو دن میں ہی گھل مل گئی اور گھر کے کاموں میں امی کا ہاتھ بھی بٹاتی تھی امی نے کہا تھا۔

تم پڑھ لو کیونکہ تم پڑھنا چاہتی تھی۔

لیکن نتاشہ نے منع کر دیا اور کہا۔ اگر عارف نے یا ابو نے دیکھ لیا تو مجھے پتہ ہے کہ وہ مجھے ایسی موت دیں گے کہ میں نے کبھی سوچا بھی نہ ہو گا۔ اس لیے میں گھر سے باہر نہیں جانا چاہتی ہوں۔

امی نے کہا اب تم ہماری بیٹی ہو ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا لیکن نتاشہ نہیں مانی۔ ان دو تین دنوں میں کچھ بھی واقعہ نہیں ہوا تھا لیکن مجھے اپنے پاس کسی کے ہونے کا احساس ضرور ہوتا تھا۔

آج رامین کی سالگرہ تھی اور ہم تیاری کر رہے تھے بہت مزہ آ رہا تھا پھر جب بارہ بجے تو ہم نے رامین کے کمرے میں جا کر سوئی ہوئی کو اٹھایا اور وش کیا رامین بہت زیادہ خوش ہوئی اور جب وہ کیک کاٹنے لگی تو مطلب ابھی اس نے کیک کاٹا ہی تھا کہ کیک میں سے خون نکلنے لگا خون اتنا زیادہ تھا کہ جیسے کسی نے دو بڑے ٹب گرا دیئے ہوں ہم تو خوف کے مارے کچھ کہہ ہی نہ سکے جب دوسری طرف دیکھا تو گلاس میں کیڑے بچھو تھے ہم جو اتنے خوش تھے ایک منٹ میں مرجھا گئے کہ یہ یکدم کیا ہو گیا ہے۔

جب میری نظر نتاشہ پر پڑی تو وہ خود میں مسکرا رہی تھی یہ دیکھ کر میں غصہ میں آ گیا کیونکہ میں نے نتاشہ کو اپنی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اتنے میں نتاشہ رامین کی طرف بڑھی اور میں حیرانگی کے عالم میں رامین کو دلاسہ دے رہا تھا اور رامین کہہ رہی تھی۔

بھائی یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں ہو رہا ہے میرا کیا قصور ہے۔

اسد نے کہا، صبح میں ضرور کچھ کروں گا کسی بابا کو لے کر آؤں گا۔

یہ سن کر نتاشہ ڈر گئی اور بولی۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے کہ بابا کو بلایا جائے کیک خراب ہو گیا ہے اس لیے یہ سب ہوا ہے۔

میں غصہ میں بولا۔ کیک میں سے کبھی خون نہیں نکل سکتا ہے گلاس میں یہ بچھو اور کیڑے کہاں سے آ گئے ہیں ضرور کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے اور میں پتہ چلا کر رہوں گا کہ یہ سب کون کر رہا ہے۔ میں نتاشہ کے ساتھ بہت غصہ سے بولا تھا کہ امی نے مجھے ڈانٹا اور کہا۔

تم جاؤ یہاں سے۔

میرے جانے سے پہلے نتاشہ روتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اسد نے کہا بھائی یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا امی نے کہا جاؤ اور جا کر نتاشہ سے معافی مانگو میں نتاشہ کے کمرے جانے کی بجائے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ پھر رات کے دو بج گئے لیکن مجھے نیند نہیں آ رہی تھی میں نے سوچا ہو سکتا ہے یہ میری غلط فہمی ہو مجھے نتاشہ سے معافی مانگ لینی چاہیے میں نتاشہ کے کمرے کے باہر تھا کہ میں نے سوچا اتنی رات کو کسی کو تنگ کرنا ٹھیک نہیں ہے جیسے ہی میں مڑا تو مجھے اندر سے کسی کی باتوں کی آواز سنائی دی جو آواز سنائی دے رہی تھی میں نے غور سے سنا تو نتاشہ کی آواز تھی وہ ہنس ہنس کر کہہ رہی تھی۔

میں اس کو بھی نہیں چھوڑوں گی جو میرے ساتھ ہوا وہ ہی ہر لڑکی کے ساتھ ہو گا کسی کو نہیں

چھوڑوں گی ہر ایک کو ماردوں گی ہاہاہا۔ ہاہاہا۔

یہ سن کر میں غصہ میں آ گیا دل چاہا کہ ابھی کہ اس کا قصہ تمام کر دوں لیکن میں خاموش رہا گھر میں جو کچھ ہو رہا تھا اس کا تو مجھے پتہ چل گیا تھا کہ وہ سایہ وہ روح یہ نتاشہ ہی تھی جو ہمارے گھر کے سکون کو تباہ کئے ہوئے تھی لیکن میں نے کچھ بھی نہ کہا۔ اور اپنے کمرے میں آ گیا اور صبح جب ہوئی تو میں نے اسد سے کہا۔

تم نے کسی بابا کی بات کی تھی جانتے ہو۔

اسد نے کہا ہاں جانتا ہوں میرے دوست ندیم کے اور اس کے گھر والوں کے پیر ہیں میں ان سے دو تین مرتبہ ملا ہوں میں ان کو آج گھر لے کر آؤں گا۔

میں نے کہا۔ ٹھیک ہے ضرور جانا اور جب بابا جی آ جائیں تو مجھے بھی گھر بلا لینا میں ان کو بہت کچھ بتانا چاہتا ہوں۔

جی اچھا بھائی جان۔ اسد نے کہا۔ اور میں اپنے آفس چلا گیا۔

پھر ایک بجے فون گھر سے آیا کہ گھر بابا جی آ گئے ہیں آپ بھی آ جائیں میں نے اپنی گاڑی پکڑی اور جلد ہی میں گھر آ گیا گھر آنے میں مجھے آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ بابا نے گھر آتے ہی گھر کا جائزہ لیا تھا۔

میں نے سب کچھ بابا جی کو سب کچھ بتایا اور جو رامین کے ساتھ ہوا تھا وہ بھی بتایا نتاشہ مجھے اتنے غصہ سے دیکھ رہی تھی جیسے ابھی کچا چبا جائے گی لیکن میں نے نتاشہ کی طرف اتنی توجہ نہ دی اور پھر میں نے بابا جی سے کہا۔ مجھے کبھی سردی اور کبھی گرمی محسوس ہوتی ہے۔

بابا جی نے کہا۔ اس گھر میں ایک بدروح ہے وہ لوگوں کو مار کر اپنا بدلہ پورا کر رہی ہے یقین جتنی دیر تک اسے عارف نہیں مل جاتا وہ اسے مار کر اپنا بدلہ پورا نہیں کر لیتی وہ بے گناہ لوگوں کو مارتی رہے گی۔ اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتا ہوں آج رات کو ایک چلہ کاٹوں گا تو پھر ہی معلوم ہو گا۔

پھر بابا جی چلے گئے اور آج کی رات میں نے ماما اور اسد کے کمرے کا دروازہ باہر سے لاک کر دیا تھا رامین ماما کے ساتھ ہی تھی پھر جب رات کے بارہ بجے تو نتاشہ کے کمرے سے آوازیں آنے لگیں اور وہ آہستہ آہستہ سے زور زور سے رونے لگی کسی سے معافی مانگ رہی تھی اور کہہ رہی تھی میں ان کو تنگ نہیں کروں گی میں بہت تکلیف میں سے گزری ہوں اب تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔

پھر نتاشہ کی آواز آنا بند ہو گئی میں نے تھوڑی دیر بعد نتاشہ کے کمرے کا دروازہ کھولا تو نتاشہ بے ہوش تھی میں نے اسے اس کے بستر پر لٹا دیا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا اور جب صبح ہوئی تو نتاشہ باہر بیٹھی ہوئی تھی صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ بہت روئی ہے ماما نے پوچھا تو بولی۔

وہ رات کو امی کی بہت یاد آ رہی تھی تو اس لیے آنسو کنٹرول نہ کر سکی اور رونے لگی مجھ سے نتاشہ کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور میں ناشتہ کیے بغیر ہی آفس چلا گیا۔ اور آفس میں ہی بابا کا بلاوا آ گیا اور میں تین بجے بابا جی کے پاس پہنچ گیا اور پھر بابا جی نے مجھے سب کچھ بتایا کہ۔

نتاشہ کو لگتا ہے وہ بے گناہ مری تھی تو وہ بھی بے گناہ لوگوں کو مار کر اپنا بدلہ لے رہی ہے اسے

انصاف مل رہا ہے اس نے بہت سی لڑکیوں کو مارا ہے صرف لڑکیوں کو ہی مارا ہے اور مار بھی رہی ہے وہ رامین کی آزادی سے جل رہی ہے وہ اسے بھی مارنا چاہتی ہے اس بار وہ تمہیں بھی ساتھ لے جانا چاہتی ہے لیکن میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔ میں اسے قید کرلوں گا۔

میں نے کہا۔ نہیں بابا جی وہ پہلے ہی کافی سالوں سے قید ہے اب آپ بھی اسے قید نہ کریں اسے آزاد کردیں۔

بابا جی نے کہا۔ تمہیں عارف کو ڈھونڈنا ہوگا وہ عارف کو جس ٹائم مارے گی اسی ٹائم اس کا بدلہ پورا ہوجائے گا۔ وہ اسی گھر میں جس کمرے میں تمہاری بہن ہے اسی کمرے میں مری تھی اور وہاں ہی قید تھی۔

میں نے پوچھا لیکن وہ مر کیسے گئی۔

وہ بولے وہ وہاں سے بھاگ نکلی تھی بابا جی نے جو کچھ تم لوگوں کو بتایا تھا وہ سچ تھا اس نے ایک بات جھوٹ بولی تھی وہ وہاں سے جس دن بھاگنے لگی تھی اسی دن اس کے ابا نے اسے مار مار کر مار دیا تھا اور وہ تڑپ تڑپ کر مرگئی تھی جب اس کے ابا اسے دفنانے لگے تو اس نے اسی وقت اپنے ابا کو ماردیا لیکن وہ عارف وہاں سے بھاگ گیا اور وہاں سے باہر نہیں نکل سکی۔

میں نے کہا۔ لیکن وہ تو پورے گھر میں گھومتی پھرتی ہے۔

بابا جی نے کہا۔ وہ گیٹ سے باہر نہیں نکل سکتی اگر نکل سکتی تو کب کا عارف کو مار چکی ہوتی۔ پھر اس کے بعد جو بھی گھر میں آیا وہ لڑکی زندہ نہیں رہی تمہارے پاس ایک ہفتہ ہے ہفتے کے بعد وہ تمہاری بہن کو بھی ماردے گی۔

بابا جی نے چار تعویذ دیئے اور کہا یہ پہن لو اور گھر والوں بھی پہنادو پھر نتاشہ تم لوگوں کو ہاتھ بھی نہ لگا سکے گی واقعی ایسا ہی ہوا تھا نتاشہ ہمیں ہاتھ نہیں لگا سکی آج رات کو بارہ بجے کے بعد تم نے نتاشہ سے عارف کے رہنے کا ٹھکانہ پوچھنا ہوگا۔ اور وہ صرف تمہیں ہی بتائے گی۔

پھر جب رات کے گیارہ بجے تو نتاشہ بری طرح تڑپنے لگی نتاشہ کے رونے کی آوازیں بہت بلند تھیں وہ بہت زیادہ تڑپ رہی تھی مجھ سے دیکھا نہ گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے نتاشہ کا چہرہ بدلنے لگا اس کے چہرے پر زخموں کے بہت سارے نشان تھے اور ان سے خون بھی بہہ رہا تھا نتاشہ کے اس بھیانک روپ میں صرف میں نے ہی دیکھا تھا کیونکہ ان کے کمروں کے دروازے میں نے باہر سے بند کردیئے تھے تاکہ وہ باہر نہ آسکیں اور مجھے خود پر یقین نہیں آرہا تھا۔ میں نے کسی لڑکی سے پیار کیا ہے جو بے گناہ لوگوں کو مارتی ہے اور تو اور وہ انسان بھی نہیں ہے ایسے ہی باتیں سوچتے ہوئے رات کے تین بج گئے اور نتاشہ پر سناٹا چھانا شروع ہوگیا۔

میں نے کہا۔ کیا تم مجھے بتاسکتی ہو کہ عارف کہاں ہے۔ کہاں رہتا تھا۔

نتاشہ خاموش رہی۔ میں نے کہا میں تمہیں اس درد سے رہائی دلانا چاہتا ہوں اس لیے اس کا پوچھ رہا ہوں۔

لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں میں تمہاری کہانی جان چکا ہوں تم کو عارف کی تلاش ہے اور تمہاری مجبوری یہ ہے کہ تم اس گھر سے باہر

نہیں جاسکتی ہو۔

کیا تم واقعی میری مدد کرنا چاہتے ہو۔

ہاں واقعی تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں بس مجھے بتاؤ کہ عارف کا گھر کہاں ہے۔

نتاشہ بولی۔ ہاں میں جانتی ہوں عارف کا گھر میرے ساتھ والا گھر تھا میرا گھر رام پور میں ہے گلی نمبر دو میں ہے تم میرے ابا کا نام لے کر پوچھ لینا اور عارف کو یہاں لے آؤ میں اب تڑپنا نہیں چاہتی ہوں بہت تڑپی ہوں مرنے سے پہلے آٹھ سال اور مرنے کے بعد چار سال سے تڑپ رہی ہوں نتاشہ نے مجھ سے جتنی بھی باتیں کی تھیں وہ سب باتیں تڑپتے ہوئے ہوئی تھیں۔ میں نے رامین کو چھوڑنے کی بات کی۔

اگر تم میری بہن کو چھوڑ دو گی تو میں کل ہی عارف کو لے کر آؤں گا میں نے کہا کیوں تم میری بہن کو مارنا چاہتی ہو۔

نتاشہ نے کہا میں نے لڑکیوں کو مارنے کی ٹھان لی ہے اور ماروں گی بھی پڑھائی سے آزادی سے پیار سے محروم رہی اس طرح ہر لڑکی کے ساتھ ہوگا۔

میں نے کہا۔ جو تمہارے ساتھ ہوا ہے وہ ناانصافی ہے مانتا ہوں میں لیکن تمہیں سمجھنا چاہیے کہ جو تمہارے ساتھ ہوا ہے وہ اور کسی کے ساتھ بھی نہ ہو یہ سن کر نتاشہ خاموش ہوگئی۔

پھر پتہ نہیں اچانک کیا ہوا نتاشہ زور سے چیخی اور میرے اوپر گرنے لگی تھی لیکن میں سائیڈ پر ہوگیا تھا اور وہ زمین پر گرگئی میں نے نتاشہ کو پکڑنا چاہا لیکن جیسے ہی میں اسے ہاتھ لگانے لگا وہ دور جا گری میں سمجھ گیا تھا پھر نے اپنا تعویذ اتار دیا اور اسے پکڑا سیدھا کیا اور پھر اسے اس کے کمرے میں لٹا کر باہر لاؤنج میں آگیا پھر میں نے تھوڑی دیر بعد سب کے کمروں کے دروازے کھول دیئے اور کہا کہ کوئی بھی غلطی سے تعویذ نہ اتارے کیونکہ میں نے نتاشہ کے بارے میں کسی کو بھی نہ بتایا تھا پھر تھوڑی دیر کے بعد میں عارف کی تلاش میں نکل گیا اور وہاں پہنچنے میں زیادہ مشکل پیش نہ آئی بھی آسانی سے ہی انکے گھر کا پتہ مل گیا تھا لیکن وہاں جا کر پوچھا۔

لوگوں نے کہا۔ نتاشہ تو گھر سے بھاگ گئی تھی اور اس کے ابا نے بھی گھر آنا بند کردیا تھا بھی کبھی آتا تھا اور اس کی ماں گھر میں بھوک کاٹتی تھی کبھی کوئی کھانے کو دیتا تھا اور کبھی کوئی پھر وہ بھی زندہ نہ بچ سکی وہ بھی مرگئی۔ لیکن میں سچ جانتا تھا نتاشہ کے ساتھ کیا ہوا ہے پھر میں عارف کے گھر گیا لیکن عارف یہ گھر چھوڑ کر کہیں اور رہتا تھا۔ اور گھر والوں کو اس کے ٹھکانے کا پتہ نہیں تھا اس کے گھر والوں نے کہا۔

اس کا دوست چائے کی دکان پر ہوگا اور اسے عارف کا ٹھکانہ کا پتہ ہے لیکن وہ بتاتا نہیں ہے پھر میں اس چائے کی دکان پر گیا تو اس سے میں نے پوچھا۔

عارف کا دوست کون ہے۔

ایک لڑکا قریب آیا اور بولا۔ تم سے مطلب

میں نے کہا۔ مطلب ہی تو ہے تبھی تو تم سے پوچھا ہے چلو میرے ساتھ وہ میرے ساتھ دو قدم دور آیا تو میں نے اس سے عارف کا ٹھکانہ پوچھنا چاہا لیکن وہ تو بہت ہی ڈھیٹ تھا میں نے اسے پولیس کی دھمکی دی پہلے وہ ڈر گیا پھر بولا میں تمہیں بتادوں لیکن تم میرا نام مت لینا۔

میں نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ پھر وہ مجھے عارف

کے گھر چھوڑ آیا میں نے عارف کو غور سے دیکھا کہ یہ انسان ہے جس کی وجہ سے یہ سب کھیل چل رہا ہے اس کا زندہ رہنا ہزاروں اموات کو دعوت دینا ہے۔ مجھے اس پر غصہ آ رہا تھا لیکن میں نے برداشت سے کام لیا میں نے عارف کو نوکری کا جھانسہ دیتے ہوئے کہا۔

تم مجھے اچھے لگے ہو تم میں چاہتا ہوں کہ تم بیروزگار ہو اور میں تمہاری ہیلپ کر دوں تم کل ہی سے میری کمپنی میں جاب کر لو۔

وہ فوری مان گیا لیکن مشکل بہت ہوئی تھی پھر جب میں گھر رات کو لیٹ پہنچا تو تقریباً دو بج گئے تھے کیونکہ میں کافی دیر عارف کے ساتھ تھا آتے ہوئے بھی ٹائم لگ گیا تھا جب میں گھر پہنچا تو نتاشہ کل رات کی طرح تڑپ رہی تھی میں اس سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن وہ مان نہیں رہی تھی۔ پھر میں نے غصہ میں آ کر سے بتا دیا کہ اب اس کی ماں اس دنیا میں نہیں رہی ہے یہ سن کر نتاشہ پاگل ہوگئی اور رونے لگی جب میں نے نتاشہ کو دلاسہ دیا تو اس نے عارف کے بارے میں پوچھا۔ میں نے کہا۔

تم پہلے بتاؤ کہ مجھ سے پیار کرتی ہو نتاشہ خاموش رہی میں نے پھر سے کہا تو بولی۔

ہاں میں تم سے پیار کرتی ہوں لیکن پا نہیں سکتی ہوں۔

میں نے کہا۔ میں تمہارے ساتھ تمہاری دنیا میں چلوں گا لیکن تم میری بہن کو چھوڑ دو نتاشہ مان گئی اور کہا۔

یہ صرف تمہارے پیار کی وجہ سے لیکن تم بھی وعدہ کرو کہ تم عارف کو کیسے بھی کر کے یہاں لے کر آؤ گے۔ میں نے وعدہ کر لیا۔ پھر نتاشہ خود ہی کمرے میں چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں چلا آیا پھر جیسے ہی صبح ہوئی تو میں عارف کو لینے کے لیے نکلنے لگا تھا مگر نتاشہ نے روک لیا اور کہا میں کھانا کھا کر جاؤں کل بھی کچھ نہ کھایا تھا۔ پھر میں نے کھانا کھایا اور عارف کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور تقریباً دو گھنٹے کے بعد اس کے گھر تھا میں نے اس کو کہا۔

چلو میرے ساتھ وہ میرے ساتھ چل دیا۔ میں اس کو لے کر اپنے گھر آ گیا وہ میرے گھر کو دیکھتے ہی کانپ سا گیا شاید وہ اپنا ماضی بھولا تھا میں اس کے چہرے کی کیفیت کو دیکھ رہا تھا وہ پوری طرح ڈرا ہوا تھا۔

کیا ہوا عارف۔ اندر آؤ پھر چلتے ہیں آفس لیکن وہ اندر جانے سے انکار کرنے لگا میں ڈر گیا کہیں یہ یہاں تک آنے کے بعد یہاں سے بھاگ نہ جائے میں نے اس کو کس کر پکڑ لیا۔ اور اندر لے گیا اور لے جا کر ایک کمرے میں بند کر دیا ہو سکتا تھا کہ میں اسے معاف کر دیتا لیکن اگر معاف کر دیتا تو نتاشہ کا بدلہ پورا نہیں ہوتا اور نتاشہ بے گناہ لڑکیوں کو مارتی رہتی اور کبھی بھی اپنی ماں سے نہ مل سکتی اور پھر نتاشہ کو بتا دیا کہ میں عارف کو لے آیا ہوں یہ سنکر نتاشہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور وہ بچوں کی طرح اچھلنے لگی میں نے کہا۔

ماردو اسے۔

نتاشہ بولی مارنے کے لیے انتظار کرنا ہوگا۔

میں نے کہا۔ وہ کیوں۔

کہنے لگی۔ وہ اس لیے کہ میں رات کو بارہ بجے یہاں پر قید ہوئی تھی اور بارہ بجے ہی مر گئی تھی اس لیے عارف بھی بارہ بجے کے بعد مر سکتا ہے میری طاقت بارہ بجے کے بعد زیادہ ہوتی ہے

میں جانتا تھا کہ میں بھی بارہ بجے کے بعد چلا جاؤں گا اس لیے میں نے امی سے رامین سے اور ابو سے ساری باتیں کی ابونیت پر تھے اور ہم اکھٹے بیٹھے تھے پھر جب چار بجے تو اسد آ گیا پھر میں اور اسد باہر چلے گئے۔ اور اسد کے ساتھ باتیں کرنے لگا میں نے اسے سمجھایا کہا۔

وہ سب کا خیال رکھے۔

اس نے کہا آپ ہیں نا خیال رکھنے والے

میں نے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ کل میں نہ ہوں۔

اسد نے کہا۔ بھائی اللہ نہ کرے آپ بھی عجیب سی باتیں کرتے ہیں پھر کافی دیر کے بعد ہم گھر گئے گھر گئے تو نو بج گئے تھے۔

امی نے کہا۔ آؤ کھانا کھا لو کہاں تھے اتنی دیر تک اسد نے کہا۔ ہم گھومنے گئے تھے اور کھانا کھا کر آئے ہیں اور پھر میں نتاشہ کے کمرے میں چلا گیا اس سے کچھ باتیں کی باتوں میں نتاشہ نے کہا میری زندگی کتنی عجیب ہے مرنے سے پہلے قید تھی اور مرنے کے بعد بھی قید ہوں لیکن آج میں بارہ سال کے بعد آزاد ہو جاؤں گی اور ماں سے ملوں گی۔

میں نے کہا۔ اچھا بابا ماں سے مل لینا لیکن مجھے ساتھ لے جانا مت بھولنا۔ یہ کہہ کر ہم دونوں ہی مسکرانے لگے پھر میں اپنے کمرے میں آ کر رونے لگا کہ اب مجھے اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر جانا ہوگا۔ اور میں روتے روتے نجانے کب نیند کی وادی میں گم ہو گیا۔ رات کو گیارہ بجے اٹھا اور جلدی سے باہر گیا نتاشہ بھی اپنے کمرے میں تھی اور باقی سب سو گئے تھے میں نے ان کے کمروں کے دروازے بند کر دیے تھے اور نتاشہ کو باہر لے آیا۔ اور اپنا تعویذ اتار کر کچن میں رکھ دیا

پھر نتاشہ نے کہا۔

میں عارف کو لے آؤں اور میں عارف کو لے آیا عارف نتاشہ کو دیکھ کر بہت ڈر گیا اور بھاگنے کی کوشش کی لیکن نتاشہ نے اسے ہلنے بھی نہ دیا۔ پھر نتاشہ نے عارف کو بہت ہی بری موت مار دیا۔ لیکن بہت ہی زیادہ تڑپا تڑپا کر مارا تھا میں پاس ہی کھڑا تھا۔ لیکن مجھے ذرا بھی ترس نہ آیا تھا پھر نتاشہ نے اپنا روپ بدل لیا۔ وہ بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھی میں نے نتاشہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہا۔

مجھے بھی لے جاؤ۔

وہ مسکرا دی اور کہا۔ نہیں تم میرے ساتھ نہیں جا سکتے ہو تم جب اپنے آفس میں جاؤ گے تو تمہیں میرے جیسا ایک تحفہ ملے گا اور پلیز اسے قبول کر لینا۔

میں نے کہا۔ نہیں ساتھ ہی میں نے نتاشہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اس نے کہا۔

مجھے جانے دو بارہ سال کے بعد ماں سے ملنے لگی ہوں اتنے میں مجھے ایسے لگا کہ جیسے کسی نے میرے سر پر بھاری چیز مار دی ہو اور میں بے ہوش ہو گیا۔ بے ہوش ہوتے ہوئے میں نے نتاشہ کو بائے بائے کرتے ہوئے دیکھا۔ اور پھر میں بے ہوش ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو سب میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے ابو بھی امریکہ سے آ گئے تھے اور مجھ سے کہنے لگے۔

بیٹا کیا ہوا تھا تم کو دو دن سے بے ہوش تھے

میں نے کہا۔ پتہ نہیں۔

رامین بولی بھائی نتاشہ کہاں ہے۔ وہ نظر نہیں آ رہی ہے۔ کہیں اس نے ہی تو آپ کو نہیں مارا ہے۔

میں نے کہا۔ ٹل اور پھر سب کچھ بتا دیا
سب سن کر حیران ہو گئے اور پھر میں ایک ہفتے کے بعد آفس گیا جب میں آفس پہنچا تو سیم تو سیم وہی بال وہی آنکھیں وہی ہونٹ اور وہی گال والی لڑکی مجھے ملی۔ اسے دیکھتے ہی مجھے لگا کہ جیسے نتاشہ میرے سامنے کھڑی ہو۔

میں نے کہا۔ تم یہاں۔

لڑکی حیران ہو کر بولی۔ سر آپ مجھے جانتے ہیں۔ لیکن میں تو آپ سے پہلی بار مل رہی ہوں۔ اس کی بات سن کر میں نے کہا۔

آپ کا نام۔

وہ بولی۔ میرا نام نور ہے میں لاہور سے کراچی شفٹ ہوگئی ہوں اور اسد سر مجھے کل ہی جاب پر رکھا ہے۔

میں نے کہا۔ ٹھیک ہے تم جاؤ میں نے اسد سے بات کی تو اس نے کہا۔

بھائی آپ نے کہا تھا ناں نتاشہ نے آپ کو تحفہ دینا ہے میں تو سمجھ گیا تھا کہ تحفہ کیا ہوگا۔ اس لیے نہیں بتایا نتاشہ کا بھیجا ہوا تحفہ نتاشہ کی ہمشکل لڑکی نور ہے کیا اتفاق ہے پہلی کا نام این سے دوسری کا نام بھی این سے پھر نور کی اور میری دوستی ہوگئی میں نے نور کو بھی سب کچھ بتا دیا تھا اور پھر نور سے شادی کر لی۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازیئے گا۔ مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔ تاکہ میں مزید اور کچھ لکھ سکوں۔

کبھی جو لائٹ آجائے
میں دیکھوں پنکھا چلتے ہوئے
تو سے نے بھی بارش کرں
تیری ہوا میں دومنٹ رہ لوں ساتھیا
تو جو دو گھنٹے لگا کر صاف کروں اے پنکھے
تو زیادہ ہوا دے یا نہ دے
کوئی نہیں تیرے سوا میرا یہاں
اے سی کا تو بل ہے بہت آتا ساتھیا
تو ہی دو منٹ رہ جا ساتھیا
کیونکہ پھر سے رمضان آنے والا ہے
کائنات عامر۔ ڈسکہ۔

لڑکا اور ایک لڑکی پکنک پر گئے وہاں پر لڑکے کو چوٹ لگ گئی اور خون بہنے لگا وہ لڑکی کی طرف دیکھنے لگا کہ ابھی وہ اپنا دوپٹہ پھاڑ کر باندھے گی لڑکی نے لڑکے کی نظروں کا مفہوم سمجھ لیا اور مسکرا کر بولی۔ کاکا سوچیں وی ناں۔ 3200 دا سوٹ اے میرا۔

کائنات عامر۔ ڈسکہ۔

محبت کی قیدیوں کو زنجیر کی کیا ضرورت
محبت دل سے ہوتی ہے تصویر کی کیا ضرورت
زندگی سے پیار نہیں موت سے انکار نہیں
وہ کیسا بندا ہے جو محبت کا شکار نہیں
کائنات عامر۔ ڈسکہ۔

غزل

میں نے تجھے چاہا تجھے چاہتا رہوں گا
تم سے پیار کیا ہے تجھ سے پیار کرتا رہوں گا
تم بھلانا چاہو تو بھلا نہ سکو گے صنم
میں ہر وقت تجھے یاد کرتا رہوں گا

راستہ

تحریر: فلک زاہد۔ لاہور

مجھے راستہ بتاؤ۔ وِنڈی نے جیسے سنا ہی نہیں کہ اس بوڑھے نے اسے کیا کہا وہ تو اس کا چہرہ دیکھ کر ہی کانپ اٹھی تھی بوڑھے آدمی کا چہرہ بہت ہی بدنما اور بدصورت تھا اس کے چہرے ک جلدی جگہ جگہ سے زخموں اور جھریوں سے بھری پڑی تھی اس کے بال گندے بکھرے اور الجھے ہوئے تھے اور آنکھیں خدا کی پناہ یوں پھٹی ہوئی تھیں جیسے ابھی باہر کو ابل پڑیں گی رات کی خوفناک تاریکی میں ایک بدصورت اجنبی بوڑھے کے ساتھ اس تنگ گلی میں وِنڈی اکیلی تھی اس لیے وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی اس کے سینے میں اس کا دل پوری قوت سے تھک تھک کر رہا تھا۔ اسے خود کو سنبھالنے میں کچھ وقت لگا جب ہی اس بوڑھے بدنما آدمی نے اپنی بھاری آواز میں ایک بار پھر وِنڈی سے کہا۔ مجھے راستہ بتاؤ۔ وِنڈی کافی حد تک خود کو سنبھال چکی تھی اس نے بمشکل تمام اپنے ہمت اور حوصلے کو یکجا کر کے گھبراتے ہوئے بوڑھے آدمی سے کہا۔ اوکے اوکے کہاں جانا ہے آپ کو۔ وِنڈی کے کہنے پر جب اس بوڑھے نے اسے وہ پتہ بتایا جہاں وہ جانا چاہتا تھا تو وہ پتہ سن کر وِنڈی کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی لہر دوڑ گئی کیونکہ وہ پتہ وِنڈی کے اپنے گھر کا تھا وہ اس کی نظروں سے دور ہونے کے لیے بھاگ کھڑی ہوئی لیکن اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ اس کے ساتھ کچھ ہونے والا ہے۔۔۔ ایک دلچسپ اور سنسنی خیز کہانی۔

رات دسمبر کی گہری تاریک رات تھی جس کے گہرے سائے چارسو پھیل چکے تھے یہ ٹ سردی بھی اپنے عروج پر تھی تمام سڑکیں ذی روح سے خالی اور سنسان تھیں چاروں طرف سناٹا سائیں سائیں کر رہا تھا آسمان پر چاند بادلوں کی اوٹ سے مدہم روشنی کے ساتھ جلوہ افروز تھا۔ ستاروں کا نام و نشان نہیں تھا یہ رات کے کوئی نو یا دس بجے کا وقت ہوگا مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آدھی سے زیادہ رات بیت گئی ہو تمام لوگ اپنے اپنے گھروں میں بند ہو کر مختلف مشاغل میں مصروف تھے جبکہ ایسی گہری تاریک اور سنسان رات میں خوبرو جواں سال وِنڈی وائٹ پینٹ شرٹ میں ملبوس اپنی جیکٹ کی جیبوں میں دونوں ہاتھ ڈالے اور سر پر ٹوپی پہنے اپنے گھر کی جانب چلی جا رہی تھی وِنڈی اٹھارہ سال کی خوبصورت دوشیزہ تھی جو اس وقت اپنی دوست کے گھر سے فلم دیکھنے کے بعد اپنے گھر کی جانب لوٹ رہی تھی وِنڈی کی دوست نے اسے اس سرد رات میں اکیلے گھر جانے سے بہت روکا مگر وِنڈی نے اتنا کہہ کر بات ختم کر دی کہ اس کا گھر زیادہ دور نہیں ہے چنانچہ اب وہ اپنے تمام ہمت اور حوصلے کے ساتھ اپنے گھر کی جانب رواں دواں تھی وِنڈی نے گھر جلدی پہنچنے کے لیے شارٹ کٹ سے جانے کا فیصلہ کیا اور بڑی سڑک سے اتر کر ایک تنگ گلی کے اندر پلٹ گئی معاً تنگ گلی میں چلتے ہوئے وِنڈی کو گلی کے بیچ و بیچ کوئی ہیولہ سا کھڑا دکھائی دیا۔ چونکہ گلی تنگ تھی اور جانے کا کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا اس لیے وِنڈی اس ہیولے سے کچھ فاصلہ پر رک گئی۔ کیونکہ وہ ہیولہ وِنڈی کے راستے میں حائل تھا وِنڈی کے رکتے ہی وہ ہیولہ وِنڈی کی

جانب پیچھے کو پلٹا چاندنی مدھم روشنی میں وِنڈی نے اس کا چہرہ دیکھا تو دہشت زدہ ہوگئی وہ کوئی بوڑھا آدمی تھا جو اپنی بھاری آواز میں وِنڈی سے مخاطب ہوا۔

مجھے راستہ بتاؤ۔ وِنڈی نے جیسے سنا ہی نہیں کہ اس بوڑھے نے اسے کیا کہا وہ تو اس کا چہرہ دیکھ کر ہی کانپ اٹھی تھی بوڑھے آدمی کا چہرہ بہت ہی بدنما اور بدصورت تھا اس کے چہرے کی جلد جگہ جگہ سے زخموں اور جھریوں سے بھری پڑی تھی اس کے بال گندے بکھرے اور الجھے ہوئے تھے اور آنکھیں خدا کی پناہ یوں پھٹی ہوئی تھیں جیسے ابھی باہر کو ابل پڑیں گی رات کی خوفناک تاریکی میں ایک بدصورت اجنبی بوڑھے کے ساتھ اس تنگ گلی میں وِنڈی اکیلی تھی اس لیے وہ خوف سے تھرتھر کانپ رہی تھی اس کے سینے میں اس کا دل پوری قوت سے دھک دھک کر رہا تھا۔ اسے خود کو سنبھالنے میں کچھ وقت لگا جب ہی اس بوڑھے بدنما آدمی نے اپنی بھاری آواز میں ایک بار پھر وِنڈی سے کہا۔

مجھے راستہ بتاؤ۔

وِنڈی کافی حد تک خود کو سنبھال چکی تھی اس نے بمشکل تمام اپنے ہمت اور حوصلے کو یکجا کر کے گھبراتے ہوئے بوڑھے آدمی سے کہا۔

اوکے او کے کہاں جانا ہے آپ کو۔

وِنڈی کے کہنے پر جب اس بوڑھے نے اسے وہ پتہ بتایا جہاں وہ جانا چاہتا تھا تو وہ پتہ سن کر وِنڈی کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی لہر دوڑ گئی کیونکہ وہ پتہ وِنڈی کے اپنے گھر کا تھا۔

معاف کیجئے مجھے نہیں پتہ یہ کہاں پر ہے۔

وِنڈی نے گھبراتے ہوئے جلدی سے کہا اور تقریباً بوڑھے آدمی کو دھکا دیتے ہوئے اس کے پاس سے گزر کر تنگ گلی میں بھاگنے لگی بھاگتے بھاگتے وِنڈی نے جب تھوڑا سا پیچھے پلٹ کر دیکھا تو وہ بوڑھا بدستور وہیں کھڑا وِنڈی کو جاتا ہوا دیکھ رہا تھا وِنڈی نے جلدی سے چہرہ آگے پھیر لیا۔ اور اپنے بھاگنے کی رفتار مزید بڑھا دی جس کے باعث وہ جلد ہی تنگ گلی سے نکل کر بڑی سڑک پر بھاگ رہی تھی سڑک کے دونوں اطراف بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں جن کے باہر لگی سٹریٹ لائٹس بھی بند تھیں ہر طرف ویرانا سناٹا اور خاموشی کنڈلی مارے بیٹھا تھا وِنڈی اس قدر دہشت زدہ ہوگئی تھی کہ اس نے ایک پل کے لیے بھی رکنا مناسب نہ سمجھا۔ اور بے تحاشا بھاگتی رہی اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا یہاں تک کہ اس نے اپنے گھر کے باہر آ کر ہی دم لیا وِنڈی لمحے کو اپنے گھر کے باہر اپنا سانس بحال کرنے کو رکی اس کا سانس بری طرح پھول چکا تھا وہ لمبی لمبی سانسیں لے کر خود کو پرسکون کرنے لگی وِنڈی کا گھر ایک متوسط علاقے میں تھا جو اس وقت پورے کا پورا اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا وِنڈی نے ایک سرسری سی نگاہ اپنے گردونواح میں ڈالی یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں اس بوڑھے آدمی نے اس کا پیچھا تو نہیں کیا مگر پوری گلی سنسان اور ویران تھی وِنڈی نے سکون کی ایک گہری سانس خارج کی اور اپنی پینٹ کی جیب سے گھر کی چابی نکال کر کی ہول میں ڈالی دروازہ کھل گیا اور وِنڈی اندر داخل ہوگئی گھر مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا وِنڈی ابھی دروازہ بند کرنے کو پلٹنے ہی والی تھی کہ جب ہی گھر کے اندر سے گہری خاموشی کو روندتی ہوئی ایک بھاری آواز گونجی مجھے راستہ بتاؤ۔ وہ بری طرح کانپ گئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ بوڑھا اس کے نزدیک پہنچا اور اس کے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگا بس وہ مدہوش ہوتی گئی ایسی مدہوش ہوئی کہ وہ اٹھ نہ سکی وہ مدہوشی موت کی مدہوشی تھی۔ ہاں اس کی موت کا راستہ تھا۔

نرالی میری محبت

۔۔۔تحریر: مجید احمد جائی۔ملتان۔ 0301-7472712

واقعی حسن انسان کو اپنا گرویدہ بنا دیتا ہے۔ میں تو دل ہی دل میں اس کا ہو چکا تھا۔ وہ تھی ہی ایسی کہ پہلی نظر میں اپنا دیوانہ کر گئی تھی۔ ایسی ملی کہ ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ روز کام پر آتے جاتے ملاقات ہو جاتی۔ ویک اینڈ پر مجھے اپنے گھر لے گئی۔ خوبصورت محل نما، خوشبوؤں سے معطر معطر، پھولوں سے سجا ہوا۔ میں روم میں بیٹھا خوبصورتی کے گن گا رہا تھا کہ شہزادی کھانا لئے حاضر ہوئی۔ ایسا لذیز کھانا میں نے کبھی نہیں کھایا تھا۔ اور تو اور ایسا کھانا مجھے ملا ہی نہیں تھا۔ خیر کھانا کھانے کے بعد مجھے سیر کرانے لے گئی۔ یہ مجھے تم کہاں لے آئی ہو؟ ایسا لگتا ہے صدیوں پیچھے چلا گیا ہوں۔ نہ کوئی گاڑی نظر آئی ہے، نہ کوئی موٹر سائیکل ارے یہ اونٹ اور گدھے قطاریں بنا کر چلے جا رہے ہیں۔ نہ کوئی سڑک ہے، نہ پل، نہ فلائی اوور، میں کس دیس میں آ گیا ہوں۔؟ میرے بھولے شہزادے، کتنے بھولے ہو تم۔ یہ میرا دیس ہے۔ تمھارے دیس سے کہیں اچھا، یہاں نہ افرتفری ہے۔ نہ خون خرابہ، سکون ہی سکون ہے۔ امن سے زندگی کٹتی ہے۔ یہاں کوئی کسی کا دشمن نہیں ہے۔ ہم آگ سے بنے ہیں مگر انسان دوست ہیں۔ جس طرح تم مٹی سے بنے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ سے پیدا فرمایا ہے۔ انسانوں کی طرح جنات میں بھی اچھے اور بُرے دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ تم گھبراؤ نہیں۔ میں تمھیں ہر آفت، مصیبت سے محفوظ رکھوں گی۔ تمھاری حفاظت میرے ذمہ ہوئی۔ تم مجھے اچھے لگے ہو۔ میں تم سے پیار کرتی ہوں۔ بس تم مجھ سے شادی کر لو۔ عیش کی زندگی گزرے گی۔ بس تم میرے ہو جاؤ۔ زمانے کی ہر چیز تمھارے قدموں میں لا کر رکھ دوں گی۔ تمھاری ہر خواہش پوری ہوگی۔ وہ بولتی جا رہی تھی اور میں پسینے سے شرابور تھا۔ خوف کے مارے میرا انگ انگ کانپ رہا تھا۔ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ بمشکل میں نے اسے کہا، ہمارا ملن نہیں ہو سکتا۔ تم جنات سے ہو اور میں ابن آدم ہوں۔ آگ اور مٹی کا ملاپ کیسے ممکن ہے؟ ایک سنسنی خیز کہانی

سردیوں کے دن تھے۔ شام اپنے پر پھیلائے کھڑی تھی۔ سورج اپنی کرنیں سمیٹ کر دھیرے دھیرے اپنے گھر لوٹ رہا تھا۔ آسمان ٹمٹماتے چراغوں سے سج گیا تھا۔ چاند اپنی چاندنی ہر سو پھیلانے میں مصروف تھا۔ نیلے، کالے بادل جنگی طیاروں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ کبھی چاند بادلوں میں چھپ جاتا تو کبھی بادلوں کی اوٹ سے اپنی آنکھیں کھول کر روح زمین پر کانی نظر ڈال لیتا۔

میں کھانے سے فراغت پا کر گھر سے نکلنے کو تیار تھا سردی زوروں پر تھی۔ موٹے کپڑے زیب تن کیے، جرابوں سے پاؤں چھپائے، ہاتھوں پر

ڈھانپے کام پر جانے کو تیار تھا۔اتنے میں امی جان دودھ کا گلاس لئے میرے کمرے میں آئی۔کہنے لگی

بیٹا!یہ لو دودھ پی لو اور جلدی نکل جاؤں۔اندھیرا کافی ہو رہا ہے۔پھر تیرا راستہ سنسان اور خطرناک بھی ہے۔دن دیہاڑے وارداتیں ہو جاتی ہیں۔بیٹا!نہر کے راستے سے مت جایا کرو۔پانچ منٹ زیادہ سہی لیکن پکی سڑک سے جانا۔وہ راستہ محفوظ ہے

اچھا امی جان!جو حکم۔میں نے امی جان کو جواب دیا اور دودھ کا گرم گرم گلاس حلق سے نیچے اتارنے لگا۔کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر پڑی تو نو بج رہے تھے۔اُف خدایا!آج پھر لیٹ ہو جاؤں گا۔میں نے جلدی جلدی دودھ ختم کیا اور بائیک اسٹارٹ کرکے آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ میرا روز کا معمول تھا۔دُنیا خوابوں کے نگر میں ہوتی اور میں پیٹ کی آگ بجھانے کی غرض سے کام پر جا رہا ہوتا۔انسان کتنا بے بس ہے۔پیٹ کی خاطر کیا سے کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ہزاروں خواہشیں دبا کر جینا پڑتا ہے۔

اپنے ارمان،اپنے خواب سب کچھ تو بیچنا پڑتے ہے۔رب تعالیٰ نے کیسا نظام بنایا ہے۔انسان کو مجبوریوں کے عوض ناک سے چنے چبانے پڑتے ہیں۔

میں غریب سبزی والے کا دوسرا بیٹا ہوں۔شاید آپ مجھے نہیں جانتے؟ہیں ناں۔چلو جی میں بتا دیتا ہوں۔میں سبزی والا کا بیٹا ہوں۔جسے لوگ چاچا سبزی والے کے نام سے جانتے ہیں۔میرے پاپا صبح سویرے جب موذن اذان فجر کی

تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے،پلاسٹک کے گٹو اٹھاتے،جیب میں گزشتہ دن کی جمع پونجی ڈالتے،قمیض کی اندرونی جیب میں دوائیوں سے بھرا شاپر،آکسیجن انہلر ڈالے بچوں کی روٹی کی غرض سے نکل پڑتے۔جب سے نے میں ہوش سنبھالا تھا یہی دیکھتا آیا تھا۔میرے پاپا کی یہی روٹین تھی۔بیماریوں کو سینے سے لگائے جی رہے تھے۔سانس کی تکلیف میں مبتلا تھے۔کبھی تو کھانستے کھانستے بے ہوش ہو جاتے تھے تو کبھی پورے جسم پر سوجن ہو جاتی تھی۔کوئی کہتا دمہ ہے تو کوئی کہتا ٹی،بی ہے۔بیچارے نے دمے کا علاج بھی کروایا اور ٹی،بی کا کورس تو کئی بار کروایا تھا۔بیماریوں سے لڑتے لڑتے بچوں کو پال رہا تھا۔دن بھر سبزی کی دکان سے جو آمدنی ہوتی،اس کا ایک حصہ دوائی پر لگ جاتا تھا۔باقی گھریلو اخراجات،بچوں کی اسکول کے اخراجات،بجلی کا بل بمشکل پورا ہوتا تھا۔

سبزی والا آخر کما بھی کیا سکتا ہے۔؟لوگوں کے طعنے،دن بھر مکھیاں اڑاتے،دو ٹکے والا بھی لمحے بھر میں لفظوں کے تیر سینے میں پیوست کر کے چلا جاتا ہے۔اس دور میں اکیلا آدمی خود کو نہیں پال سکتا،خاندان کو کیسے پال سکتا ہے؟چاچا سبزی والا کیسے خاندان بھر کو پالتا ہو گا۔چاچے سبزی والے کی چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔آٹھ افراد پر مشتمل یہ خاندان جو مل جاتا کھا کر صبر وشکر کر لیتا۔آج چھوٹے کل بڑے کے مصداق چاچا سبزی والے کی اولاد بڑی ہو رہی تھی۔روز بروز کے اخراجات بھی بڑھ رہے تھے۔میں نے بمشکل میٹرک کے پیپر دیئے اور پاپا کا ہاتھ بٹانے لگا۔اس کا بوجھ کم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

کرتے تو کبھی ابو جان کی ہیلپ کرتے تھے۔

جس دن پاپا کی طبیعت زیادہ خراب ہوتی،اس دن دکان بند ہو جاتی۔دکان بند ہوتی تو گھر کا چولہا ٹھنڈا پڑ جاتا۔گھر کے گزر بسر کا واحد ذریعہ دکان ہی تو تھی۔

دن بھر جو سبزی بکنے سے بچ جاتی،پاپا وہ گھر لے آتے،امی جان اسے صاف ستھرا کر کے پکاتی اور ہم سیر ہو کر کھاتے تھے۔امیروں کی طرح ڈاکٹروں کے پاس نہیں جانا پڑتا تھا۔امیروں کی طرح روز ہمارے گھر گوشت نہیں پکتا تھا۔کبھی محلے میں خیرات ہوتی تو ہمارے گھر گوشت آ جاتا۔ہم بھی گوشت کے مزے لے لیتے تھے۔ورنہ نمک،مرچ کی چٹنی سے یا پیاز میٹھی میں توڑ کر روٹی کے ساتھ بطور سالن استعمال کر لیتے۔یوں زندگی خراماں خراماں اپنا سفر پورا کر رہی تھی۔میرے پاپا کے ساتھ ان کے بھائیوں نے اچھا نہیں کیا تھا۔روز لڑائی جھگڑے ہوتے۔

یوں ایک دن وراثت سے بے دخل کر دیا گیا۔اس رات نہ آسمان رویا نہ بادل گرجے۔زمین پھٹی نہ زلزلہ آیا۔انسان تو انسان ہیں،یہ کب دوسرے کے ہمدرد ٹھہرنے۔ہمارے محلے والے بھی خاموش تماشائی بنے رہے۔کسی نے چاچا سبزی والے کے خاندان کو ایک دن کا کھانا تک نہ دیا۔وہ رات ہم نے بے سروسامان،کھلے آسمان تلے گزار دی۔اگلے دن پاپا سبز منڈی نہ گئے،دن بھر کی جمع پونجی سے آٹا لے آئے اور ہم نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔بے شک نیلے آسمان پر جو کھڑا ہے وہ بہت بڑا مہربان ہے۔وہی رازق

چاہیے۔چاچا سبزی والے کا خاندان صابر و شاکر تھا۔روکھی سوکھی روٹی کھا کر گزارا کر کے شکرانہ ادا کرتا۔وقت محو پرواز رہا اور یہ دن گزار گئے۔

پاپا اور ہم نے محنت مزدوری کر کے سر چھپانے کے لئے مکان بنوا لئے۔جہاں پاپا جان کی پیدائش ہوئی تھی،کب کے چھوڑ آئے تھے۔اب خوشیوں کے دن آنے تھے۔ہاں ہم جوان ہو رہے تھے۔مگر کہتے ہیں جب اولادیں جوان ہو جائیں تو والدین کی فکریں بڑھ جاتی ہیں۔میرے مما پاپا بھی پریشان رہنے لگے۔غریب کے پاس اتنی استطاعت کہاں ہوتی ہے کہ وہ بیٹیوں کو جہیز دے کر رخصت کرے۔بیٹوں کی دھوم دھام سے شادی کرے۔یہی فکر پاپا کو وقت سے پہلے بوڑھا کرتی جا رہی تھی۔

مہ و سال گزرتے گئے۔پاپا نے مجھ سے چھوٹی بہن اور بڑے بھائی کی شادی کر دی۔یہ شادی وٹہ سٹہ کی موذی رسم پہ ہوئی۔وٹہ سٹہ دیہاتوں میں عام ہے۔کئی گھروں کو برباد کر چکی ہے۔ترقی کرنے والے مریخ پر جا پہنچے ہیں اور ہم بنیادی مسائل سے نہیں نمٹ سکے۔شادیاں خوشیوں کی نوید ہوتی ہیں مگر یہ شادی میرے پاپا کے لئے وبال وجان بن گئی۔روز بروز کے جھگڑے سے پاپا ڈپریشن کے شکار ہو گئے۔نتیجہ یہ نکلا،بھائی نے منہ موڑ لیا۔اس نے علیحدگی اختیار کر لی اور پاپا سارے غم من میں چھپائے جی رہے تھے۔میں ذریعہ معاش کے لئے لاہور میں مقیم تھا۔پیٹ کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے،گھر سے دور لاہور قسمت آزمائی کر رہا تھا۔ہر ماہ گھر آتا۔ابو جان میرے منتظر ہوتے،پانچ دن گھر رہتا۔ان

پانچ دنوں میں جو وقت میسر آتا پاپا کے ساتھ حال واحوال ہوتا۔ میں ان کے چہرے کو تکتا رہتا۔ ان کے چہرے پر جھریاں پڑ گئی تھیں۔ وقت سے بہت پہلے بوڑھے ہو گئے تھے۔ بیماریوں نے انہیں دیمک کی طرح چاٹ لیا تھا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے ربوٹ سے کسی پتلی کو چلایا جا رہا ہو۔ ہر دوسرے دن ان کے چہرے پر سوجن ہوتی۔ سانسیں اکھڑنے لگتی۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا تھا پاپا کی جیب میں نوٹوں کی بجائے آکسیجن والا انہلر اور گولیاں دیکھتا آیا تھا۔

بیٹا! زندگی کا بھروسہ نہیں ہے۔ آج ہے کل نہیں ہے، تم گھر کیوں نہیں آ جاتے۔؟

پاپا! وہاں ابھی جاب ملی ہے، آپ کو معلوم تو ہے کتنی جدوجہد کی تھی، تب ہی یہ جاب ملی ہے۔ یہاں تو نوکری ملتی بھی نہیں۔ کوشش کر رہا ہوں، مل گئی تو آ جاؤں گا ناں۔

میرے نظریں ان کے چہرے پر تھی۔ میری باتوں سے پاپا جان کے چہرے پر اداسی چھانے لگتی تو میں باتوں کا رخ موڑ لیتا۔ ابو کا اداس چہرہ دیکھ کر میں کہتا۔

پاپا جان! آپ سے روز بات ہوتی ہے ناں پھر اداسی کیوں۔؟ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔؟ پاپا جان! جواباً کہتے۔

آپ کو کیا پتہ بیٹا۔ تمھارے بغیر میری کیا حالت ہوتی ہے۔؟ بیٹا! اب دل نہیں لگتا۔ اس بے وفا دُنیا سے تھک سا گیا ہوں۔

وقت گزرتا رہا۔ لمحے منٹوں میں بدلتے رہے۔ عید الفطر آ گئی۔ یہ آخری عید الفطر تھی جو میں نے پاپا کے ساتھ گزاری تھی۔ عید کے تیسرے دن بیٹھک کے باہر کیکر کے گھنے درخت کے نیچے پاپا اور میں باتیں کر رہے تھے۔ بڑا سا کیکر میرے ابو کا رفیق تھا۔ جب تنہا ہوتے، کیکر ہوتا اور ابو جان ہوتے۔ ابھی ہم باتیں کر رہے تھے کہ میرے بڑے ماموں آ گئے۔ ماموں کے آتے ہی میرے چچا بھی آ کر بیٹھ گئے۔ باتوں ہی باتوں میں پاپا، ماموں کو کہنے لگے۔

حاجی صاحب! اب تو دن مقرر کر دو۔ میری حالت دیکھ رہے ہو۔ پاپا نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت پاپا کے چہرے پر سوجن ہی سوجن تھی۔ اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہے تھے۔ میری شادی کے لئے پریشان رہتے تھے۔ میری شادی ماموں کی بیٹی کے ساتھ ہونی تھی۔ اسی لئے پاپا ماموں کو کہہ رہے تھے کہ جلد از جلد شادی ہو جائے۔ مگر قسمت۔۔۔۔۔۔۔!

وہ دن، وہ لمحے میری زندگی کے یادگار لمحے بن گئے۔ عید الفطر ختم ہو گئی۔ میری چھٹیاں بھی ختم ہوئی اور میں لاہور جاب پر چلا گیا۔ قدرت خدا کی دیکھو! لاہور واپسی پہنچا ہی تھا کہ ملتان سے جاب کا لیٹر آ گیا۔ لیٹر ملتے ہی میں لاہور کو خیر آباد کہہ کر ملتان آ گیا۔

یہ سولہ اگست کا دن تھا۔ جب میں پہلی ڈیوٹی ملتان ایک کمپنی میں کر رہا تھا۔ ٹھیک آٹھواں دن چوبیس اگست کی صبح کو میری چھوٹی سسٹر نے کال کی پاپا کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔ جلدی گھر آ جاؤ۔ پاپا جان کو ہسپتال لے جاؤ۔

میری نائٹ ڈیوٹی تھی۔ میں نے بھائی کا نمبر ڈائل کیا اور کہا کہ ابو کو ہسپتال لے آؤ۔ میں وہاں پہنچتا ہوں۔ میری جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ کیا کروں۔؟ کدھر جاؤں؟ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ تنخواہ کو بھی دیر تھی۔ مہینے کے آخری ایام چل رہے تھے۔ خیر ایک مہربان سے بیس ہزار ادھار لئے اور مین روڈ پر آ گیا۔ اتنے میں بھائی ابو، کو لے کر آ گیا۔ ابو جان! کی طبیعت بہت بگڑی ہوئی تھی، وہاں سے میں پاپا کو لئے ہسپتال چلا گیا۔ بھائی نے ڈیوٹی پر جانا تھا سو اسے واپس بھیج دیا۔ میں بھوکا، پیاسا ابو کی تیمارداری کرنے لگا۔ ہسپتال پہنچا تو ڈاکٹر نے انجکشن لگا دیئے۔ پاپا کی طبیعت سنبھلنے لگی۔ مجھے کہنے لگے۔

بیٹا! آپ نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔ نیند سے تیری آنکھیں سرخ لال ہو رہی ہیں، تھوڑی دیر کے لئے سو جاتے۔

بس پاپا تھوڑی دیر میں گھر چلتے ہیں ناں، ناشتہ بھی کر لوں گا، نیند بھی پوری کر لوں گا۔ اب وہ لمحے، وہ باتیں خون رولاتی ہیں۔ وہ لمحے زہریلے ناگ کی طرح ڈستے ہیں۔ پاپا سے باتیں ہو رہی تھی کہ اچانک ان کی طبیعت بگڑنے لگی۔ ڈاکٹر نے جواب دے دیا۔ اس نے نشتر ہسپتال لے جانے کو کہا۔ وہاں سے ریسکیو ایمبولینس منگوائی اور نشتر ہسپتال کی طرف چل پڑے۔ راستے میں میری نظریں پاپا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ پاپا خاموش تھے۔ بس مجھے تکے جا رہے تھے۔ جیسے کہ رہے ہوں۔

بیٹا! اب وقت آ گیا ہے۔ جدائی آن پہنچی ہے۔ گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لو۔ چھوٹوں کا خیال رکھنا۔ اپنی ماں کو پریشان نہ ہونے دینا۔ چھوٹی بہن کا خیال رکھنا اور اپنی بھی شادی کر لینا۔ پاپا مسکرائے اور ذو موٹے موٹے آنسو آنکھوں کے راستے سے نکل کر رخساروں سے ہوتے ہوئے دامن بھگو گئے۔ میں نے محبت سے سرشار ہو کر پاپا جان کا ماتھا چوم لیا۔

ایمبولینس سپیڈ سے نشتر ہسپتال کی طرف محو سفر تھی۔ ابھی ہم نشتر ہسپتال ایمرجنسی وارڈ پہنچے ہی تھے کہ پاپا۔۔۔۔۔پا۔۔۔۔ل۔۔۔۔۔پاپا نے دم توڑ دیا۔ اُف میں یتیم ہو گیا۔ پاؤں سے زمین سرکتی چلی گئی۔ پھر دُنیا کا ہوش نہ رہا۔ میری دُنیا اُجڑ گئی۔ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کون آ رہا ہے، کون جا رہا ہے؟ بس پاپا کی ڈیڈ باڈی لئے ضروری کاروائی کروا رہا تھا۔ من میں طوفان ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔۔ ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ نہ کہرام ختم ہوا، نہ من کو سکون آ سکا۔ میری نیندیں، میرے خواب سب کچھ بکھر گئے۔ میں تنہا سوکھے شجر کی مانند اپنی قسمت پر آنسو بہا رہا تھا۔ گھریلو ذمہ داریاں ناتواں کندھوں پر آن پڑی۔ ادھر پاپا کی جدائی کے لمحات ساتھ نہیں چھوڑتے تھے۔ دماغ کی رگیں پھٹنے کو آتی تھیں۔

کیا کروں اُف خدایا۔۔۔ اے خدا! جب تو رشتے بناتا ہے تو پھر جدائیاں کیوں دیتا ہے۔ پاپا! داغ جدائی دے کر کب کے ابدی نیند سو گئے تھے۔ اور میں گھریلو ذمہ داریوں میں ڈٹ گیا۔ وقت سرکتا رہا۔ مجھے کمانا تھا، دن کی خبر تھی نہ رات کا پتہ، بس مجھے کمانا تھا۔ ہاں مجھے کمانا تھا۔

اس دن بھی جب شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ گھریلو کام نمٹاتے نمٹاتے دیر ہو گئی تھی۔ میں نے جلدی جلدی کھانا کھایا اور بائیک اسٹارٹ کر کے آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔ آفس جاتے ہوئے کچھ سفر مجھے نہر سے گزر کر جانا ہوتا ہے۔ گھر سے جاتے ہوئے ابھی نہر پر چڑھا ہی تھا کہ میری سماعتوں سے نسوانی آواز ٹکرائی۔ بائیک کے شور کے باوجود وہ آواز مجھے صاف

سنائی دے رہی تھی۔ جیسے کوئی زخمی عورت درد کی وجہ سے کراہا رہی ہو۔ پہلے تو میں نے اپنا وہم سمجھا۔ بھلا رات کے نو بجے یہاں کون ہوسکتا ہے۔؟ اتنے میں پھر وہی نسوانی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔ میری نظریں بے اختیار آواز کا تعاقب کرنے لگی۔ جیسے ہی میری نظریں نہر سے نیچے کھیتوں کی طرف گئیں، سامنے نوجوان خوبصورت لڑکی کو لنگڑا کر چلتے دیکھا۔ شاید اس کا دائیں پاؤں زخمی تھا جو اسے زمین کے ساتھ گھسیٹ گھسیٹ کر چل رہی تھی۔ بائیک کی لائٹ پڑتے ہی ان نے مجھے آواز دی تھی۔ میں رک چکا تھا۔ رات کے نو بجے گھپ اندھیرا، سنسان راستہ اور نوجوان لڑکی دیکھ کر میں حیران و پریشان تھا۔ خوف کی وجہ سے میرے پسینے چھوٹنے لگے۔

گھبراؤ نہیں۔ میری مدد کرو۔ میں آپ کی احسان مند رہوں گی۔ حسین و جمیل لڑکی نے مجھے خوف زدہ دیکھ کر کہا۔

کسی کی مدد کردینا بھی نیکی ہے۔ میرے دل میں خیال آیا اور میں بائیک سے نیچے اتر آیا۔ سامنے رات کے پھیلتے اندھیرے میں چمکتا مکھڑا کھڑا تھا۔ اتنی خوبصورت لڑکی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ جس کے ماتھے پر درد کی وجہ سے شکن بڑی واضح نظر آتی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر رخساروں پر نشان چھوڑ گئے تھے۔ حسین چہروں پر آنسوؤں اچھے نہیں لگتے۔ میں نے سوچا ہی تھا۔

اے اجنبی! مجھے گھر چھوڑ دو گے؟

میں سوچوں کے نگر سے باہر آیا، بے ساختہ کہا، کیوں نہیں۔ ضرور، کہاں جانا ہے آپ نے؟ میں نے پوچھا۔

بس قریب ہی۔ قریب ہی مطلب؟ سامنے جو بستی ہے، جہاں لائٹ جل رہی ہیں وہاں تک۔ اس نے ناک کی سیدھ میں اشارہ کرتے ہوئے مجھے کہا۔

اوکے میں نے حامی بھرتے ہوئے جواب دیا۔ حسین مہ جبیں میرا سہارا لیتے ہوئے میرے پیچھے آبیٹھی۔ دوسرے ہی لمحے بائیک اسٹارٹ تھی۔ جیسے ہی اس نے میرا سہارا لیا، کرنٹ کا جھٹکا سا لگا۔ جیسے میں نے بجلی کی ننگی تار کو ہاتھ لگا لیا ہو۔ میرے جسم سے چنگاریاں سی اٹھنے لگی۔ میں نے باتوں کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

رات کے اس وقت، وہ بھی اکیلے، اور پاؤں کو کیا ہوا ہے، جو لنگڑا کر چل رہی تھی۔؟

آہ! میں دادی ماں کو گھر چھوڑ کر بے خیالی میں اپنے گھر جارہی تھی کہ اچانک ٹھوکر لگی اور میں گہرے گڑھے میں گرگئی۔ پھر مجھے ہوش نہ رہا۔ واقعی نہر کے کنارے سے ہٹ کر گہرا گڑھا تھا۔ جسے میں برسوں سے دیکھتا آیا تھا لیکن یہ پہلا موقع تھا جو کوئی اس میں گرا تھا۔ ہوش آیا تو شام ہورہی تھی۔ مدد کے لئے پکارتی رہی مگر کوئی بھی ادھر سے نہیں گزرا، پہلے آدمی تم ہی ہو۔ میں کافی تگ و دو کے بعد خود کو گڑھے سے نکالنے میں کامیاب ہوئی تھی اور پاؤں کو گھسیٹتے گھسیٹتے گھر جانے کی کوشش کررہی تھی کہ شکر ہے آپ آگئے۔ تم نے مجھے لفٹ دی، میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔

اس کی باتیں میرے دل و دماغ پر حاوی تھیں۔ میں اس کے سحر میں ڈوبتا گیا، کیا حسین و جمیل لڑکی تھی۔ حسن اس کے انگ انگ سے ٹپکتا

تھا۔ خوبصورت خدوخال، کیا تعریف کروں، ہیرا تھی ہیرا۔ اپنی بائیس سالہ زندگی میں اتنا حسین و جمیل چمکتا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ ہم دھیرے دھیرے محو سفر تھے۔ میرا خوف ختم ہوگیا تھا۔ چند لمحے پہلے جو پسینہ پسینہ ہورہا تھا۔ اب خوبصورت لڑکی کا ساتھ پا کر خوش تھا۔ ہم محو گفتگو تھے۔ اس کی میٹھی میٹھی باتیں اپنا گرویدہ بنا رہی تھی۔ اس کی باتوں میں چاشنی تھی، مٹھاس تھا، سرور تھا، میں اس کی سوچوں میں گم بائیک چلا رہا تھا۔

حسن کی شہزادی نے تو قریب ہی بستی کا کہا تھا۔ مگر سفر تھا کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ دور لائٹیں جلتی نظر آتی تھی۔ جہاں سے چلے تھے وہاں بھی ایسی ہی دکھتی تھیں۔ اس نے تو کہا تھا بس قریب ہی ہے لیکن فاصلہ تھا کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

اس کی باتوں میں اتنا محو تھا کہ اس کا نام تک نہ پوچھ سکا، نہ اس کی بستی کا نام پوچھ سکا۔ میں تو اس کے سحر میں ڈوب گیا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ باتوں میں محو تھے کہ اس نے مجھے رکنے کو کہا۔

بس یہی اتار دو۔

میں نے سامنے دیکھا تو خوبصورت محل نما عمارت تھی۔ پھر ملیں گے، اوکے، ہاتھ کے اشارے سے بائے کہہ کر وہ اندر چلی گئی۔

میں اس محل کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ایسا محل تو میرے راستے میں نہیں آتا، یہ میں کہاں آگیا ہوں۔ ابھی یہی سوچا ہی تھا کہ مجھے غنودگی محسوس ہوئی اور پھر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ پل بھر میں پہلے والی روشنی ختم ہوگئی تھی، اور اندھیرا اپنی چادر ہر سو پھیلا چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ میرا دماغ ماؤف ہوجاتا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر آفس کو جانے والی سڑک نظر آگئی۔ اُف میرے خدایا۔ یہ میرے ساتھ کیا ہورہا ہے۔ میں نے اپنی تمام تر توانائی یکجا کی اور آفس کی طرف بڑھ گیا۔ آفس پہنچ کر معمول کے کام نمٹانے لگا۔

کئی دن گزر گئے، میں اس واقعے کو بھول ہی گیا تھا کہ آفس سے واپس جاتے ہوئے اچانک وہ حسین مہ جبیں میرے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

اے اجنبی، بھول گئے ناں مجھے۔ لیکن میں بھولنے والی نہیں ہوں۔ آپ تو میرے دل و جان کے نہاں خانوں میں اتر گئے ہو۔

واقعی، حسن انسان کو اپنا گرویدہ بنا دیتا ہے۔ میں تو دل ہی دل میں اس کا ہوچکا تھا۔ وہ تھی ہی ایسی کہ پہلی نظر میں اپنا دیوانہ کرگئی تھی۔ ایسی ملی کہ ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ روز کام پر آتے جاتے ملاقات ہوجاتی۔ ویک اینڈ پر مجھے اپنے گھر لے گئی۔ خوبصورت محل نما، خوشبوؤں سے معطر معطر، پھولوں سے سجا ہوا۔ میں روم میں بیٹھا خوبصورتی کے گن گا رہا تھا کہ شہزادی کھانا لئے حاضر ہوئی۔ ایسا لذیز کھانا میں نے کبھی نہیں کھایا تھا۔ اور تو اور ایسا کھانا مجھے ملا ہی نہیں تھا۔ خیر کھانا کھانے کے بعد مجھے سیر کرانے لے گئی۔

یہ مجھے تم کہاں لے آئی ہو؟ ایسا لگتا ہے صدیوں پیچھے چلا گیا ہوں۔ نہ کوئی گاڑی نظر آتی ہے، نہ کوئی موٹر سائیکل ارے یہ اونٹ اور گدھے قطاریں بنا کر چلے جارہے ہیں۔ نہ کوئی سڑک ہے، نہ پل، نہ فلائی اوور، میں کس دیس میں آگیا ہوں۔؟

میرے بھولے شہزادے، کتنے بھولے ہو تم۔ یہ میرا دیس ہے۔ تمہارے دیس سے کہیں اچھا

سکون ہے۔ امن سے زندگی کٹتی ہے۔ یہاں کوئی کسی کا دشمن نہیں ہے۔ ہم آگ سے بنے ہیں مگر انسان دوست ہیں۔ جس طرح تم مٹی سے بنے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ سے پیدا فرمایا ہے۔ انسانوں کی طرح جنات میں بھی اچھے اور برے دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ تم گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں ہر آفت، مصیبت سے محفوظ رکھوں گی۔ تمہاری حفاظت میرے ذمہ ہوئی۔ تم مجھے اچھے لگے ہو۔ میں تم سے پیار کرتی ہوں۔ بس تم مجھ سے شادی کرلو۔ عیش کی زندگی گزرے گی۔ بس تم میرے ہو جاؤ۔ زمانے کی ہر چیز تمہارے قدموں میں لا کر رکھ دوں گی۔ تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی۔

وہ بولتی جا رہی تھی اور میں پسینے سے شرابور تھا۔ خوف کے مارے میرا انگ انگ کانپ رہا تھا۔ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ بمشکل میں نے اسے کہا، ہمارا ملن نہیں ہوسکتا۔ تم جنات سے ہو اور میں ابن آدم ہوں۔ آگ اور مٹی کا ملاپ کیسے ممکن ہے؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بس تم مجھے میری دنیا میں چھوڑ دو۔

دیکھو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں تمہارا ہر طرح سے خیال رکھوں گی۔ بس تم ہاں کر دو۔ تمہیں گھر والوں کی فکر ہے ناں، ان کی ہر ضروریات پوری کروں گی۔ لیکن انکار مت کرو۔ کافی بحث و تکرار ہوتی رہی۔

میں اس کی باتوں میں آ ہی گیا اور پھر انسان ازل سے لالچی رہا ہے۔ مجھے ہر خوشی مل رہی تھی اور تو اور میرا گھر والوں کا بھی خیال رکھا جانا تھا۔ میں ہاں کہنے ہی والا کہ میرا دماغ ماؤف ہونے رہا۔ ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ ایک سفید پوش آن کھڑا ہوا۔ کہنے لگا

بیٹا! یہ تم کیا کر رہے ہو۔ اپنے باپ کی نصیحت بھول گئے ہو۔ تم یہاں عیش و آرام کے مزے لے رہے ہو۔ ادھر تمہاری ماں رو رو کر ہلکان ہو رہی ہے۔ تمہاری بہن تمہارے غم میں نڈھال ہے۔ اپنے چھوٹے بھائیوں کے بارے میں سوچا ہے بیچارے گم سم رہنے لگے ہیں۔ لوٹ جاؤ اپنی دنیا میں۔ ان کو تمہاری ضرورت ہے۔ اپنے باپ کے ساتھ کیے گئے عہد نبھاؤ۔ تمہاری منگیتر تمہاری راہیں تک رہی ہے۔ یہ کلمات میں پڑھ رہا ہوں تم بھی ویسے ہی پڑھتے جاؤ۔ یہاں سے آزاد ہو جاؤ گے۔ پھر سفید پوش بزرگ کلمات پڑھتا گیا اور میں ان کی نقل کرتا گیا۔

جب آنکھ کھلی تو سب کچھ بدل چکا تھا۔ گھر کے صحن میں میں چارپائی پر پڑا بخار سے تڑپ رہا تھا اور میرے اردگرد میرے گھر والے اداس بیٹھے تھے۔ میرا سر ماں جی کی گود میں تھا اور چھوٹی میرے چہرے کو تکے جا رہی تھی۔ بھائی میرے پاؤں کی تلیاں مسل رہے تھے۔ میں یہاں کیسے پہنچا۔؟ میں نے بڑبڑاتے ہوئے ماں جی سے پوچھا۔

بیٹا! تم تو دو ماہ سے غائب تھے۔ ایک دن کام پر کیا گئے پھر واپس نہیں آئے۔ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں۔ تھانے میں رپوٹ کی، گلی محلے چھان مارے، مگر تمہارا سراغ تک نہ ملا۔ پیروں، فقیروں کے پاس دم درود کرائے۔ میری فریادیں سنی گئیں۔ کل رات کو تم بیٹھک والے کیکر تلے بے ہوش پڑے تھے۔ تمہارا بھائی ادھر سے

ہوا آیا۔ بیٹا! تم آخر کہاں چلے گئے تھے۔؟ ایک کیکر تلے رات کے اندھیرے میں بے ہوش پڑے ہونا میری سمجھ سے باہر ہے۔ کچھ تو ہمیں بتاؤ۔

اماں جی! کے پوچھنے پر میں نے اپنے ساتھ بیتے والی تمام داستان سنا دی۔ ماں صدقے واری ہونے لگی اور شکرانے کے نفل ادا کیے۔ اب میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ جب سے اس بزرگ نے کلمات کا ورد بتایا تھا۔ تب سے میرے اردگرد حصار سا ہے۔ محافظوں کی ایک جماعت میرے اردگرد رہتی ہے۔

اس واقعہ کے چھ ماہ بعد میں نے شادی کر لی اور خوشگوار زندگی گزار رہا ہوں۔ میری وہ محبوبہ آج بھی مجھ پر مرتی ہے۔ میرے حصار کے باہر برے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا کہنا ہے۔

اے ابن آدم کیا ہوا، جو تو نے مجھے اپنایا نہیں میں تو تم پر مرتی ہوں اور مرتی رہوں گی جب تک جان ہے یہ جان تمہاری ہے۔ یہ بھی سچ ہے جو کوئی آفت آنے لگتی ہے تو وہ دیوار بن جاتی ہے۔ کئی دفعہ حادثات کا شکار ہوا ہوں مگر رتی برابر بھی چوٹ نہیں لگی۔ میری محبوبہ مجھے چوٹ لگنے بھی نہیں دیتی۔ جب بھی میں گرنے لگتا ہوں ایسا لگتا ہے کوئی ہاتھ مجھے سنبھال لیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری وہ محبوبہ مجھے کبھی بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ میں ہی بے وفا تھا جو اس کے ساتھ وفا نہ کر سکا۔ وہ مہ جبیں ہر لمحہ ہر پل میرا خیال رکھتی ہے۔ کیا خوب بات اس نے مجھے کہی تھی۔ اے ابن آدم! جس طرح تم قرآن مجید پر ایمان رکھتے

... کرتے ہیں۔ جس دن سے تم نے کلمات کا ورد رکھا ہے، تمہارے اردگرد حصار سا بن گیا ہے۔ میں اس حصار کو توڑ کر اندر نہیں آ سکتی مگر حصار کے باہر تمہارا خیال میرے لئے لازم ہے۔ بس میں تمہیں چاہتی تھی، چاہتی ہوں اور چاہتی رہوں گی۔ میری محبت ہمیشہ سایہ بن کر تمہارے ساتھ رہے گی۔ کیونکہ محبت کرنا جرم نہیں ہے، محبت عبادت ہے اور میں نے عبادت کی ہے۔ کوئی محبوب اپنے محبوب کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔ محبت قرب نہیں مانگتی، بس محبوب کو خوش دیکھنا چاہتی ہے اور میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔

اس کی باتیں آج بھی میرے سماعتوں سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ کیسی عجیب محبت ہے۔ جب بھی تنہا ہوتا ہوں اس کی باتوں، اس کی سوچوں میں گم ہو جاتا ہوں۔

... ہم نفس میرے ہمنوا مجھے بھول جا مجھے بھو! ...

یہ دکھوں کی لمبی مسافتیں کبھی نفرتیں کبھی چاہتیں

یہ ذرا ذرا سی رنجشیں شکایتیں کہیں کر نہ دے پھر ہمیں جدا

میرے ہم نفس میرے ہمنوا مجھے بھول جا مجھے بھول جا

میں غریب مفلس بے اماں میرے ساتھ تو جائے گی کہاں

میری بات پگلی تو مان لے ذرا سوچ لے ذرا جان لے

تجھے دے سکوں گا میں کیا بھلا مجھے بھول جا

میرے ہم نفس میرے ہمنوا مجھے بھول جا مجھے بھول جا

تو ہے خوب صورت دل نشیں تجھے مل ہی جائے گا ہم نشیں

تو تلاش کر نیا ہمسفر مجھے پھرنے دے یونہی در بدر

میرے پاس دکھوں کے سوا کیا میرے ہم نفس میرے ہمنوا!

میرے ہم نفس میرے ہمنوا مجھے بھول جا مجھے بھ!

رانو بابر علی ساغر۔ مبارکہ

سبز موتی

---تحریر: رابعہ ارشد۔ منڈی بہاؤالدین

تو کیا سمجھتی ہے تو بہت طاقتور ہے۔ آ مجھ سے مقابلہ کر۔ شازل نے اسے للکارتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے اپنی تلوار پر گرفت مضبوط کر لی تھی رمپا نے بھی ہاتھ بلند کیا تو اس کے ہاتھ میں بھی تلوار آ گئی شازل اور اس کی لڑائی بڑی سخت تھی۔ دونوں طرف سے ہی بھرپور وار ہو رہے تھے وہ بہت زیادہ زخمی ہو چکا تھا مگر رمپا کو جہاں زخم ہوتا فوراً ہی بھر جاتا شبیر کوشش کر رہا تھا کہ وہ کسی طرح سے رمپا کے بالوں سے موتیے کا پھول اتار لے اپنی اس کوشش میں وہ کافی زخمی بھی ہو گیا تھا آخر کار شازل نے اس کی گردن پر ایسا وار کیا کہ اس کی گردن تن سے جدا ہو کر دور جا گری۔ اور اس کا سر اس کے قدموں میں آ گرا۔ اس نے فوراً سے پیشتر اس کے بالوں سے پھول نکال لیا اس کی گردن اسی لمحے دوباہ دھڑ سے جڑ گئی اب وہ بے بس ہو کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور پھر منت بھرے انداز میں بولی۔ دیکھو اس پھول کو کچھ مت کرنا یہ مجھے دے دو یہ تمہارے کسی کام کا نہیں ہے میں تم سے ہر بات کے لیے معافی مانگتی ہوں میں سب چھوڑ دوں گی میں کچھ نہیں کروں گی بس وہ پھول مجھے دے دو وہ خوفزدہ ہو کر چلانے لگی تھی۔ شبیر جلدی سے پھول کو توڑ دو موحد کی کراہتی ہوئی آواز سنائی دی وہ ہوش میں آ چکا تھا موحد کی حالت دیکھ کر اس نے غصہ سے پھول کی ایک پتی توڑنی شروع کر دی۔ نہیں نہیں ایسا مت کرنا۔ رمپا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا مجھے معاف کر دو میں تم لوگوں سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں آج کے بعد کسی کو بھی کچھ نہیں کہوں گی یہاں سے بہت دور چلی جاؤں گی بس یہ پھول مجھے واپس کر دو۔ نہیں شبیر تم نے اسکی باتوں میں مت آنا۔ بس اس پھول کو پوری طرح مسل دو موحد نے ہمت کرتے ہوئے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور شبیر نے ایسا ہی کیا اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پھول کو ہاتھوں میں مسلنا شروع کر دیا اس کی ایک ایک پتی کو بکھیر دیا۔ وہ ایسا کرتا جا رہا تھا جبکہ رمپا کے جسم کے حصے بھی علیحدہ ہو کر گرتے جا رہے تھے۔ اس کے سر بازو ٹانگیں ہر عضو علیحدہ ہو کر گرنے لگا اور ہر طرف رمپا کی چیخیں گونجنے لگیں آخر کار اس نے پھول کو نیچے زمین پر پھینک کر پاؤں سے مسل دیا۔ تو وہاں سبز رنگ کا گہرا دھواں پھیلنے لگا ان کو سانس لینا بھی دشوار ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ ایک دوسرے سے بولے جلدی سے غار سے باہر بھاگو۔ اور پھر وہ غار سے باہر بھاگ نکلے۔ غار ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گئی تھی وہ بیہوش ہو چکے تھے جب انکو ہوش آیا تو وہ درخت کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ ۔ ایک دلچسپ اور سنسنی خیز کہانی۔

انگریز گرمی کی شدت سے گھبرا کر وہ گھر سے باہر نکلا اور گاؤں کے پاس سے گزرتی ہوئی ندی کے کنارے لگے گھنے آم کے درخت کے سائے میں بیٹھ گیا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی وہ مزے سے آنکھیں موند کر درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا ابھی

چیخ آ گری اس نے ایک دم گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور گھبرا کر اپنی گود میں دیکھا اس کے اوسان خطا ہو گئے وہ ایک دم سا اٹھ کھڑا ہوا تو ایک کھوپڑی اس کی گود میں لڑھک کر نیچے جا گری جس کی آنکھیں سلامت تھیں اور لال تھیں ان سے شیطانیت ٹپک رہی تھی وہ پھٹی آنکھوں کے ساتھ اس کھوپڑی کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے درخت پر دیکھا وہ پھٹی آنکھوں سے اس کھوپڑی کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے درخت پر دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا اس نے ڈر کر ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی بھی اس کو دیکھائی نہ دیا۔ معاً ہی اس پر گرم گرم خون کی بوچھاڑ ہونے لگی ساتھ ہی دل دہلا دینے والی چیخوں کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو گیا اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر تھوڑی دور جا کر ہی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ دوبارہ جب وہ عالم شعور میں آیا تو اس نے خود کو اپنے گھر میں چارپائی پر لیٹے ہوئے پایا۔ چھوٹی بہن تہذیب پاس بیٹھی سورہ یسین پڑھ رہی تھی ماں روتے ہوئے اس کے بال سہلا رہی تھی ساتھ ساتھ کچھ پڑھ کر اس پر پھونکتی جا رہی تھی اس کو ہوش میں آتا دیکھ کر سفینہ بیگم فرط جذبات سے مغلوب ہو کر اس کی طرف بڑھیں تہذیب کے چہرے پر بھی اطمینان چھلکا اس نے دعائیہ انداز سے ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا چھوٹا بھائی شہیر خوشی سے آگے بڑھا اور اس کو اٹھا کر بٹھایا اس کی منگیتر اور چچازاد مناہل جو جانے کب سے ستون سے ٹیک لگائے اس کو اداس نظروں سے دیکھ رہی تھی اس کو ہوش میں آتا دیکھ کر اس کی طرف دوڑ کر آئی۔

موہی موہی تم ٹھیک ہو۔ وہ بے چینی سے پوچھنے لگی۔ موحد نے صرف اثبات میں سر ہلایا اور پانی مانگا شہیر نے پانی گلاس میں ڈال کر اس کی طرف بڑھایا۔ ذرا حواس بحال ہوئے تو اسے سب

میں گھر کیسے پہنچا۔

شہیر نے کہا۔ میں اسے زبیر شہر سے واپس آ رہے تھے تو آپ راستے میں بے ہوش پڑے تھے تو ہم آپ کو اٹھا کر گھر لے آئے مگر ہوا کیا تھا سب کے ذہن میں کلبلاتا سوال شہیر نے کر دیا۔

موحد نے ساری بات بتا دی جسے سن کر سب کے رونگٹے کھڑے ہوئے کوئی بھی یقین کرنے کو تیار نہ تھا مگر اس کے خون آلود کپڑے دیکھ کر سب کو یقین کرنا پڑا سب نے بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کیا۔ کہ موحد زندہ سلامت گھر پہنچ گیا ہے تہذیب بولی۔

چلئے بھائی آپ نہا لیں پھر مولوی صاحب کے پاس جائیں دم کروانے۔

سب نے اس کی تائید کی موحد چارپائی سے اٹھ کر کھڑا ہوا اس کی نظر سامنے کھڑی مناہل کی نظر سے ٹکرائی مناہل کی نظریں جھک گئیں وہ رو رہی تھی موحد کے دل کو کچھ ہوا اس کی تسلی کے لیے وہ مسکرایا تو وہ بھی مسکرا دی پھر شام تک گاؤں والے اس کا پتہ لینے آتے رہے یونہی دن گزر گیا۔

دوسرے دن وہ سب چھت پر بیٹھے تھے اور خوشگوار ماحول میں باتیں کر رہے تھے مناہل نے پوچھا موہی تم وہاں کیوں گئے تھے کیا ضرورت تھی تمہیں وہاں جانے کی۔

موحد نے بے چارگی سے جواب دیا بتایا تو ہے کہ گرمی لگ رہی تھی تو

پھر وہاں خونی بارش انجوائے کرتے ناں۔۔۔ بھاگے کیوں تھے مناہل نے منہ چڑایا سب ہنس پڑے شہیر کہاں پیچھے رہنے والا تھا جھٹ سے بولا۔

نہیں بھائی کو آپ کے بغیر بارش کا مزہ نہیں آ رہا تھا وہ تو آپ کو بلانے آ رہے تھے کہ ملکر بارش کا

...لی میں بھا... آس سب وہ تینوں بھاگتے ہوئے جنگلے ... اور گلی میں دیکھا چند لوگ ایک نوجوان کو ... پائی پر ڈالے لے جا رہے تھے اس کے جسم پر ... لگا ہوا تھا اور ٹھیک سے پہنچانا بھی نہیں جا رہا تھا ... تہذیب نے فوراً پہنچان لیا۔

یہ تو شازل ہے

موحد کا رنگ اڑ گیا وہ گھبرا کر بولا۔

تمہیں کیسے پتہ یہ تو پہنچانا نہیں جا رہا ہے۔

شہیر نے بھی الجھ کر اس کی طرف دیکھا مگر اس کا جواب دینے بغیر ہی دونوں سیڑھیوں کی طرف بھاگے ... شازل کے گھر پہنچے مناہل نے تہذیب کو حوصلہ دیا اور کہا۔

تم پریشان نہ ہو تہذیب اللہ سب بہتر کرے گا۔ مگر تہذیب روئے جا رہی تھی پھر مناہل نے تہذیب کی امی کو ساتھ لیا اور تینوں شازل کے گھر ... گئیں وہاں بہت رش تھا ڈاکٹر بڑی تگ و دو کے بعد بھی اس کے جسم سے زخم ڈھونڈنے میں ناکام ... رہا مگر خون بہت زیادہ تھا پھر اس کو چارپائی پر لیٹے ہوئے ہی پانی ڈال کر نہلایا گیا یہ دیکھ کر سب حیران ... ہو گئے کہ اس کے جسم پر کسی قسم کا کوئی زخم نہیں تھا پھر سب کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ اس کے ساتھ بھی موحد والا معاملہ ہوا ہے مولوی صاحب نے آ کر اسے دم کیا اور کہا۔

یہ ٹھیک ہو جائیگا۔ پریشان مت ہونا

شازل کی ماں نے پوچھا۔۔ امام صاحب اس کو ہوا کیا ہے۔

وہ کافی پریشان نظر آ رہے تھے بولے اس کا اور موحد کا ایک ہی معاملہ ہے مگر مجھے حقیقت نہیں معلوم چند دن تک میں معلوم کر کے آپ کو بتاؤں گا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

ہجوم چھٹ گیا شہیر اپنے جگری یار کی یہ حالت دیکھ کر سکتے میں آ گیا تھا۔ تہذیب نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا ہوا تھا امام صاحب کی بات سنکر اس کو کافی حوصلہ ہوا تھا پھر مزید ایک گھنٹہ رک کر وہ اپنے گھر لوٹ آئے مگر شہیر وہیں رک گیا تھا مناہل کا گھر موحد کے ساتھ ہی تھا وہ اپنے گھر چلی گئی آہستہ آہستہ سب ہی نیند کی وادیوں میں اترتے چلے گئے۔

رحمان اور ارمان دونوں بھائی تھے ان کی کوئی بہن نہ تھی ماں باپ نے ان کو بڑی محبت اور محنت سے پالا تھا پوری نیک نیتی سے انکی تربیت کی مگر رحمان صاحب پر بی اے کرنے کے بعد بیرون ملک جانے کی دھن سوار ہو گئی تھی لہذا والدین نے اسے یورپ بجھوا دیا انکو تین بچے تھے موحد جو انجینئرنگ پڑھ رہا تھا اس سے چھوٹا شہیر سیکنڈ ایئر میں اور پھر تہذیب تھی جو فرسٹ ایئر میں تھی دونوں میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہے تھے ان کی خوش قسمتی تھی کہ انکے تینوں بچے بڑے ذہین تھے ارمان صاحب بھی کوئی کم خوش قسمت نہ تھے انکی بھی بڑی بیٹی علینہ سائکولوجسٹ بن رہی تھی اس سے چھوٹی مناہل جو موحد کی کلاس فیلو تھی اس سے چھوٹا ارسل جو ابھی میٹرک میں تھا ارمان صاحب خود پروفیسر تھے اس لیے سب بچوں پر بڑی سختی کے تھے اور پڑھائی کے معاملے میں کسی کو کوئی رعایت نہ دیتے تھے سب اپنی اپنی زندگیوں میں مگن تھے کہ اچانک جانے گاؤں کی خوش حالی کو کس کی نظر کھا گئی ہر طرف خوف و ہراس پھیل گیا جو شخص بھی نہر کے کنارے لگے آم کے اس بڑے سے درخت کے نیچے بیٹھتا اس پر خون کی بارش ہونے لگتی پھر ایک دم گاؤں سے نوجوان لڑکیاں غائب ہونے لگیں سب لوگ بہت

پریشان ہے پو[illegible] اپنی ہر [illegible] میں [illegible] ناکام ہو چکی تھی اب یہ معاملہ امام صاحب کے سپرد کیا گیا انہوں نے کہا کہ چند دن تک معلوم ہو جائے گا۔

صبح فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد سب لوگ مسجد سے نکل رہے تھے کہ شازل موحد اور شہیر وہیں بیٹھ گئے اب شازل کی طبیعت بالکل ٹھیک تھی سب کے چلے جانے کے بعد وہ تینوں امام صاحب کے قریب گئے اور ادب سے سلام کیا انہوں نے شفقت سے مسکرا کر جواب دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ قالین پر دوزانوں بیٹھ گئے۔

امام صاحب کچھ پتہ چلا آپ کو اس مسئلے کے بارے میں وہ اس کا اشارہ سمجھ گئے تھے ہلکے سے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے بولے۔

ہاں بیٹا پتہ تو چل گیا ہے مگر کچھ زیادہ جان کاری نہیں ہو سکی۔

کیا امام صاحب کیا پتہ چلا ہے کون کر رہا ہے یہ سب موحد کے مزید کچھ پوچھنے سے پہلے ہی شہیر بے چینی سے بولا۔ اسکی بات سن کر امام صاحب بولے۔

یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کے پیچھے ایک عورت ہے جو زبردست کالی قوتوں کی مالک ہے وہ ہر روز گاؤں سے ایک لڑکی غائب کرتی ہے اور اس کی شہ رگ کاٹ کر اس کا خون ایک لڑکے پر ڈالتی ہے

وہ کون ہے اور ایسا کیوں کر رہی ہے

مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون ہے مگر جو کچھ بتا رہا ہوں ایسا ہی ہے۔

مگر امام صاحب پھر ہم اس کو کیسے روکیں گے شازل نے پوچھا۔

ہاں ایک طریقہ ہے اس کو روکنے کا امام صاحب بولے۔

وہ کون سا طریقہ ہے تینوں نے بیک وقت

میں تم لوگوں کو ایک پتہ دیتا ہوں اس پتہ پر چلے جاؤ وہاں تمہیں میرے استاد محترم ملیں گے ان کو میرا سلام کہنا اور مسئلہ بتانا اس وقت میری نظر میں وہی ہیں جو تم لوگوں کا وسیلہ بن سکتے ہیں۔ امام صاحب اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے اور منتظر نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔

آپ ہمیں انکا پتہ دیں ہم ان سے ملیں گے موحد نے کہا امام صاحب نے انہیں کاغذ پر ایک پتہ لکھ کر دیا اور دعائیں دے کر ان کو رخصت کیا۔ پھر وہ تینوں مسجد سے باہر نکل کر گھر کی طرف چل دیئے انکا پروگرام تھا کہ ناشتے کے فوراً بعد وہ روانہ ہوں گے شازل شہیر کا بہت گہرا دوست تھا دونوں کے خاندان ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے شہیر نے زبردستی شازل کو ساتھ گھسیٹا اور گیٹ پار کر گیا شازل اندر داخل ہوا تو تہذیب بڑے مزے سے کرسی پر بیٹھی تھی ایک دوسرے کو دیکھ کر دونوں کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی شازل نے اسے سلام کیا اس نے جواب دے کر ایک نظر اسے دیکھا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

ناشتے کے بعد تینوں نے گھر میں بتایا کہ چند دوستوں کے ساتھ شہر گھومنے کا پروگرام ہے رات تک آ جائیں گے شازل کے گھر بھی یہی جھوٹ بولا گیا پھر وہ تینوں سفر پر روانہ ہو گئے تین گھنٹوں کی مسافت کے بعد وہ منزل مقصود پر جا پہنچے دروازے پر دستک دی وایک نوجوان نے دروازہ کھولا انہوں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا وہ انکو بٹھا کر خود اندر چلا گیا وہ تینوں ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگے جو کہ بہت نفاست سے سجایا گیا تھا تھوڑی دیر بعد وہی لڑکا ان کے لیے مشروب لے کر آیا موحد نے باباجی کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ" باباجی تھوڑی دیر تک آ جائیں گے پھر وہ چلا گیا قریباً باب

[illegible] ایک [illegible] بزرگ اندر داخل ہوئے تینوں نے کھڑے ہو کر سلام کیا انہوں نے محبت سے جواب دے کر حال احوال پوچھا۔ اور پھر آنے کا مقصد پوچھا۔

انہوں نے تفصیل سے سب کچھ بتا دیا اور مولوی صاحب کا حوالہ دیا۔ سارا معاملہ سن کر ان کے پُرنور چہرے پر سختی آ گئی پھر وہ کچھ دیر تک آنکھیں بند کیے زیرِ لب کچھ پڑھتے رہے انکے ہونٹ بڑے آہستہ آہستہ کانپ رہے تھے قریباً پندرہ منٹ تک ان کی ایسی ہی کیفیت رہی پھر انہوں نے آنکھیں کھولیں اور بولے

بیٹا میں اس بیتنے والی کہانی کی تمام حقیقت کو جان گیا ہوں اس کا نام رمپا ہے وہ ہندو ہے اور کالے علم کی ماہر ہے اس نے ایک لڑکے پر عمل شروع کیا ہوا ہے جسے وہ اپنی ناقابل تسخیر قوت بنانا چاہتی ہے اس لڑکے پر وہ انچاس لڑکیوں کا خون ڈالے گی تو وہ عفریت کا روپ دھار لے گا اور تباہی مچا دے گا۔ وہ ایک گھناؤنا کھیل کھیلنا چاہتی ہے۔

باباجی کی بات سن کر ان کو جیسے کرنٹ سا لگا ہو تب شازل نے پوچھا

مگر باباجی وہ درخت جو نہر کنارے واقع ہے اس پر سے خون کیوں گرتا ہے

بیٹا تم لوگوں نے شاید غور نہیں کیا اس درخت کے اردگرد جو گھاس اگی ہوئی ہے اس کے اندر ایک موتی ہے جو سبز رنگ کا ہے۔۔۔ اس موتی میں رمپا کی طاقتیں موجود ہیں انکو ہاتھ لگانے سے وہ ساری طاقتیں کمزور ہو جائیں گی اس لیے وہاں خونی بارش ہوتی ہے کہ کوئی اس جگہ بیٹھ نہ جائے یا اس موتی کو چھو نہ سکے۔ وہ کسی بھی طرح اپنی طاقتوں کو کمزور نہیں کرنا چاہتی۔ باباجی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

باباجی اس کو ختم کیسے کیا جا سکتا ہے شہیر نے سوال کیا تو باباجی بولے۔

اسکے لیے تمہیں اس موتی کی دنیا میں جانا پڑے گا۔ باباجی کی اس بات پر تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا انکے دلوں کو جیسے کوئی جھٹکا سا لگا ہو جیسے باباجی نے کوئی انہونی بات کر دی ہو پھر شازل بولا۔

باباجی وہ دنیا کہاں ہے۔

وہ دنیا موتی کے اندر ہے۔

کیا کیا موتی کے اندر۔

وہ حیران ہوتے ہوئے بولے بھلا ایک موتی کے اندر پوری دنیا کیسے سما سکتی ہے۔ موحد نے حیرانگی سے کہا۔

بیٹا ایسا ہی ہوتا ہے وہ ایک طلسمی دنیا ہے۔

لیکن باباجی ہم اس دنیا میں جائیں گے کیسے

اس کے لیے تم لوگوں کو وہ سبز موتی تلاش کرنا ہوگا جب تم اس کو تلاش کر لو گے تو اس موتی کو غور سے دیکھنا تم کو اس کے اندر ایک سوراخ دکھائی دے گا۔ تم نے اس سوراخ کو بس غور سے دیکھتے جانا ہے تم کو یوں محسوس ہوگا جیسے تم لوگوں کو چکر آ رہے ہیں۔ یہ سب اس موتی کے طلسم کا کمال ہوگا وہ تم کو دھیرے دھیرے اس کے اندر کھینچ لے گا۔ اور تم اس دنیا سے اس دنیا میں چلے جاؤ گے۔ مگر جب تم اس موتی کو چھوؤ گے تو اس کی آدھی طاقتیں ختم ہو جائیں گی۔ بابا نے موتی کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

باباجی کیا یہ کام ہم آج ہی کر سکتے ہیں۔

ہاں بیٹا بالکل کیونکہ دن بہت ہی کم رہ گئے ہیں اگر تم آج ہی اس دنیا میں جاؤ تو کل تک واپس بھی لوٹ سکتے ہو کیونکہ ہماری دنیا کا وقت بہت آہستگی سے گزرتا ہے جبکہ اس دنیا میں جب داخل ہو گے تو جس طرف تمہارا منہ ہوا اسی طرف

چلنا شروع کر دینا راستے میں تمہیں دشمن ہی دشمن ملیں گے بس تم نے ان سب کو ختم کرتے جانا ہے کسی کو بھی معاف نہیں کرنا۔ کیونکہ اس دنیا میں کوئی بھی تمہارا اپنا نہیں ہوگا سب ہی اس رمپا کے لوگ ہوں گے ان لوگوں کو ختم کرنے کے بعد تم کو رمپا دکھائی دے گی مگر اس کو زیر کرنے سے پہلے اس کے بالوں میں لگا ہوا سفید موتیے کا پھول تم نے اتار کر توڑنا ہے کیونکہ اگر تم لوگوں نے ایسا نہ کیا تو وہ نہیں مرے گی بابا جی نے کچھ توقف کیا وہ سب دم سادھے انکی باتیں سن رہے تھے تب شازل نے کہا۔

بابا جی ہم اس دنیا کے اتنے سارے لوگوں کو ختم کیسے کرسکتے ہیں جبکہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور پھر وہ سب کوئی عام لوگ تو نہیں ہوں گے ناں۔

بابا جی اس کی بات کو سنا اور بولے ہاں میں جانتا ہوں کہ تمہارے پاس ان سب کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے پھر انہوں نے اس لڑکے کو آواز دی علی میرا سامان لے کر آؤ وہ ایک تھیلا ہاتھ میں لیے کمرے میں داخل ہوا اور بابا جی کے سامنے رکھ دیا انہوں نے اس میں سے تین تلواریں نکال کر ان کو دیں اور تین انگوٹھیاں پہننے کے لیے دیں اور کہا۔

یہ تلواریں دشمنوں سے لڑنے میں تمہیں مدد دیں گی اور یہ انگوٹھیاں تمہیں شیطانی طاقتوں کے شر سے محفوظ رکھیں گی تم جاؤ اور آج سے ہی اپنا کام شروع کر دو کیونکہ صرف دو لڑکیوں کی بلی باقی رہ گئی ہے اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔

شکریہ بابا جی۔ وہ تینوں اتنا کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بابا جی کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئے اور گاؤں کی طرف چل دیے۔۔۔۔ ایک لمبی مسافت طے کرنے کے بعد وہ گاؤں میں

اچھے۔ گاؤں والوں [illegible] بجائے شہر کا رخ کیا ارسل وہاں پہلے سے ان کا منتظر تھا۔ جس کو انہوں نے فون کر کے بلا لیا تھا۔

مجھے یہاں کیوں بلایا ہے آپ نے بھائی اس نے موحد سے پوچھا۔ اس نے سا کو ساری بات تفصیلاً سمجھا دی اور کہا کہ گھر میں بتا دینا کہ ہم نے تمہیں اطلاع کر دی تھی کہ وہ رات کو گھر نہیں آئیں گے۔

مگر بھائی اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔

ہمیں کچھ نہیں ہوگا پاگل بس تم گھر میں سب کا خیال رکھنا شہیر نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا

مگر بھائی میں اکیلا یہ بات دل میں چھپا کر نہیں رکھ سکتا میں گھر میں سب کو بتا دوں گا تاکہ امی اور باقی سب آپ کے لیے دعا کریں۔ اسکی بات سن کر وہ سوچنے لگا پھر بولا۔

ٹھیک ہے بتا دینا سب کو۔ کیوں شازل میں نے ٹھیک کہا ہے۔

ہاں بھائی ٹھیک کہا ہے ماں کی دعا ساتھ ہوگی تو مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔

موحد بولا ٹھیک ہے اب تم جاؤ ہمیں دیر ہو رہی ہے شہیر نے اسے کہا وہ ان کو خدا حافظ کہہ کر گھر چلا گیا شہیر شازل جلدی کو زہ موتی ڈھونڈو وقت کم ہے شام قریب آ رہی ہے

اوکے ٹھیک ہے اتنا کہہ کر وہ سب موتی تلاش کرنے لگے کبھی کس جگہ کبھی کس جگہ بالآخر موتی شازل نے تلاش کر ہی لیا اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہ اس نے جلدی سے دونوں کو بلایا وہ بھی دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے آتے ہی موحد نے اس موتی کو اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اس کے ایسا کرنے کی دیر تھی کہ یکدم تیز آندھی چلنے لگی آندھی اس قدر تیز تھی کہ ان تینوں کا سنبھلنا مشکل ہو گیا تھا لیکن وہ ان

کے باوجود ہی ثابت قدم رہے لیکن حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے خیر چند منٹ کے بعد وہ آندھی خود بخود تھم گئی تو انہیں نے دیکھا کہ وہ موتی بہت خوبصورت تھا اور چمک رہا تھا اس پر سبز پارہ لگا ہوا تھا موحد نے اس کو نیچے زمین پر رکھ کر بابا جی کی ہدایت کے مطابق اس کے سوراخ کو غور سے دیکھنا شروع کر دیا شہیر اور شال کے دیکھتے ہی دیکھتے موحد کا سر چکرانے لگا اور اس کا جسم ایک لمبی پتلی لکیر کی صورت میں موتی کے سوراخ میں داخل ہونے لگا وہ سوراخ دوسری طرف سے بند تھا اس کے بعد شہیر اور شازل نے بھی ایسے ہی کیا وہ دونوں بھی ایک لمبی لکیر کی شکل میں سوراخ میں داخل ہو گئے۔

ارسل نے گھر جا کر سب کو ساری بات بتا دی پہلے تو سب بہت ہی پریشان ہو گئے اور غصہ بھی انکو آیا مگر بعد میں امی جان اور باقی سب ان کے لیے دعا گو ہو گئے شازل کی امی اور بہن مہوش بھی انکے لیے دعائیں کر رہی تھیں ایک طرح سے یہ انکے لیے باعث فخر بات تھی کہ ان کے بیٹے ایک عظیم مقصد کے لیے گئے ہیں چنانچہ امام مسجد صاحب کو بھی بتا گیا جنہوں نے سب گاؤں والوں کو بھی دعا کی درخواست کی سب بہت خوش بھی تھے اور ان کی زندگیوں کے لیے پریشان بھی مگر سب لوگ ان کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔

دوسری طرف جب ان تینوں کو ہوش آیا تو انہوں نے خود کو ایک عجیب و غریب جگہ پر پایا وہ جگہ نہ تو کوئی عمارت تھی نہ سبزہ زار اور نہ ہی میدان مگر وہاں ہر چیز سبز تھی ان کے چہروں پر حیرت پھیلی ہوئی تھی وہ ادھر ادھر ہر چیز کو بغور دیکھ رہے تھے پھر ان تینوں کے منہ جس طرف تھے وہ اسی طرف چل پڑے وہاں کی زمین بھی سبز تھی یہاں تک کہ انکے اردگرد سبز رنگ کی دھند سی چھائی ہوئی تھی زیادہ فاصلے سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا شازل بولا۔

شہیر تم اور موحد بھائی یہاں آ کر کیوں رنگ بدل رہے ہو اس نے ذو معنی بات کی شہیر نے کہا۔

اگر یہی سوال ہم تم سے پوچھیں تو۔

وہ جانتا تھا کہ یہاں پر ہر چیز سبز ہے اس لیے وہ بھی سبز نظر آ رہے تھے جواب میں ابھی شازل کچھ کہنے ہی والا تھا کہ موحد بولا۔

وہ۔۔۔ وہ سامنے دیکھو۔

ان دونوں نے سامنے کی طرف دیکھا تو انکی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں وہاں سے سیلاب آ رہا تھا سبز رنگ کا سیال مادہ تیزی سے بہتا ہوا آ رہا تھا اس پر بنتے بلبلے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ ابل رہا ہے وہ تیزی سے یہ منظر دیکھ کر ایک طرف بھاگے اچانک موحد بولا رک جاؤ بابا جی نے کہا تھا کہ جس طرف چلنا شروع کرنا ہے اسی طرف ہی چلتے رہنا ہے اور ویسے بھی ہمارے پاس انگوٹھیاں ہیں ہمیں کچھ نہیں ہوگا اس کی اس بات پر ان دونوں کو بھی حواس بحال ہوئے وہ رک گئے اور سیلاب کی طرف دیکھنے لگے سیلاب دھیرے دھیرے ان کے قریب آ رہا تھا انہوں نے اپنی انگوٹھیاں آگے کر دیں تو ان میں سے سرخ رنگ کی تین شعاعیں نکلیں اور اکھٹی ہو کر سرخ سیلاب کی شکل میں آگے بڑھیں اور جب دونوں آپس میں ٹکرائیں تو دونوں ہی غائب ہو گئے گرمی بہت بڑھ چکی تھی وہ تینوں تیزی سے آگے بڑھے اور اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ جس نے انہیں اس خوفناک سیلاب سے بچا لیا ورنہ ان کی صرف ہڈیاں ہی بچتیں۔ اب وہ ایک کھلے سرسبز میدان میں پہنچ گئے تھے شہیر نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔

یار یہاں تو آسمان بھی سبز ہے موحد بڑبڑایا

ساون کے اندھے کو ہرا ہی سوجھتا ہے شہیر تیزی سے بولا

کیا کہا آپ نے وہ لڑنے پر آمادہ نظر آ

شازل کی ہنسی چھوٹ گئی۔

یار جب تمہیں پتہ بھی ہے کہ یہاں کی ہر چیز سبز ہے تو پھر یہ بے تکے سوال کر رہے ہو بس یار لڑائی بعد میں بھی ہوتی رہے گی پہلے آگے کا سوچو۔ شازل نے سمجھانے کے انداز میں دونوں سے کہا۔ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور پھر وہ تینوں چونکے ہو کر آگے کی طرف بڑھنے لگے دفعتاً ان کو سامنے سے پرندے آتے ہوئے دکھائی دیے وہ جسامت میں بہت بڑے تھے اور چیلوں جیسی آوازیں نکال رہے تھے ان کی آوازوں میں قدرتی خوف تھا جسے سن کر وہ تینوں ہی ڈر گئے شہیر کے ماتھے پر پسینہ آ گیا شازل نے بھی گھبرا کر موحد کی طرف دیکھا اور کہا۔

بھائی اب کیا کریں یہ تو ہماری طرف ہی اڑتے ہوئے آ رہے ہیں۔

موحد جو خود بھی کافی ڈرا ہوا تھا مگر اس نے دلوں پر اپنا خوف ظاہر نہ کیا اور بولا کوئی بات نہیں ہم ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں تم اپنی تلواروں پر اپنی گرفت مضبوط کر لو اور ڈٹ کر ان کا مقابلہ کرنا۔ اس کی بات سن کر ان کے ڈرتے دلوں میں کچھ کمی آئی اور انہوں نے اپنی تلواریں سنبھال لیں اب ان کی نظریں ان پرندوں کی طرف تھیں جو ان کی طرف ہی اڑتے چلے آ رہے تھے ان پرندوں کے جسم بھی دوسری تمام چیزوں کی طرح سبز ہی تھے وہ اپنے پاؤں پر چلتے ہوئے ان کی طرف بڑھنے لگے وہ انکی جسامت اور تعداد بہت بڑھ چکی تھی یکا یک ایک پرندہ تھوڑا سا بلند ہوا۔ اور موحد پر حملہ کرنے کے لیے اس کی طرف بڑھا موحد اور دونوں ساتھی انکے حملے کو روکنے کے لیے بالکل تیار تھے موحد نے اس کو جب اپنے قریب پایا تو اس پر تلوار سے حملہ کر دیا بس دوسرے ہی لمحے میں وہ پرندہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا یہ دیکھتے ہی باقی پرندے بھی ان پر جھپٹے وہ تینوں پہلے سے ان کے مقابلے کے لیے تیار تھے اب جو بھی پرندہ ان کی طرف آتا وہ ان کو لمحوں میں ہی مار ڈالتے ان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ان میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی کہ خوفناک قسم کے پرندوں سے وہ جنگ کر رہے تھے زندگی میں پہلی بار وہ ایسی چیزوں کو دیکھ رہے تھے لیکن ڈرنے کے باوجود بھی انکے دلوں میں طاقت تھی بازوؤں میں قوت تھی وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کھیل میں ان کا کوئی کمال نہیں ہے یہ سب باباجی کے دیے تلواروں اور انگوٹھیوں کے کمال ہیں یا پھر ماں کی دعائیں ہیں۔ سب پرندوں کو انہوں نے ایک ایک کر کے ختم کر دیا۔ میدان اب پرندوں سے پاک ہو گیا تھا۔ وہاں ہر طرف پرندوں کا خون بکھرا ہوا تھا یا پھر ان پرندوں کے مردہ جسم جو دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہوتے چلے گئے وہ سب حیرانگی کے ساتھ ساتھ خدا کا شکر ادا کر رہے تھے کہ انہوں نے بلاؤں کا مقابلہ کر کے ان کو واصل جہنم کر دیا ہے۔

مجھے بہت پیاس لگ رہی ہے۔ موحد نے کہا۔

مجھے بھی۔ شازل نے کہا۔

تو پھر دیکھتے کیا ہو اٹھو آؤ پانی کی تلاش میں نکلتے ہیں شہیر نے کہا اور سب ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور پانی کی تلاش شروع کر دی۔ انکے کپڑے ان پرندوں کے سبز خون سے تر ہو گئے تھے

بھائی یہاں تو کہیں بھی پانی نظر نہیں آ رہا ہے۔ شازل نے ادھر ادھر پانی کو تلاش کرتے ہوئے مایوسی سے کہا۔

مل جائے گا مجھے یقین ہے کہ پانی ہمیں ضرور مل جائے گا ہم ان پہاڑوں کی طرف جاتے ہیں ہو سکتا ہے کہ وہاں ہمیں پانی کا کوئی چشمہ مل جائے۔ شہیر نے کہا اور پھر سب ان پہاڑوں کی

طرف چلنے لگے جونہی وہ پہاڑوں پر پہنچے تو ان کو پانی کا شور سنائی دیا۔ پانی کے شور کو سنتے ہی ان کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی وہ تیزی سے اس سمت بھاگے وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ پانی کا ایک چشمہ بہہ رہا ہے انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور خوب جی بھر کر پانی پیا اب انہیں کچھ سکون محسوس ہوا تھا وہ کافی تھک چکے تھے پانی پینے سے انکی تھکاوٹ بھی کم ہو گئی تھی۔ وہ وہاں پانی کے چشمے کے پاس ہی بیٹھ گئے اور کچھ سوچنے لگے کہ یکا یک چشمے کے پانی میں کچھ حرکت سی محسوس ہوئی ان کی نظریں پانی پر جم کر رہ گئیں۔ پانی دھیرے دھیرے ایک شکل اختیار کرنے لگا تھا وہ سب اس پانی کو ہی دیکھ رہے تھے اور ان کے چہروں پر جہاں کچھ دیر قبل سکون تھا اب خوف ابھرنے لگا تھا کیونکہ پانی نے ایک انسانی شکل اختیار کر لی تھی لیکن اس کے نقوش واضح نہ تھے پانی کا بنا ہوا ایک انسان ان کے سامنے کھڑا تھا۔

مجھے یہاں سے نکالو خدا کے لیے میری مدد کرو ورنہ میں مر جاؤں گا پانی کے مجسمہ سے انہیں آواز ابھرتی ہوئی سنائی دی جو بالکل پانی کے شور جیسی تھی وہ یوں اس نئی افتاد پر خوفزدہ ہونے کے بجائے حیران ہونے لگے۔ شہیر بولا۔

تم کون ہو اور ہم تمہاری مدد کیسے کر سکتے ہیں۔

یہ سب میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا پہلے تم لوگ میری مدد کرو اور رمیا کو ختم کرو جلدی کرو وہ یک اور بلی دے چکی ہے بس آخری بلی وہ دینے ہی والی ہے اگر اس نے وہ بلی بھی دے دی۔ تو قیامت آ جائے گی اس سبز دنیا میں ہم سب مارے جائیں گے پانی کے انسان کے منہ سے یہ باتیں سن کر وہ ڈر گئے اور موحد نے جلدی سے کہا۔

وہ ہے کہاں۔

سامنے پہاڑ کی طرف چلنا شروع کرو وہاں پر چڑھ کر دوسری طرف اترنا تو وہاں تمہیں ایک غار دکھائی دیگا۔ وہ اسی میں ہے جلدی جاؤ وقت بہت ہی کم ہے اس کے ساتھ ہی وہ پانی کا ڈھیر بن کر نیچے گر گیا اور پانی کی طرح بہنے لگا وہ تینوں تیزی سے اس پہاڑ کی طرف بھاگے اور اس پر چڑھنے لگے یہ کام گو کہ مشکل تھا لیکن ناممکن نہ تھا وہ پہاڑ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے تھے انہوں نے دیکھا کہ پہاڑ کی دوسری طرف واقعی ایک غار ہے چند لمحوں تک ان تینوں کو پہلے غار کو پھر ایک دوسرے کو دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ وقت بہت کم ہے ہمیں جو بھی کرنا ہے بس جلدی کرنا ہے بس پھر کیا تھا وہ تینوں تیزی سے غار میں داخل ہو گئے۔ ابھی وہ غار میں داخل ہوئے ہی تھے کہ چمگادڑوں کا ایک بہت بڑا غول پھڑ پھڑاتا ہوا ان کے اوپر سے گزرتا ہوا غار سے باہر نکل گیا۔ وہ ایک دم نیچے بیٹھ گئے تھے ورنہ ہو سکتا تھا کہ وہ ان کو زخمی کر دیتیں۔ جب غار میں مکمل خاموشی ہو گئی تو تب انہوں نے پھر سے غار میں چلنا شروع کر دیا۔ غار میں ایک سڑاندسی بو پھیلی ہوئی تھی مگر وہ تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے کافی آگے جانے کے بعد غار میں ایک ملگجی سے روشنی دکھائی دی۔ اور دفعتاً ایک سایہ ان کی طرف بھاگا۔ اور دیوار ہی میں کہیں غائب ہو گیا۔ موحد سب سے آگے تھا وہ ایک دم لڑکھڑا گیا۔

بھائی کیا ہوا شہیر نے پوچھا۔

کچھ نہیں۔ بس تم لوگ ہوشیار رہو۔ وہ یہیں کہیں ہے وہ ادھر ادھر نظر میں گھماتے ہوئے بولا وہ تینوں بڑی ہوشیاری سے آگے بڑھنے لگے جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے تھے روشنی بڑھتی جا رہی تھی ایک جگہ وہ ٹھٹھک کر رک گئے سامنے دیکھ کر ان کی سانس حلق میں اٹک گئی وہاں بہت بڑا ہیبت ناک بت تھا جس کا رنگ کالا تھا ہر طرف سبز روشنی میں گھرا ہوا وہ بہت خوفناک لگ رہا تھا اس کے سامنے کوئی

ہوئی دکھائی دی پاؤں کی آہٹ سن کر اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور کھڑی ہوگئی اور پیچھے کی طرف گھوم گئی اس کی شکل دیکھ کر تینوں ایک دوسرے سے چمٹ گئے شہیر باقاعدہ موحد کی گود میں چڑھ گیا اور شازل ان دونوں کے ساتھ چمٹ گیا موحد کا خود سانس سوکھ رہا تھا ان تینوں کی نظریں اسی عورت کی طرف تھیں۔ اسکی رنگت سیاہ تھی اور آنکھوں کا زیادہ تر حصہ سفید تھا ناک چپٹی تھی اور بڑے بڑے کٹے پھٹے ہونٹ تھے بدنما بڑے بڑے دانت تھے اس کے گھونسلہ نما بالوں میں ایک بے حد خوبصورت سفید پھول لگا ہوا تھا اس کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا جیسے گندے تالاب میں کنول کا پھول کھلا ہوا ہو۔ اس کے گندے گندے میلے کچیلے ناخن کافی بڑے بڑے تھے اس نے سبز رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا جو اس کو بڑا بدنما بنا رہا تھا۔

بھائی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے شہیر نے اٹک اٹک کر کہا۔

بھائی یہاں سے چلو خدا کے لیے شازل بھی روہانسا ہو کر بولا۔

موحد نے غصے سے ان کی طرف دیکھا اور کہا احمقو میرا ساتھ دینے کی بجائے بھاگنے کو کہہ رہے ہو تم ہولڑ کے ہی ناں اس ڈانٹ پر وہ تڑپ کر اس سے علیحدہ ہوئے۔ شہیر غصے سے بولا۔

بھائی آپ مجھ پر ہمیشہ یہ شک کیوں کرتے ہیں

اور مجھ پر بھی۔ شازل بھی اپنا حصہ لینے کو آگے بڑھا۔

تمہاری حرکتیں دیکھ کر۔ اس نے دونوں کی جانب گھور کر کہا۔

اے ادھر کیا کر رہے ہو تم لوگ ایک بے ہنگم سی آواز نے ان کی زبان تالو سے چپکا دی۔ انہوں

اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں شہیر جلدی سے بولا۔

اپنی بکواس بند رکھو۔ شازل نے اسے گھورا۔ تو شہیر چپ ہوگیا۔ رمپا بولی۔

تم لوگ یہاں تک آ تو گئے ہو مگر بچ کر نہیں جاؤ گے تم نے میری آدھی سے زیادہ طاقتیں ختم کر دیں ہیں اب تم تینوں زندہ نہیں بچو گے ابھی میں تم لوگوں کو یہاں آنے کا مزہ چکھاتی ہوں۔۔۔ یہ کہہ کر وہ منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی وہ تینوں چونکے ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے ان کی طرف منہ کر کے پھونک ماری تو آگ کے تین بڑے بڑے گولے انکی طرف بڑھے انہوں نے یہ منظر دیکھ کر وہ تینوں ہی کانپ کر رہ گئے۔ لیکن جلد ہی اپنی انگوٹھیوں والے ہاتھ آگے کر دیئے وہ گولے انکے ہاتھوں سے ٹکراتے ہی ختم ہوگئے۔ یہ سب دیکھ کر اپنے وار کو خالی دیکھ کر رمپا جادوگرنی غصے سے مزید پاگل ہوگئی۔ وہ اپنی ناکامی پر تڑپ گئی مگر ہمت نہیں ہاری اس نے پھر کچھ پڑھ کر پھونک ماری تو انکے اردگرد سے زمین سے عجیب الخلقت مخلوق نکلنے لگی جس کے قد چھوٹے چھوٹے تھے اور عجیب سی شکلیں تھیں ان کے ہاتھوں میں زنجیریں اور خنجر تھے وہ انکی طرف بڑھ رہے تھے پھر انہوں نے ان تینوں پر حملہ کر دیا وہاں ایک گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔

بالآخر ایک شدید معرکہ کے بعد انہوں نے فتح پالی۔ ایک ایک کر کے زمین سے نکلنے والی تمام مخلوق کو انہوں نے قتل کر دیا وہ خود بھی بری طرح زخمی ہوئے تھے لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری تھی کیونکہ انکی کوشش تھی کہ وہ جس کام کے لیے اس سبز دنیا میں آئے ہیں وہ کام مکمل کر کے ہی جائیں یہ بھی

جانتے تھے کہ اگر انہوں نے ہمت ہار دی تو پھر ان کی لاشیں ہی یہاں گلی سڑی ملیں گی۔ اور وہ کبھی بھی گھر واپس نہیں جاسکیں گے یہی وجہ تھی کہ وہ زخمی ہونے کے باوجود بھی لڑ رہے تھے اور کامیابی ان کا مقدر بنتی جا رہی تھی۔

رمپا کا سیاہ چہرہ غصے سے سرخ ہو کر بہت برا لگ رہا تھا وہ تلملانے لگی اس لڑائی کے بعد وہ خود بھی بہت زخمی ہو چکے تھے موحد کی حالت بہت بری تھی اس کے سر سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا اس کو ایک طرف لٹا کر وہ دونوں غصے سے اس کی طرف بڑھے موحد کی بگڑتی ہوئی حالت نے ان کا پاگل کر دیا تھا

تو کیا سمجھتی ہے تو بہت طاقتور ہے۔ آ مجھ سے مقابلہ کر۔

شازل نے اسے للکارتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے اپنی تلوار پر گرفت مضبوط کر لی تھی رمپا نے بھی ہاتھ بلند کیا تو اس کے ہاتھ میں بھی تلوار آ گئی شازل اور اس کی لڑائی بڑی سخت تھی۔ دونوں طرف سے ہی بھرپور وار ہو رہے تھے وہ بہت زیادہ زخمی ہو چکا تھا مگر رمپا کو جہاں زخم ہوتا فوراً ہی بھر جاتا شہیر کوشش کر رہا تھا کہ وہ کسی طرح سے رمپا کے بالوں سے موتیے کا پھول اتار لے اپنی اس کوشش میں وہ کافی زخمی بھی ہو گیا تھا آخرکار شازل نے اس کی گردن پر ایسا وار کیا کہ اس کی گردن تن سے جدا ہو کر دور جا گری۔ اور اس کا سر اس کے قدموں میں آگرا۔ اس نے فوراً سے بیشتر اس کے بالوں سے پھول نکال لیا اس کی گردن اسی لمحے دوبارہ دھڑ سے جڑ گئی اب وہ بے بس ہو کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور پھر منت بھرے انداز میں بولی۔

دیکھو اس پھول کو کچھ مت کرنا یہ مجھے دے دو یہ تمہارے کسی کام کا نہیں ہے میں تم سے ہر بات کے لیے معافی مانگتی ہوں میں سب چھوڑ دوں گی میں کچھ نہیں کروں گی بس وہ پھول مجھے دے دو وہ خوفزدہ ہو کر چلانے لگی تھی۔

شہیر جلدی سے پھول کو توڑ دو موحد کی کراہتی ہوئی آواز سنائی دی وہ ہوش میں آ چکا تھا موحد کی حالت دیکھ کر اس نے غصے سے پھول کی یکایک پتی توڑنی شروع کر دی۔

نہیں نہیں ایسا مت کرنا۔ رمپا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا مجھے معاف کر دو میں تم لوگوں سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں آج کے بعد کسی کو بھی کچھ نہیں کہوں گی یہاں سے بہت دور چلی جاؤں گی بس یہ پھول مجھے واپس کر دو۔

نہیں شہیر تم نے اسکی باتوں میں مت آنا۔ بس اس پھول کو پوری طرح مسل دو موحد نے ہمت کرتے ہوئے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور شہیر نے ایسا ہی کیا اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پھول کو ہاتھوں میں مسلنا شروع کر دیا اس کی ایک ایک پتی کو بکھیر دیا۔ وہ ایسا کرتا جا رہا تھا جبکہ رمپا کے جسم کے حصے بھی علیحدہ ہو کر گرتے جا رہے تھے۔ اس کے سر بازو ٹانگیں ہر عضو علیحدہ ہو کر گرنے لگا اور ہر طرف رمپا کی چیخیں گونجنے لگیں آخرکار اس نے پھو ل کو نیچے زمین پر پھینک کر پاؤں سے مسل دیا۔ تو وہاں سبز رنگ کا گہرا دھواں پھیلنے لگا ان کو سانس لینا بھی دشوار ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ ایک دوسرے سے بولے

جلدی سے غار سے باہر بھاگو۔

بس اتنا کہنا تھا کہ تینوں ہی غار سے باہر بھاگے۔ لیکن سبز دھواں ان کے جسموں میں بھر چکا تھا وہ تینوں بے ہوش ہو گئے پھر دوبارہ جب وہ عالم شعور میں لوٹے تو خود کو آم کے درخت کے نیچے پایا صبح کا سورج طلوع ہو رہا تھا جس کی روشنی میں نہر کا پانی چمک رہا تھا پرندوں کا شور ماحول کو اور بھی

خوشگوار بنا رہا تھا سب سے پہلے شہیر ہوش میں آیا پھر اس نے موحد اور شازل کو بھی ہوش میں لایا شازل اٹھتے ساتھ ہی بولا۔

رمپا مرگئی ہے ناں۔

ہاں مرگئی ہے۔اور ہم کامیاب ہوگئے ہیں۔

وہ تینوں خوشی سے ایک دوسرے کے گلے لگ گئے شازل .نے موحد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بھائی تمہارے سر سے خون بہہ رہا ہے۔لیکن اسی اثنا میں ایک ہوا کا ٹھنڈا جھونکا آیا اور ان تینوں کے گرد ایک بار گھوما پھر وہ غائب ہوگیا انہوں نے دیکھا کہ کسی کے جسم پر بھی کوئی بھی زخم نہ تھا سب ہی ٹھیک ہو چکے تھے۔اسی وقت درخت سے ایک قدرے پکی ہوئی کیری موحد کے سر پر لگی جسے نیچے گرنے سے پہلے شازل نے جھپٹ لیا اور موحد اور شہیر نے اسکی طرف دیکھا تو وہ آرام سے بولا۔

سوری بھائی کھانے کے معاملے میں میں آپ کو نہیں جانتا اس نے کیری کھانی چاہی تو فوراً ہی شہیر نے جھپٹ لی اور کہا۔

واقعی بھوک کے وقت کوئی رشتہ نہیں ہوتا اور اس نے کیری کھانی شروع کردی۔ اس وقت درخت سے کوئی دھم سے نیچے گرا۔ وہ موحد کی عمر کا ایک لڑکا تھا زمین سے اٹھتے ہوئے بولا۔

شکریہ دوستو تم لوگوں نے میری جان بچائی ہے

تم کون ہو۔شہیر نے پوچھا۔

میں وہی پانی والا انسان ہوں ۔جس کی تم لوگوں نے مدد کی تھی۔

اوہ اچھا وہ تینوں یک زبان ہوکر بولے موحد بولا مگر تم تو بہت خوبصورت ہو میں نے کبھی اتنا خوبصورت انسان نہیں دیکھا

تو اب بھی تم کسی انسان کو نہیں دیکھ رہے ہو۔

کیا مطلب۔ ہم تمہاری بات سمجھ نہیں پائے ہیں تینوں اسکی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

میں انسان نہیں ہوں ایک جن زادہ ہوں۔

ک۔کک۔کیا جن۔

وہ تینوں حیرت میں ڈوبتے ہوئے گویا ہوئے۔

ہاں میں جن زادہ ہوں۔

لیکن اگر تم جن تھے تو پھر وہاں کیوں گئے تھے۔

میں اپنی مرضی سے نہیں گیا تھا۔ وہ جادوگرنی مجھے اٹھا کر لے گئی تھی اس نے مجھ پر دباؤ ڈالا کہ میں اسکے لیے کام کروں جو جو وہ کہے میں وہ سب آنکھیں بند کرکے مانتا جاؤں مگر میں نے ایسا نہ کیا اس کی ایک نہ مانی کیونکہ میں ایک مسلمان جن ہوں۔ ایسے کام نہیں کرسکتا تھا جس میں کسی کا خون ہو جو تباہ کا کام ہو۔ میرے انکار پر اس نے مجھے چشمے میں قید کردیا تھا۔ جو میرے لیے بہت اذیت سزا تھی،

پھر تم زندہ کیسے رہے۔شازل نے سوال کیا۔

میرے پاس اپنی کچھ طاقتیں تھیں۔ جسکی وجہ سے میں زندہ رہا۔ میں تم لوگوں کا مشکور ہوں کہ جنہوں نے وہاں پہنچ کر میری مدد کی اور مجھے اس اذیت سے نجات دلائی تم لوگوں نے اس رمپا جادوگرنی کو مار کر دنیا کو تباہی سے بچالیا ہے۔جو بہت ہی خوشی کی بات ہے اگر تم ایسا نہ کرتے تو ہوسکتا تھا کہ کل کو تم سمیت کوئی بھی زندہ نہ رہتا آؤ میں اب تم کو کھانا کھلاؤں کیونکہ تم لوگ بہت بھوکے ہو۔ اتنا کہہ کر اس جن نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا تو ایک دسترخوان وہاں موجود تھا جہاں رنگ برنگے خوشبو دار کھانے موجود تھے۔

آؤ سب ہی مل کر کھاتے ہیں اتنا کہہ کر وہ سب کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ کھانا بہت ہی لذیز تھا اتنا اچھا کھانا انہوں نے آج سے قبل کبھی بھی

نہیں کھایا تھا۔ کھانے سے فارغ ہوکر اس نے پوچھا۔

اب زخموں پر درد تو نہیں ہو رہا ہے۔

نہیں بالکل بھی نہیں۔ کیا تم نے ہمارے زخم ٹھیک کیے تھے۔

ہاں یہ سب میں نے کیا تھا۔

اسکی اس بات پر وہ سب اس کو ممنون نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

دیکھو ساتھیو تم لوگوں نے مجھے ایک نئی زندگی دی ہے اس کے بدلے میں یہ تو ایک بے حد چھوٹا کام ہے میں تم پر بہت ہی خوش ہوں۔

آپ کا نام کیا ہے شازل نے پوچھا۔

میرا نام شہباز ہے۔ پھر وہ جن کھڑا ہوگیا۔ اور بولا اچھا دوستو میں اب چلتا ہوں مجھے اجازت دیں میں آج ایک لمبے عرصہ کے اپنے گھر والوں سے ملنے جارہا ہوں نجانے وہ میرے بارے میں سمجھ چکے ہوں گے کہ میں مرچکا ہوں گا کسی نے مجھے جلا کر ماردیا ہوگا۔ مجھے زندہ دیکھ کر یقیناً وہ بہت ہی خوش ہوں گے۔ اور یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے اگر تم اس سبز دنیا میں نہ جاتے تو ہوسکتا تھا کہ میں وہاں ہی اپنی زندگی کی آخری پوری کررہا ہوتا۔ اچھا اب تم لوگ بھی اپنے اپنے گھروں کو جاؤ میں بھی چلتا ہوں اس نے اداس بھری نظروں سے ان سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ انکا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ جن ان سے دور ہو لیکن ایسا ہونا تھا وہ اس کو روک نہیں سکتے تھے وہ بھی اداس ہوگئے تھے۔

اس کا مطلب ہے کہ اب ہم تم کو پھر کبھی بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ شازل نے پوچھا۔

نہیں نہیں تم لوگ جب بھی چاہو مجھے بلاؤ میں حاضر ہوجاؤں گا۔ میں تم لوگوں کی شادیوں پر ضرور آؤں گا۔ پھر وہ شہیر سے مخاطب ہوا۔

تم مہوش بھابھی کو میرا اسلام کہنا۔

اس نے شازل کی بہن کا نام لیا تو شازل کی آنکھیں حیرت کے مارے ابل پڑیں اس کی خواہش یوں پوری ہوگی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

آپ آنکھیں پھاڑ کر نہ دیکھیں بس تہذیب بھابھی کو میرا اسلام کہہ دیجیے گا۔ اس نے ساتھ ہی شازل کا بھی بھانڈا پھوڑ دیا۔ اب حیران ہونے کی باری شہیر کی تھی مگر موحد بڑے آرام سے کھڑا تھا اسے سب پہلے سے پتہ تھا۔

اچھا موحد بھائی مناہل بھابھی کو بھی میرا اسلام کہیے گا۔ اب میں چلتا ہوں اور حیران مت ہوں مجھے ہر چیز کا علم ہوگیا ہے اپنی طاقت سے اب میں چلتا ہوں آپ لوگ بھی اپنے گھروں کو جائیں آپ کے گھر والے آپ کی وجہ سے پریشان ہورہے ہوں گے اچھا اللہ حافظ اتنا کہہ کر وہ کھڑے کھڑے ہی غائب ہوگیا۔ وہ تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور شہیر شازل شرمندہ سے ہنس رہے تھے موحد نے ان دونوں کے کندھوں پر مسکرا کر ہاتھ دکھا اور وہ تینوں گاؤں کی طرف چل پڑے جہاں زندگی مسکرا رہی تھی خوشیاں انکی منتظر تھیں۔

قارئین کرام کیسی لگی آپ کو میری کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازیے گا۔ میں آپ کی رائے کی منتظر رہوں گی۔ اس شعر کے ساتھ اجازت۔

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

وہ میرے شعروں کے ہر لفظ میں ہے
میرے شعروں میں عنوان اس کے
میرے ہاتھ میں جب سے قلم آیا
ہر غزل لکھی ہے نام اس کے

---تحریر: محمد وارث آصف۔ واں بچھراں۔ 0335.7082008

رات کی تاریکی مزید بڑھ گئی پوری بستی کے لوگ خوف کے مارے گھروں میں دبکے ہوئے تھے اور خیر کی دعائیں کر رہے تھے ساری بستی میں ہو کا عالم تھا کتے بھی خوفزدہ تھے اور دبکے ہوئے تھے کہیں کوئی اکا دکا ہمت کر کے آواز بلند کرتا پھر وہ بھی خاموش ہو جاتا پوری کی پوری گلیاں سنسان اور ویران تھیں اچانک بستی سے ایک ہیولہ سا نمودار ہوا اس کے ارد گرد سبز غبار سا تھا یوں لگتا تھا کہ جیسے یہ سبز غبار اس کے جسم سے نکل رہا ہو اسکے چلنے کی رفتار بے حد تیز تھی وہ سنسان گلیوں سے ہوتا ہوا اسٹیشن کی طرف بڑھنے لگا بڑھتے بڑھتے اس کا رخ بی گودام کی جاب ہو گیا جہاں دن بھر کا تھکا ہوا پریتم سو رہا تھا سایہ چلتا ہوا پریتم کے پاس آ کر چارپائی پر جھکا جیسے اس کے سونے یا جاگنے کا یقین کر رہا ہو مگر پریتم شاید جاگ رہا تھا جبھی اس نے تیزی سے آنکھیں کھول کر اس ہیولے کو دیکھا تو خوف کے مارے اس کی آنکھیں کھلی ہی رہ گئیں اچانک پریتم کے جسم پر سبز غبار کی ایک پھواری پڑی جس میں وہ نہلا گیا۔ ابھی وہ اسی کشمکش میں تھا کہ اچانک ہیولے کے جسم میں تیزی سے تبدیلی آئی عضو سکڑنے لگے اور وہاں ایک نیا وجود تخلیق ہونے لگا پریتم کا پورا جسم اس غبار میں گم ہو گیا اچانک وجود سمٹ کر ایک ناگن میں تبدیل ہوا ایک اچھادری ناگن تھی وہ جو شاید پریتم کو اپنا شکار بنانے آئی تھی اسکی آنکھوں کی کشش نے پریتم کو بے بس سا کر دیا وہ نہ تو چیخ سکا اور نہ ہی اس نے کوئی مزاحمت کی وہ اچانک چارپائی پر چڑھی اور پریتم کے جسم پر رینگنے لگی اچانک اس نے اپنا پھن اٹھایا اور اپنا زہر پریتم کے جسم میں پیوست کر دیا۔ اسکا جسم کانپنے لگا مگر اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی ناگن نے اس پر بس نہ کیا وہ برابر اپنا زہر اس کے جسم میں اتارتی رہی اور اسکا جسم سکڑتا چلا گیا۔ تھوڑا سا سکڑنے کے بعد پھر پریتم کا جسم پھولنے لگا اور پھر اتنا پھولا کہ اس کا پیٹ درمیان سے پھٹا اور سبز مواد سا نکلنے لگا اور پریتم کی آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں اس کا ناطہ جسم سے ٹوٹ چکا تھا وہ بھی اس سبز موت کا شکار ہو چکا تھا اس زہریلی ناگن کا شکار ہو چکا تھا۔ پریتم کے مرتے ہی وہ ناگن انسانی ہیولے میں آئی اور جہاں سے آئی تھی وہاں چلی گئی رات بھیگ چکی تھی اور پریتم کی لاش بی گودام کے باہر پڑی تھی۔ میں یہ منظر اپنی جاگتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا خوف سے میرا برا حال ہو رہا تھا مجھ میں ہمت نہ تھی کہ میں جا کر اس زہریلی ناگن کے ہاتھوں پریتم کو بچاتا نجانے مجھے کیا ہو گیا تھا میری ہمت کیسے جواب دے گئی تھی میں کیوں اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا۔ مجھ پر ایک کپکپی طاری تھی جس کی کوئی انتہا نہ تھی۔ میرے سامنے جو کچھ بھی ہو رہا تھا میں اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک دلچسپ اور سنسنی خیز کہانی۔

انگریز کی نوکری کرنا بھی بڑے دل گردے کا کام ہے فل ٹائم ڈیوٹی اور بندے دا پتر بن کر ڈیوٹی کوئی کوتاہی نہیں اور غلطی کی گنجائش نشتہ یہ سب مجھے تب معلوم ہوا جب میں ریلوے ملازم ہوا اور مسٹر برکلے جیسا انگریز افسر سے واسطہ پڑا چست اور سمارٹ عمر چالیس سال سے اوپر تھی اور ایک نمبر کا

ایماندار اور کھڑوس میں آزاد بھی تھا اس لیے اکثر چھوٹی موٹی غلطی کر جاتا اور پھر ڈانٹ کی صورت میں مجھے پھلوں کے بنڈل اور بھنے ہوئے چنے ملتے جنہیں میں نہایت بے بسی سے چباتا رہتا۔ منہ سے تو میں کچھ نہ بولتا مگر دل میں ایسی ایسی صلواتیں بناتا کہ اگر مسٹر برکلے ان میں سے ایک آدھ بھی سن لیتا تو دونالی بندوق کے دونوں فائر ہی مارتا اس سے کم سزا کی توقع نہ تھی مسٹر برکلے خیر اتنا کھڑوس تو نہ تھا جتنا اک واقعہ کے بعد نہ جانے کہاں سے اس کے اندر میرے لیے عداوت بیدار ہوئی تھی اور اس واقعہ کا سارا نزلہ مجھ پر گرا وہ مجھے اکثر ایسے دیکھتا گویا ابھی میرا تکہ کباب بنا کے ہڑپ کر جائے گا اور میں اسے دیکھ کر اکثر جھینپ سا جاتا اور حتی القدور کوشش کرتا کہ دوران ڈیوٹی میرا اس سے سامنا کم ہی ہو مگر چونکہ میں ٹکٹ دیتا تھا اس لیے اس سے اکثر ٹاکرا ہو جاتا اور پھر برکلے صاحب چند دن قبل ہی انگلستان سے نئی نویلی چوتھی دلہن بیاہ لائے تھے اور ہنی مون پر بیگم نے فرمائش کی تو وہ رہ نہ سکے اور چل دیئے۔

بیگم کا نام جولی تھا مگر جسامت کچھ ایسی تھی کہ اگر جولی کی جگہ ڈھولی نام ہوتا تو بڑا ہی سوٹ کرتا ایک دم موٹی بھینس جیسی اور رنگ ایسے تھا گویا تندوری ہنی مون کے لیے جنگل کا انتخاب کیا گیا جس کی کوئی خاص وجہ نہ تھی اور جنگل بھی وہی جہاں بھوت پریت بڑے مزے سے آباد تھے حیرت ناک بات یہ تھی کہ اس جنگل میں کچھ دن گزارنے کے لیے نہ تو ان کے پاس کوئی ٹینٹ وغیرہ تھے اور نہ ہی کھانا صرف ایک ٹفن باکس ہی تھا جو جولی صاحبہ نے گاڑی سے اترتے ہی کھا لیا اور برکلے صاحب اس کا منہ تکتے رہ گئے کھانا کھانے کے بعد فوراً ہی جولی صاحبہ پر ایک سانپ نے حملہ کیا مگر برکلے صاحب نے اسے مار کر درخت پر سجا دیا برکلے صاحب کی اس دیدہ دلیری سے بولی صاحبہ جانی نثار ہوں اے خاصا پیار کیا مگر رنگ میں بھنگ پڑ گیا۔ اچانک ہی جولی کو محسوس ہوا کہ کوئی انہیں دیکھ رہا ہے جولی نے برکلے کو پرے کیا وہ اس کی دائیں جانب نگاہ اٹھی جہاں ایک بوڑھی عورت انہیں بڑی حیرت سے تک رہی تھی وہ دونوں اسے یوں گھورتے ہوئے دیکھ کر تھوڑے شرمند ہوئے اور پھر پور نگاہ اس پر ڈالی وہ بڑھیا کیا تھی جھریوں کا ایک مجسم تھی اور لٹکتے ہوئے جسم کا شاخسانہ ہاتھ میں اس کی لاٹھی اور آنکھیں ایسی گویا ساحر اعظم بڑھیا نے خاموشی کا سکوت توڑا اور بولی۔

تو تم ہنی مون منانے آئے ہو مگر مجھے ایک بات بتاؤ کہ کس کم بخت نے تمہیں ادھر ہی ہنی مون منانے کا مشورہ دیا وہ کون نا ہنجار تھا جس نے تمہیں ادھر بھیجا کیا اس بھری دنیا میں تم کو اور کوئی جگہ نہ ملی جو ادھر منہ اٹھائے چلے آئے تم جانتے نہیں کہ یہ میرا علاقہ ہے میں یہاں ہر آنے والے کو کھا چکی ہوں اور پوچھتی بعد میں ہوں۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتے بڑھیا ایک دم سے چھلاوہ بنی اور اس کے دانت لمبے ہوئے چہرہ سکڑ کر لمبا اور ناک عجیب سی شکل میں آ گئی بڑھیا نے لاٹھی زور سے برکلے کی طرف اچھالی اور خود جولی کی طرف لپکی برکلے صاحب شاید اس اچانک حملہ کے لیے تیار نہ تھے اس لیے لاٹھی کی ضرب لگوا بیٹھے بڑھیا نے اڑتے ہوئے جولی کو گرایا اور اس کی گردن میں دانت گاڑھنے چاہے مگر نہ جانے کیسے برکلے صاحب نے پھرتی سے خنجر نکال کر بڑھیا کے جسم میں گاڑھ دیا اور جولی کو بچایا جولی کا دہشت سے خون خشک ہو گیا تھا اس لیے وہ شدید خوف میں جدھر منہ آیا بھاگ اٹھی۔

برکلے اس کے پیچھے بھاگے اتنا تو وہ جان گئے تھے کہ وہ آسیب زدہ جنگل میں پھنس گئے ہیں اور اب

...ن... نے انہیں ادھر ہنی مون کے لیے بھیجا تھا جولی تو اس عورت پر یوں گرم تھی کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ اس کے ٹوٹے ٹوٹے کر کے کیڑیوں کے ساتھ کھاتی جولی شدید گھبراہٹ میں بھاگتے بھاگتے تھک گئی تو ایک جگہ رک گئی اور پیچھے مڑ کے دیکھا برکلے اس کے پیچھے ہی تھا اس نے چاروں طرف دیکھا اور تسلی کی کہ کہیں بڑھیا تو نہیں آ رہی برکلے نے اسے جلد ہی آ لیا۔ اور اسے خاصی تسلی دے کر اس کا ڈر دور کیا اور واپسی کی طرف مڑے مگر مڑتے ہی اچانک انہوں نے ریڈ میکسی میں ایک لڑکی کھڑی دیکھی لڑکی ویسے تو ہوشربا تھی لیکن یہ کیا اس کا سر ہی نہیں تھا برکلے کی ہمت جواب دے گئی اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جولی کا تو وہ حال تھا کہ گویا کاٹو تو لہو نہیں۔

آپ نے میرا سر کہیں دیکھا ہے۔ اچانک ہی وہ لڑکی نہ جانے کہاں سے بولی ویسے مجھے اس سر کی خاص ضرورت نہیں ہے مگر مجھے وہ نیکلس پہننا ہے اس نے دائیں ہاتھ میں ایک جھلملاتا ہوا نیکلس لہرایا برکلے نے ہڑبڑا کر جولی کو دیکھا وہ بے ہوش ہونے کے قریب تھی برکلے نے دہشت زدہ ہو کر کہا

ن۔۔ نہیں۔۔۔

اچھا۔ مگر مجھے یہ نیکلس پہننا ہے اور اس کے لیے سر کا ہونا ضروری ہے لڑکی نے شدید افسردہ ہو کے کہا۔ تمہاری گردن مجھے فٹ نہیں آئے گی ہاں تمہاری بیوی کی آ جائے گی اس نے جولی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ڈارلنگ کیا تم مجھے اپنا سر ادھار دو گی اگر نہ دو تب بھی دے دو نہیں تو میں زبردستی لے لوں گی۔

اس نے اتنا کہا اور جولی دھڑام سے گری اور بے ہوش ہو گئی برکلے کو اور تو کچھ نہ سوجھا اپنا وہی خنجر نکال کر لڑکی کی جانب اچھال دیا لڑکی کے عین دل پر لگا اور وہ مری لڑکی سے تو جان چھوٹ گئی مگر بے ہوش جولی کو ہوش میں لانے کے لیے اسے نہ جانے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے وہ بار بار جولی کے منہ پر ہلکی تھپڑ بھی لگاتا اور خوب جی بھر کے اس عورت کو کوستا جس کے طفیل وہ ادھر ہنی مون منانے آئے۔

اس کے بعد تو کوئی واقعہ نہ ہوا اور وہ گھر آ گئے مگر برکلے کی دوست کو برکلے اور جولی نے ایسی صلواتیں سنائیں کہ اگر اس میں رتی بھر بھی غیرت ہوتی تو وہ پھر کسی کو مشورہ نہ دیتی برکلے نے تو زبان کے ہتھیار سے کام چلا لیا مگر جولی نے اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور تھپڑ بھی لگائے۔

بے وقوف جاہل کتیا اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو تیرا ادا مجھے بچاتا تم کو ہمیں ادھر بھیجنے کی بھلا کیا ضرورت تھی کیا اور دنیا نہیں تھی تم کو ہمیں مروانے کے لیے جنگل ہی ملا تھا منحوس کہیں کی اس کے منہ میں جو آیا بکتی چلی گئی۔

بشاری نے اتنی عزت افزائی ہونے کے بعد توبہ کر لی کہ پھر وہ کسی کو کوئی مشورہ نہیں دے گی اس نے تو انہیں وہاں اس لیے بھیجا تھا کہ جنگل کی زندگی وہ انجوائے کریں گے اسے کیا پتہ تھا کہ وہ جنگل آسیب زدہ ہو گا اب اس میں بھلا اس کا کیا قصور تھا اگلے دن برکلے صاحب نے ہمیں سارا واقعہ سنایا جسے سن کر میں بے اختیار قہقہے لگانے لگا بس میرا اتنا ہی قصور تھا اور پھر برکلے صاحب کے میں زیر عتاب آ گیا۔

ایک دن کی بات ہے کہ شہر کا ایک معروف زمیندار رام لعل جو انگریز افسر کا خاصا وفادار تھا بھگوان نگر جانے کے لیے اسٹیشن پر آیا تو میں اس کی خدمت اس کی مرضی کے مطابق نہ کر سکا کیونکہ فرسٹ کلاس ویٹنگ روم مرمت کے باعث قابل استعمال نہ تھا اور وہاں مستری کام کر رہے تھے اس کے ٹکٹ گھر میں اتنی جگہ نہ تھی کہ میں ان کو عزت سے

اور بھی تھے بہرحال گاڑی آئی اور وہ سوار ہو گئے طرطر قلی شیونارائن منہ لٹکا کر افسردہ چہرہ لیے میری طرف آیا اور بولا۔

بابو جی یہ اچھا نہیں ہوا۔ اس نے سٹول پر بیٹھتے ہوئے اور سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

کیوں۔ کیا ہوا۔ میں نے رقم کا اندراج کرتے ہوئے چونک کر اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا

وہ رام لعل برے تاثر لے گیا ہے ادھر سے وہ کس لیے۔ میں نے رجسٹر بند کیا۔

میں نے اسے بوگی میں سوار کرایا ہے اس نے بڑے تیکھے انداز میں کہا تھا کہ تمہارا ٹکٹ دینے والا اسٹیشن ماسٹر کچھ زیادہ ہی خود اعتماد ہو گیا ہے میں جا رہا ہوں مگر اس کا بندوبست کر کے ہی لوٹوں گا اتنا کہہ کر شیونارائن نے سگریٹ کے لمبے کش لیے مگر میں پریشان ہو گیا اک تو میرا سینئر افسر مجھ سے نالاں تھا دوسرا انکا چمچہ بھی ناراض ہو گیا تھا برکلے صاحب ہی میرے سینئر افسر تھے وہ پہلے ہی ہنی مون والے واقعے کو سننے کے بعد میرے بے اختیار قہقہے لگانے پر اپنے اندر میرے لیے زہر رکھے ہوئے تھے اب ان کو اچھا خاصا بہانہ مل گیا تھا ویسے میں خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہا تھا بھلا جب سارے سٹاف نے ان کا حوصلہ بڑھایا اور تعزیت کی تو پھر بھلا ہنسنے کی کیا ضرورت تھی مجھے ہنی مون کے دوران جو بھی ہوا بڑھیا اور بغیر سر والی لڑکی اور سر کا ادھار مانگنا وہ بھی نیکلس کے لیے یہ یقیناً کوئی ہنسنے والی تو نہ تھی مگر مجھے ہنسی تو اس منحوس عورت پر آئی تھی جس نے ان میاں بیوی کو ادھر ہنی مون پر بھیجا تھا ویسے وہ عورت بھی حقیقی معنوں میں بے وقوف تھی اور جولی کی بات بالکل درست تھی کہ پوری دنیا میں کیا ہمارے ہنی مون کے لیے وہ جنگل ہی ملا تھا اور جگہ نہیں تھی کیا دونوں کو ایسا مشورہ دیوں دیا۔ اس کا نتیجہ وہ آدم خور بڑھیا اور سر کٹی لڑکی کی صورت میں ان پر آفت بن کر ٹوٹا۔ برکلے صاحب میری اس حرکت پر سخت ناراض تھے سٹاف ممبران نے بھی مجھے کوسا تھا لیکن جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا وہ ٹائم واپس تو نہیں آ سکتا تھا مجھے اب فکر اس بات کی تھی کہ خدانخواستہ رام لعل نے انگریز کو الٹی سیدھی پٹی نہ پڑھا دی ہو یا کہیں برکلے صاحب کو اس کا علم نہ ہو چکا ہو میں پریشان رہا اور پھر وہی ہوا جس کا مجھے شک تھا میرا تبادلہ برکلے صاحب نے بڑے اسٹیشن سے برانچ لائن کے چھوٹے اسٹیشن پر کر دیا تھا اس سے اگلے دو گھنٹے بعد نیا اسٹیشن ماسٹر میرے سر پر آ موجود تھا یہ سب کچھ اتنی تیزی سے رونما ہوا کہ میں ذرا بھی مزاحمت نہ کر سکا میری جگہ مجراب کا ہندو اسٹیشن ماسٹر ارجن داس تھا اس نے مجھے اپنے آرڈر لیٹر دکھائے اور نہایت ہمدردی سے یوں اچانک میرے بخت پور جیسے علاقے میں ٹرانسفر پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا۔

ہیڈ کوارٹر نے مجھے جلد سے جلد ادھر آنے اور چارج لینے کا آرڈر دیا ہے۔ میں خود حیران ہوں کہ ایسا کیوں ہوا۔

میں نے اسے مختصر سے الفاظ میں برکلے کے ہنی مون ایڈونچر اور پھر رام لعل کا واقعہ سنایا تو اس نے حیرت کا اظہار کیا اور بولا۔

بس یار یہ انگریز لوگ ہمیں انسان کا درجہ نہیں دیتے انکا بس نہ چلے ورنہ یہ ہمیں بھگوان کے پاس پہنچا دیں لیکن چونکہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور تم میرے ہم وطن ہو اس لیے دو دن تک ہیڈ کوارٹر کو چارج لینے کی رپورٹ نہیں کرتا اس دوران اگر تم تبادلہ رکوا سکتے ہو تو رکوا لو۔ میری جتنی بھی مدد کی ضرورت ہو میں تیار ہوں

میں ارجن داس کی اس بات پر حیرت زدہ بھی ہوا اور خوش بھی ہوا۔ میں نے اگلے دو دن تکمیر جگہ منہ مارا بڑے رئیس لوگوں کے پاس گیا مگر سب نے ٹرخا دیا اور پھر شدید بے بسی کے عالم میں میں نے چارج چھوڑ دیا اور برکلے کو ہنی مون کے لیے جنگل میں جانے والی اس منحوس عورت کو دل میں جی بھر کے کوستا ہوا بخت پورہ چلا گیا اچھے خاصے شہر سے اٹھا کر مجھے ایک ویران سنسان علاقے میں پھینکا گیا اور میں افسوس سے ہاتھ ہی ملتا رہ گیا۔

بخت پورہ آتے ہی مجھے وہاں ہر چیز بالکل تیار ملی میں نے آتے ہی شہر کا جائزہ لیا اک چھوٹا سا قصبہ جس کی آبادی ڈیڑھ دو ہزار تھی شہر کے ساتھ ایک گھنا جنگل بھی تھا مسلمان اور ہندو تعداد میں برابر تھے کچھ گھر سکھوں کے بھی تھے اسٹیشن کے ساتھ ساتھ دور تک کیکری کے درختوں کا سلسلہ تھا جو اس گاؤں سے ہوتا ہوا جنگل میں گڈمڈ ہو جاتا تھا بخت پورہ کے اسٹیشن ماسٹر کا نام نذر علی تھا نذر علی کے ساتھ چھ سرکاری ملازم تھے نذر علی میرے اس تبادلے پر بے حد خوش تھا شاید اس خوشی کی وجہ میرا مسلمان ہونا تھا نذر علی مجھے اپنے گھر لے گیا اور ایک پرتکلف دعوت دی نذر علی جوان اور غیر شادی شدہ تھا گھر میں ماں اور باپ کے علاوہ کوئی نہ تھا نذر علی کی ماں نے مجھے بہت پیار دیا اور پیار کر کے مجھے اپنے ہی گھر کا فرد بنا دیا جسے میں رد نہ کر سکا۔ رات میں قہوے کا دور چلا تو اس نے مجھے یہاں سے گزرنے والی گاڑیوں سے آگاہ کیا یہاں صرف دو مسافر ٹرینیں رکتی تھیں اور کبھی کبھار مال ٹرین ریلوے اسٹیشن بخت پورہ سے ذرا فاصلہ پر تھا اس لیے اسٹیشن پر وہی لوگ آتے جن کا واسطہ اسٹیشن سے یا پھر سرکاری محکموں سے ہوتا مثلاً محکمہ جنگلات وانہار وغیرہ۔ بہرحال میں چند دن نذر علی دوسری جگہ ٹرانسفر ہو کر چلا گیا۔

یہاں مجھے ایک رہائشی کوارٹر ملا تھا جو کہ چھوٹے چھوٹے تین کمروں پر مشتمل تھا یہ اسٹیشن کی عمارت سے ذرا ہٹ کے بنایا گیا تھا۔ یہاں پر میرا عملہ ایک کانٹے والا اک جھاڑو والا ہی تھا ٹکٹ میں خود ہی دیتا گاڑی خود ہی گزارتا اور ٹکٹ بھی میں خود ہی چیک کرتا تھا یہاں پر میرا ایک ملازم بھی تھا جس کا نام پریتم تھا وہ رات کو تمام بتیاں روشن کرتا اور صفائی سے لے کر میرا ذاتی کام تک کرتا تھا چند روز بعد اس نے میرے کوارٹر کا بھی تمام انتظام اپنے سر لے لیا۔ یہاں پر کبھی کبھار ریلوے اسٹیشن پولیس بھی چکر لگا لیتی جو ایک ٹرین سے اتر کر دوسری ٹرین سے واپس چلی جاتی تھی صبح میں گاڑی گزار کر لمبی تان کر سو جاتا اور اس دوران پریتم میرے کمرے کے باہر بیٹھا اونگھتا رہتا۔ شام کی گاڑی اکثر رات کو آتی اور بعض اوقات کئی کئی گھنٹے لیٹ ہو جاتی تو اکثر اسٹیشن پر رونق سی آ جاتی اور مختلف لوگوں سے مل بیٹھنے کا موقع مل جاتا اس علاقے میں یوں تو سارے مذاہب کے لوگ آباد تھے مگر ہندو خاصی تعداد میں تھے۔

نذر علی نے جاتے جاتے مجھے سخت تاکید کی تھی کہ اس گاؤں کے ہندو خاصے کینہ پرور ہیں اور ان سے ہوشیار رہنا میرا نام صداقت علی تھا ہم تین بہن بھائی تھے سب سے بڑا میں تھا پھر بھائی اور پھر بہن تھی والد صاحب کی کریانہ کی دکان تھی۔ مجھے ادھر آئے ہوئے تین ماہ گزر گئے والد صاحب دو دفعہ چکر لگا گئے تھے اس دوران انہوں نے میرے ٹرانسفر کی بے حد کوشش کی مگر ناکام رہے بہرحال برکلے صاحب اور اس بے وقوف مشورہ دینے والی نامراد عورت کا کیا دھرا میں ادھر بھگتتا رہا۔

ایک دن موسم ابر آلود تھا ساون کا مہینہ تھا اس لیے بارش وقفے وقفے بعد ہو جاتی تھی اسٹیشن پر لوگوں کا خاصا رش تھا ٹرین لیٹ تھی اور لوگ اس انتظار میں تھے کہ کب ٹرین آئے اور وہ کب اپنے سفر پر روان ہوں اسی بے چینی میں مسافر ادھر ادھر

منہ مار رہے تھے کچھ اسٹیشن پر گھوم پھر رہے تھے یا ایک جگہ بیٹھے تھے میں سبز اور لال جھنڈی بغل میں دبائے ٹکٹ گھر کا دروازہ بند کر کے باہر آیا تھوڑی دیر بعد۔ مسافروں میں ہلچل سی ہوئی جس کا مطلب تھا کہ ٹرین آنے والی ہے اسلیے میں ٹکٹ گھر سے باہر آگیا اور واقعی تھوڑی دیر بعد گاڑی آکر رکی کچھ لوگ اترے اور باقی سوار ہو گئے میں ٹکٹ دیکھ کر فارغ ہوا گارڈ سے کچھ دیر بات کی اور پھر گاڑی روانہ ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد اسٹیشن ویران ہو چکا تھا وہاں صرف میں اور پریتم تھا۔ چالیس سالہ پریتم ابھی تک غیر شادی شدہ تھا اور اناتھ تھا میں وہاں سے واپس اپنے دفتر آیا اور اندراج کرنے بیٹھ گیا تھوڑی دیر گزری تھی کہ پریتم اندر آیا اس کی آنکھوں میں خاصی چمک تھی اور مجھے لگا کہ وہ مجھے کوئی اہم بات بتانے آیا ہے۔

بابو ادھر ایک صندوق پڑا ہے۔

کہاں۔ میں نے دریافت کیا۔

نل کے سامنے والی کرسی کے نیچے ہے اس نے مجھے تیزی سے اسی انداز میں بتلایا کوئی سواری چھوڑ گئی ہو گی اسے شاید۔۔۔

آؤ اسے دیکھتے ہیں۔ میں تیزی سے کھڑا ہوا اور پریتم کے ساتھ ہولیا واقعی وہاں درخت کے نیچے ایک صندوق پڑا ہوا تھا آہنی صندوق کے دونوں جانب بڑے بڑے تالے لٹک رہے تھے میں اسے کرسی کے نیچے سے کھینچا تو مجھے خاصا وزنی لگا لگتا تھا کہ سامان سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ نجانے کس کا تھا بحرحال میں نے فوراً اسے اپنے کمرے میں منتقل کرنے کا سوچا اور پریتم سے کہا۔

آؤ اسے اٹھا کر دفتر میں لیے چلتے ہیں۔

ٹھیک ہے بابو جی۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور پھر ہم نے اس صندوق کو بڑی مشکل سے اٹھا کر کمرے میں منتقل کر دیا صندوق واقعی بہت بھاری تھا اور میں اسے بمشکل اٹھا کر لایا تھا یوں لگتا تھا کہ وہ صندوق لوہے سے بھرا ہوا ہے دفتر میں آکر میں نے سب سے پہلے اس صندوق کا میمو کاٹ دیا نجانے کیوں میرے دل میں یہ مسلسل خیال آرہا تھا کہ میں اس صندوق کو کھول کر دیکھوں کہ آخر اس کے اندر کیا چیز ہے جو یہ اتنا بھاری ہے مگر میں نے اس خیال کو جھٹک دیا میمو کاٹ کر میں کرسی پر آرام سے بیٹھ گیا اور پریتم میرے ساتھ دوسری کرسی پر براجمان ہو گیا میں نے پریتم کے چہرے کو دیکھا تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ جیسے وہ مجھ سے کوئی خاص بات کرنا چاہتا ہے مگر وہ نہیں کہہ پا رہا تھا حالانکہ وہ اور میں ایک دوسرے سے بالکل فری تھے مگر شاید وہ حوصلہ نہیں کر پا رہا تھا بحرحال میں نے یہ خیال کیا کہ یہ شاید میری طرح صندوق کے بارے میں سوچ رہا ہے اور شاید یہ بھی صندوق کھولنے کا آرزومند ہے میں نے ٹرین پر چڑھنے والی سواریوں کا خاکہ ذہن میں لانے لگا اور سوچنے لگا کہ یہ کس کا ہو سکتا ہے مگر کافی دیر سوچنے کے بعد بھی میں کسی بھی حتمی نتیجے پر نہ جا سکا۔ بحرحال پھر یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ جس کا بھی ہو گا وہ خود ہی آکر لے جائیگا مگر چار دن گزر گئے کوئی نہ آیا۔ اور صندوق اسی طرح میرے دفتر میں پڑا رہا پانچویں دن میں نے سوچ لیا تھا کہ اب اسے کوئی لینے نہیں آئے گا لہذا اسے اب کھول کر دیکھنا چاہیے۔ شاید کوئی مطلب کی چیز نکل آئے دراصل اس صندوق سے میں تو بالکل لاتعلق تھا مگر پریتم اپنی فطری سوچ کی وجہ سے مجھے ہر وقت صندوق کے بارے میں گمراہ کرتا رہتا۔ اور اسی نے مجھے اس بات پر قائل کیا تھا کہ میں اس صندوق کو کھولوں اور میں راضی ہو گیا تھا میں نے اسے حکم دیا کہ وہ اسے میرے کوارٹر تک لے جائے اور پھر وہیں اسے کھولیں گے تھوڑی دیر میں ٹرین آنے والی تھی میں نے اسے کہا کہ وہ اسے لے جائے اور میرے آنے کا انتظار کرے پریتم کے لیے اس صندوق کو اکیلا لے جانا مشکل تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کی نگاہوں میں حرص آچکا تھا اور وہ کیسے بھی کر کے لے جائے گا۔ اور ہوا بھی یہی اس نے اکیلے ہی اسے کندھوں پر اٹھایا اور چلتا بنا۔

ٹرین نکال کر میں نے اپنا کام مکمل کیا اور کوارٹر کی طرف آگیا جہاں وہ میرا منتظر تھا میں نے اس کی آنکھوں میں حرصانہ چمک واضح طور پر دیکھی اس نے تالہ توڑنے کا سامان پہلے سے ہی تیار کر رکھا تھا۔ میں نے اسے کھولنے کا کہا تو اس نے جھٹ سے لوہے کی سلاخ تالے میں پھنسائی اور بھرپور زور لگا کر تالہ کھول دیا دوسرا بھی اس نے کھول دیا میں اس کے قریب آیا اور میں نے اسے ڈھکن اٹھانے کو کہا ڈھکن کھولتے ہی ہوا کا ایک بدبودار جھونکا میرے اور پریتم کی ناک سے ٹکرایا بدبو اتنی سخت تھی کہ مجھے ابکائی آگئی بدبو پورے کمرے میں سرایت کر گئی اتنی عجیب اور بھدی سی بدبو تھی کہ میرا دماغ چکرا کر رہ گیا۔

ابکائی کے مارے میرا برا حال تھا مگر پریتم پریتم ایسے صندوق سے پاس بیٹھا تھا کہ جیسے وہ بدبو نہ ہو کوئی خوشبو ہو بحرحال جب بدبو باہر نکلی تو میں دوبارہ اندر آیا اور پھر میں صندوق کے پاس گیا صندوق کے ڈھکنے پر اندر والی طرف ایک عجیب زبان میں کوئی عبارت لکھی ہوئی تھی پریتم نے اس عبارت کو دیکھا تو اس کا رنگ پھیکا پڑنے لگا اس کے چہرے پر جیسے خوف سا آگیا تھا میں نے یہ دیکھ کر بڑی لاپروائی سے پریتم کو مخاطب کیا۔

پریتم کیا یہ بکواس ہے چلو جلدی سے بند کرو اس کو نجانے کیا بلا اندر مری پڑی تھی جس کی اتنی بدبو آرہی تھی اور یہ عبارت بھی جانے کون سی زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ نجانے کس نے ٹونا ٹنکا کیا ہے غضب خدا کا چار دن سے تم نے مجھے کیا اسی بدبو اور اسی اوٹ پٹانگ تحریر پڑھوانے کے لیے مجبور کیا تھا اور میرا سر کھایا تھا بند کرو اسے۔

پریتم نے اسی انداز میں بند کر دیا۔ مگر وہ گہری سوچ میں غرق تھا نجانے کسی خبیث نے ٹونہ کیا ہے جاؤ اس صندوق کو کہیں پھینک آؤ میں اب ایک منٹ بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا جاؤ جلدی۔

پریتم نے بنا کچھ بولے صندوق اٹھایا اور چلتا بنا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کر دئی تا کہ وہ بدبو اچھی طرح سے کمرے سے نکل جائے جانے کیا بے ہودہ بدبو تھی جس نے میرا دماغ بھی مفلوج کر دیا تھا تھوڑی دیر بعد پریتم بھی آگیا جس نے بتلایا کہ وہ اس صندوق کو بڑے ڈھابے کے پاس پھینک آیا ہے۔ بحرحال کچھ دن گزر گئے اور میں اس منحوس صندوق کو بھول گیا پریتم بھی اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

کوئی ایک ماہ بعد کا واقعہ ہے کہ رات کی تاریکی میں کسی نامعلوم بلا نے دھوم شالا کے برہم چاری پر عجیب سا حملہ کیا کہ اس کے پورے جسم پر سبز دھبے بن گئے جو چھالوں میں تبدیل ہو گئے اور انکے سیال مادہ بھی سبز رنگ کا تھا میں نے تو خیر اس کی حالت نہیں دیکھی مگر پریتم کا کہنا تھا کہ اسے کسی اچھا دری ناگن نے کاٹا ہے یا ڈسا ہے اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا ہے اتنی بھیانک موت پر پورا گاؤں ڈر سا گیا اور علاقے میں خوف ہراس پھیل گیا مرنے والے کا کریا کرم کر دیا گیا مگر ہر کوئی اس کی بھیانک موت پر اداس بھی تھا اور خوفزدہ بھی تھا۔

چار دن بعد اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش آگیا علاقے کا مانا ہوا پہلوان مانو سنگھ جنگل کے قریب اوندھے منہ مرا ہوا ملا اس کے بھی پورے جسم کا وہی حال تھا جو اس برہمچاری کا ہوا تھا اس کے بھی جسم پر بڑے بڑے نیلے سبز رنگ کے چھالے

قرار دینے لگے علاقے میں شدید خوف ہراس پھیل گیا ہر ایک کے منہ پر اس سبز دھبوں والی موت کا تذکرہ تھا لوگوں نے اس سبز موت کے ڈر سے گھروں سے باہر نکلنا بند کر دیا اور محصور ہو کر رہ گئے چوتھے دن ایک خوبرو جوان جو قریبی علاقے سے یہاں پڑھنے آیا تھا وہ بھی اس سبز موت کی نذر ہو گیا۔ وہ ایک مکان میں اکیلا رہتا تھا اور اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے جسم پر ویسے ہی سبز رنگ کے چھالے اور دھبے تھے۔ ان تمام اموات میں ایک بات مشترک تھی کہ مرنے والے تمام لوگ اکیلے ہی رہتے تھے اور جب انکو جلایا جاتا تو انکے جسم سے ایسی ناگوار بدبو اٹھتی کہ وہاں کھڑے رہنا کافی مشکل ہو جاتا تھا۔ مگر لوگ پھر بھی کھڑے رہتے کیونکہ رسم تو بہر حال پوری کرنا ہوتی ہے میں بھی چونکہ اکیلا رہتا تھا اسی لیے میرے پاس اسٹیشن کے لوگ آئے اور حکم دیا کہ میں کسی آدمی کو اپنے ہاں ٹھہرا دوں سچی بات تو یہ تھی کہ میں بھی پے در پے ان واقعات سے اتنا خوفزدہ تھا کہ میں نے پریتم کو مستقل اپنے ہاں ٹھہرا دیا لیکن مجھ سمیت تمام لوگوں کا سکون برباد ہو کر رہ گیا تھا اور ایک عجیب سا خوف سرائیت کر گیا تھا ا دن گاڑی کے گزرنے کے بعد چند سواریاں گیٹ پر اس انتظار میں تھیں کہ میں جلدی سے ان کے ٹکٹ دیکھ کر انکو روانہ کروں مگر میں بڑے کیکر کے نیچے بیٹھی ہوئی ایک عورت کو دیکھ رہا تھا جو بجائے گیٹ کے ساتھ بیٹھنے کے اس طرف بیٹھی تھی رات کے وقت ایک عورت کا وہاں بیٹھنا خلاف توقع تھا ایک سواری کے بار بار اصرار پر میں نے اس کا خیال ترک کر کے ٹکٹیں دینے لگا تمام ٹکٹیں کو دیکھنے کے بعد جب لوگ چلے گئے اور میں اور پریتم اکیلے رہ گئے تو میں نے اسی نامعلوم عورت کی طرف نگاہ دوڑائی اور وہ مجھے اسی طرح درخت کے نیچے بیٹھی

جا کر اس عورت سے معلوم کرے کہ آیا وہ گاڑی سے اتری ہے یا جانا چاہتی ہے اور اگر وہ جانا چاہتی ہے وہ اسے یہ بتا آئے کہ اب کوئی گاڑی نہیں آئے گی۔۔

پریتم سر ہلاتا ہوا درخت کی طرف بڑھا اور میں اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے میں نے پوچھا۔

کیا ہوا ہے۔

وہ تیزی سے بولا۔ بابو جی وہ بیٹھی بس روئے جا رہی ہے اور میرے بارہا اصرار پر بھی اس نے مجھے کچھ نہیں بتلایا۔ بابو جی وہ مجھے کوئی معصوم مصیبت میں لگتی ہے آپ جا کر خود اس سے معلوم کر لیں

میں سر ہلاتا ہوا اس کی جانب بڑھا نہ جانے کون تھی اور جانے کیا ماجرہ تھا کہ وہ روئے جا رہی تھی میں نے اس کے قریب جا کر دیکھا واقعی وہ عورت سسکیاں لے کر رو رہی تھی میں نے ازراہ ہمدردی اسے اپنی جانب متوجہ کیا اس جگہ ہلکا ہلکا اندھیرا تھا اس لیے میں اس کا چہرہ واضح نہ دیکھ سکا۔ البتہ میں نے اتنا اندازہ لگا لیا کہ وہ اٹھارہ بیس سال کی لڑکی ہے میں نے ہلکا سا کھنکھارہ اور بولا۔

محترمہ میرا نام صداقت ہے میں یہاں کا اسٹیشن ماسٹر ہوں آپ کو میں مسلسل روتے ہوئے دیکھ رہا ہوں مجھے بتائیں کہ مسئلہ کیا ہے شاید میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں۔

آپ میری کیا مدد کریں گے میں تو ہوں ہی بدنصیب میرا خاوند مجھے بیاہ کر رائے پور جا رہا تھا مگر مجھے ویران اسٹیشن پر چھوڑ کر خود گاڑی میں روانہ ہو گیا۔ یہ کہتے ہوئے وہ پھر سسکیاں لینے لگی۔

آپ روئیں مت براہ مہربانی سب ٹھیک ہو جائے گا میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

اگر آپ اجازت دیں تو میں ادھر رات بسر کر لوں اس نے روتے ہوئے سوال کیا

کمال کرتی ہیں آپ بھی بھلا اس ویرانے میں آپ اکیلی کیسے رات گزاریں گی میرے ساتھ آئیں اور مجھ پر پورا بھروسہ رکھیں انشاء اللہ آپ مجھے مخلص پائیں گی۔

شکریہ۔ یہ کہتے ہوئے وہ اٹھی اور میں اسے اپنے ہمراہ لاتے ہوئے میرے آفس تک آ گیا میں نے اسے ایک خالی کرسی پر بٹھایا اور جب میں نے اس کا چہرہ دیکھا تو میں نے اس کے خاوند پر لاکھ بار لعنت بھیجی وہ واقعی انتہا درجے کا نہایت بے ہودہ اور جاہل شخص تھا جو اتنی خوبصورت عورت کو اکیلا چھوڑ گیا تھا اس کا حسن دیکھ کر میری آنکھیں ساکت تھیں وہ ایک ایسرا تھی ہلکے آسمانی رنگ کی ساڑھی میں ملبوس اور سونے سے لدی ہوئی واقعی نو بیاہتا دلہن تھی وہ جی چاہتا تھا اپنے ہونٹوں سے اس کے آنسو پی لوں اور اسے گلے سے لگا کر اس کے غم کو میں اپنے غم میں سمو لوں۔ وہ پوجے جانے کے لائق تھی مگر واہ ری قسمت جو لوگ ذہین اور خوبصورت ہوتے ہیں یا قابل ہوتے ہیں ان کی قسمت ان کو گلیوں میں رلا رہی ہے مگر جو لوگ بدصورت اور نالائق ہوتے ہیں وہ ہمیشہ قسمت کے دھنی ہوتے ہیں اس کی مانگ میں بھرا سندر و مہندی بھرے ہاتھ پاؤں میں زری کی جوتی اس کے دلہن ہونے کا مکمل ثبوت تھی وہ سر جھکائے قسمت پر افسوس کر رہی تھی اور میں اس کے خاوند پر بے شمار لعنت، اور اس کے حسن میں کھویا ہوا تھا چند لمحے اسی طرح گزر گئے ماحول میں اسکی سسکیاں گونج رہی تھیں میں نے ٹھنڈا سانس بھرا اور بولا۔

مجھے حیرت ہے اس شخص پر جو آپ جیسی اک دیوی کو چھوڑ گیا بہر حال آپ بے فکر رہیں آپ کے خاوند کی تلاش کے سلسلے میں مجھ سے جو ہو سکا میں وہ کروں گا میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا اس نے

اپنی جھکی ہوئی نگاہیں اٹھا کر میری جانب دیکھا میں نے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دیکھی جیسے سخت سردی میں شدید دھوپ کی تمازت کا احساس ہو لمحہ بھر کے نظروں کے تصادم نے مجھے ہلا کر رکھ دیا پریتم دفتر کے باہر کھڑا میرے حکم کا منتظر تھا کہ میں اسے کوئی حکم نامہ جاری کروں اسی احساس کے پیش نظر میں نے اسے جلدی سے چائے اور بسکٹ لانے کا حکم دے دیا۔

آپ کے میاں سے آپ کا جھگڑا ہو گیا تھا کیا۔

نہیں۔ وہ بولی ہم دونوں گاڑی میں سوار تھے جب یہ شہر آیا تو اس نے مجھے گاڑی سے اترنے کا حکم دیا میں اتر گئی اور وہ بھی اترا پھر اس نے اس نے مجھے اس کیکر تلے بٹھایا اتنی دیر میں گاڑی چلنے لگی تو وہ بھاگ کر اس میں سوار ہو گیا اور میں دیکھتی ہی رہ گئی اس نے ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے مجھے جواب دیا۔

وہ نہایت ہی بے وقوف انسان تھا جس نے آپ جیسے کوہ نور کو چھوڑ دیا آپ کی عزت نہ کی حالانکہ جتنی آپ حسین ہیں وہ ساری زندگی آپ کی پوجا بھی کرتا تو وہ کم تھی۔

وہ پھیکی سی مسکرائی اور بولی۔ سب قسمت کی بات ہے صاحب جو بھی جس قابل ہوتا ہے اسے یہ قسمت برباد کر لی ہے اگر میں خوبصورت نہ ہوتی تو مجھے یقین ہے کہ میں کسی مالدار گھرانے میں ہوتی مگر اسی حسن نے مجھے ذلیل کیا۔

واقعی سچ کہتی ہو تم سب قسمت کی بات ہے چلو یہ بتلاؤ کہ تم کہاں کی رہنے والی ہو۔

پانڈے پور کی رہنے والی ہوں بابو جی۔

اتنے میں پریتم چھاگل میں چائے اور بسکٹ لے آیا میں نے پیالی میں چائے انڈیل کر اس کے سامنے رکھ دی اور بسکٹ بھی اور پھر میں نے اس کا نام

پوچھا۔ تو بولی۔

میرا نام پوجا ہے۔

چلیں پوجا جی ایسا ہے کہ آپ چائے وغیرہ پی کر پریتم کے ساتھ میرے کوارٹر میں چلی جائیں اور آرام کریں صبح کچھ حل نکالیں گے اور ہاں پریتم تم انکو چھوڑ کر سیدھا میرے پاس دفتر آنا اور پوجا جی آپ کوارٹر کا دروازہ اندر سے بند کر لینا۔ اور اگر کوئی دروازے پر آئے تو اس وقت تک نہ کھولیں جب تک آپ کو یقین نہ آ جائے کہ وہ آنے والا ہم دونوں میں سے کوئی نہیں ہے۔ اس نے سر ہلایا اور چائے پی کر وہ پریتم کے ساتھ کوارٹر پر چلی گئی خدا جانے اس کے خاوند نے اسکے ساتھ یہ سلوک کیا تھا یہ تو دل میں بسا کر رکھنے والی چیز تھی کاش یہ میری دلہن ہوتی تو میں اسے آفس میں بھی اپنے ساتھ رکھتا اور ایک پل بھی اسے خود سے جدا نہ کرتا۔ میں نے سوچا وہ ہندو تھی اور اگر میں اپنے ان احساسات کو زبان پر لاتا تو شاید پریتم برا مان جاتا اس لیے میں نے خود پر بمشکل کنٹرول کیا لیکن میں ساری رات اس کے خیالوں میں ایسا کھویا کہ خود کو بھول گیا۔

اسکے اگلے دو دن میں نے پانڈے پور اور مضافات میں لڑکی کے والدین یا خاوند دونوں کا مکمل پتہ کروایا فون کئے اور ملازم بھی روانہ کئے۔ مگر سوائے مایوسی کے کچھ نہ ملا اس کے والدین بھی نہ ملے اور نہ ہی اس کا خاوند کا کچھ پتہ چلا مگر میں نے ہمت نہ ہاری اور ریلوے پولیس سے مدد لی انہوں نے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر کچھ نہ آیا پھر میں نے پوجا کے ذریعے۔ مقامی پولیس بھی رپورٹ کرا دی پوجا بے فکری سے میرے کوارٹر میں رہتی تھی اور میں اس کے گھر والوں کی تلاش میں سرگرداں تھا آج اسے رہتے ہوئے پانچواں دن تھا میں دن میں تین چار بار مختلف بہانوں سے اسے ملنے چلا جاتا اور اس سے چند باتیں کر کے واپس آ جاتا میرا دل کرتا تھا کہ میں اس کے پاس گھنٹوں بیٹھوں مگر میں پریتم کی وجہ سے مجبور تھا کیونکہ وہ ایک ہندو تھا اور اگر اسے ذرہ سی بھی بات کی بھنک پڑ جاتی تو مجھے لینے کے دینے پڑ سکتے تھے کیونکہ سارا علاقہ کٹر ہندوؤں کا تھا اس لیے میں اس کے سامنے خاصا محتاط رہتا تھا مگر وہ پری چہرہ میرے دل میں اتر چکا تھا اسے جب تک میں نہ دیکھتا تھا دل کو سکون نہیں ملتا تھا۔

تو ہی تو مجھ کو ایسے ملا ہے جیسے بنجارے کو گھر

اب ایسے ہونے لگا تھا کہ وہ پریتم کے ذریعے سے سودا سلف بازار سے منگواتی اور میرے لیے اور پریتم کے لیے کھانا بناتی چائے وغیرہ اور پھر میرے کپڑے تک دھونے لگی میں اس کی اس نوازش پر خاصا خوش تھا مگر میں نے اک خاص بات نوٹ کی تھی کہ وہ ہمارے لیے تو کافی سارا کا کھانا بناتی تھی مگر وہ کبھی کبھار چائے پی جاتی اور اکثر صرف دودھ پر ہی گزارا کرتی میں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اس نے منت مانی ہے کہ جب تک اس کا خاوند نہیں مل جاتا وہ سوائے دودھ کے اور کچھ بھی نہ کھائے گی نہ پیئے گی میں حیران بھی ہوا اور مطمئن بھی ایک اور بات جو میں نے خاص طور پر نوٹ کی کہ میں جب بھی کوارٹر پر آتا مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں میرے لیے اپنائیت کے آثار پیدا ہو جاتے مجھے دیکھ کر اس کا چہرہ کھل سا جاتا وہ مسکرا مسکرا کر مجھ سے باتیں کرتی اور اشاروں اشاروں سے وہ مجھے باور کراتی کہ وہ کسی طرح سے پریتم کو خود سے دور کر دوں اور پھر وہ مسلمان ہو کر میری ہو جائے گی میں خود بھی اس کے پیار میں گم تھا میں جانتا تھا کہ جس دن اس کے گھر والوں کا پتا چل گیا وہ چلی جائے گی مگر یہ کم بخت دل بھی عجیب شے ہے کسی کی نہیں سنتا۔ بس مجھے بھی اس سے پیار ہو گیا تھا لیکن میں اس خیال سے مطمئن تھا کہ اسے ہر حال میں پالوں گا مگر پہلے واقعی پریتم کا کچھ کرکے

ورنہ حالا میرے خلاف ہو جانے تھے اور ویسے بھی اس وقت جو شہر کے حالات تھے وہ سو فیصد میرے حق میں تھے کیونکہ جو قیامت اس شہر میں ٹوٹی تھی لوگوں کا مکمل دھیان اسی طرف تھا ہر کوئی اسی آفت میں پریشان تھا اس لیے کسی نے بھی یہ سوچنے یا جاننے کی زحمت ہی نہ کی کہ ایک مسلمان کے گھر ہندو ناری رہتی ہے جس کا سلوک اس کے ساتھ خاوند جیسا ہے۔ بحر حال ایک رات گاڑی گزر جانے کے بعد بتی لیے پریتم کو گودام کی نگرانی کا کہتا ہوا میں کوارٹر کی طرف چلنے لگا کہ تھوڑا سا اس حسینہ سے ٹائم پاس کر لوں بتی گودام میں اکثر سامان زیادہ آتا تھا اسی لیے چوروں کے ڈر سے میں اکثر پریتم کی وہاں ڈیوٹی لگا دیتا کہ وہ اس کی نگرانی کرے اس رات بھی سامان زیادہ تھا اس لیے میں نے پریتم کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ حفاظت کرے ٹائم اچھا تھا اس لیے میں آتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ آج اس حسینہ کے سامنے اپنا دل کھول کے رکھ دوں گا اسے یہ باور کرا ہی دوں گا کہ میں اس سے کتنی محبت کرنے لگا ہوں اور اسے پانے کے لیے میں کس قدر بے چین ہوں۔

چاروں طرف خاموش سناٹا اور گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا اسٹیشن پر نصب لالٹین کی مدہم روشنی کا شعلہ ہوا کے دوش پر رقص کناں تھا اور میں اسی کے خیال میں گم اپنے کوارٹر کی جانب رواں دواں تھا کوارٹر آ کر میں نے تیزی سے دو دروازہ کھٹکھٹایا تو اس نے جھٹ سے یوں کھولا کہ جیسے اسے علم تھا کہ میں آ رہا ہوں اور وہ میرے انتظار میں دروازے پر کھڑی ہو اس نے مسکرا کر میرا استقبال کیا۔ اور پھر جلدی سے اس نے دروازہ بند کر دیا۔

پوجا۔ ابھی تک تیرے کسی بھی رشتہ دار کا اتا پتہ نہیں چل سکا ہے میں نے چلتے ہوئے کہا۔

بھگوان کرے پتہ نہ ہی چلے۔ اس نے آہستہ سے کہا تو میں نے ناسمجھی سے کہا۔

کیا۔

کچھ نہیں صاحب جی۔

میں نے کہا میری قسمت۔

اس نے جھٹ سے جھوٹ بول کر بات کا رخ بدل دیا تھا مگر میں نے اس کی بات سن لی تھی اور مجھے جتنی خوشی ہوئی تھی میرا دل جانتا تھا۔

آپ بیٹھو میں چائے لاتی ہوں۔

ارے نہیں رہنے دو تکلیف نہ کرو۔

تکلیف کس بات کی صاحب جی چائے تو میں نے بنا رکھی ہے۔ وہ مسکراتے ہوئے چل دی تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پیالی تھی۔

اتنی مہربانی نہ کرو اور مجھے کسی کے ہاتھ کی چائے پینے کا عادی مت بناؤ کل کو تم نے چلے جانا ہے اور پھر میں بڑا یاد کروں گا۔

میں نے کہا تو وہ پھیکی سی مسکرائی مگر اس کے چہرے پر مایوسی سی چھا گئی

ابھی تک تو صرف پریتم کو ہی علم ہے اگر کسی اور کو علم ہو گیا تو مسئلہ ہو جائے گا پوجا جی۔

میری اس بات پر وہ پریشان سی ہو گئی اور کسی سوچ میں گم ہو گئی اسے پریشان دیکھ کر میرا دل کڑھنے لگا مجھ سے اس کا یہ اترا ہوا چہرہ برداشت نہ ہوا تو میں نے ہمت کر کے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ ہلکی سی کسمسائی۔

تم فکر مت کرو پوجا جی میں ہوں ناں میں اس مسئلہ کا بھی کوئی حل نکال لوں گا پھر تم اور میں ہمیشہ ایک ساتھ اکٹھے رہیں گے۔

اس کا بازو پکڑتے ہوئے مجھے ایک ملائم سی سراسراہٹ کا احساس ہوا نجانے کیوں مجھے ایسے لگا جیسے میں نے سانپ کو پکڑ رکھا ہو شاید یہ میرا احساس تھا لیکن میں نے ایک بار ہاتھ سے سانپ پکڑا تھا اور وہ میں نے مارا تھا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر میں نے

دور پہنچا تھا ابھی میں مزید کچھ اور سوچتا یا وہ مجھے کوئی جواب دیتی اچانک باہر قدموں کی چاپ سنائی دی وہ تیزی سے مجھ سے دور ہوئی اور میں جھٹ سے باہر نکل کر دیکھنے لگا آنے والا پریتم تھا۔

کیوں پریتم کیا ہوا۔ میں نے جلدی سے پوچھا

صاحب جی مال گاڑی آئی ہے

اس وقت کون سی مال گاڑی آئی ہے مجھے تو کوئی علم نہ ہو سکا۔

پتہ نہیں صاحب جی۔

اچھا خیر جلدی چلو۔

میں تیزی سے باہر نکلا اور اسے ساتھ لیتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھا مگر میں دل میں خوب اس کو کوس رہا تھا ساری فلم ہی خراب کر دی تھی کمینے نے بحرحال گاڑی گزار کر میں پریتم کے ساتھ ہی بی گودام پر بستر ڈال کر سو گیا۔ اور پریتم میرے پاؤں دبانے لگا میرا واپس کوارٹر آنے کا خوب من تھا مگر میں جاتا تو پریتم پھر محسوس کر جاتا اس لیے میں دل پر جبر کیے خاموش رہا۔

بابو جی۔ جلدی سے اس ناری کا کچھ کریں ایسا نہ ہو کہ ہم کہیں پھنس جائیں۔

ہاں یار۔ واقعی بات تو تیری ٹھیک ہے مگر تم دیکھ رہے ہو کہ میں نے کتنی کوشش کی ہے پولیس میں رپورٹ بھی کرا دی ہے مگر کچھ نہیں بنا بحرحال میں مزید صبح کوشش کروں گا۔

میری اس بت سے وہ مطمئن ہو گیا میں نے باہر سونے کا ارادہ ملتوی کیا اور اندر کمرے میں آ کر سو گیا جبکہ پریتم باہر سے کے کش لینے لگا۔

رات کی تاریکی مزید بڑھ گئی پوری بستی کے لوگ خوف کے مارے گھروں میں دبکے ہوئے تھے اور خیر کی دعائیں کر رہے تھے ساری بستی میں ہو کا عالم تھا کتے بھی خوفزدہ تھے اور دبکے ہوئے تھے کہیں کوئی اکا دکا ہمت کر کے آواز بلند کرتا پھر وہ بھی خاموش ہو جاتا پوری کی پوری گلیاں سنسان اور ویران تھیں اچانک بستی سے ایک ہیولہ سا نمودار ہوا اس کے ارد گرد سبز غبار سا تھا یوں لگتا تھا کہ جیسے یہ سبز غبار اس کے جسم سے نکل رہا ہو اسکے چلنے کی رفتار بے حد تیز تھی وہ سنسان گلیوں سے ہوتا ہوا اسٹیشن کی طرف بڑھنے لگا بڑھتے بڑھتے اس کا رخ بی گودام کی جاب ہو گیا جہاں دن بھر کا تھا کا ہوا پریتم سو رہا تھا سایہ چلتا ہوا پریتم کے پاس آ کر چارپائی پر جھکا جیسے اس کے سونے یا جاگنے کا یقین کر رہا ہو مگر پریتم شاید جاگ رہا تھا تبھی اس نے تیزی سے آنکھیں کھول کر اس ہیولے کو دیکھا تو خوف کے مارے اس کی آنکھیں کھلی ہی رہ گئیں اچانک پریتم کے جسم پر سبز غبار کی ایک پھواری پڑی جس میں وہ نہلا گیا۔ ابھی وہ اسی کشمکش میں تھا کہ اچانک ہیولے کے جسم میں تیزی سے تبدیلی آئی عضو سکڑنے لگے اور وہاں ایک نیا وجود تخلیق ہونے لگا پریتم کا پورا جسم اس غبار میں گم ہو گیا اچانک وجود سمٹ کر ایک ناگن میں تبدیل ہوا ایک اچھا دری ناگن تھی وہ جو شاید پریتم کو اپنا شکار بنانے آئی تھی اسکی آنکھوں کی کشش نے پریتم کو بے بس سا کر دیا وہ نہ تو چیخ سکا اور نہ ہی اس نے کوئی مزاحمت کی وہ اچانک چارپائی پر چڑھی اور پریتم کے جسم پر رینگنے لگی اچانک اس نے اپنا پھن اٹھایا اور اپنا زہر پریتم کے جسم میں پیوست کر دیا۔ اسکا جسم کانپنے لگا مگر اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی ناگن نے اس پر بس نہ کیا وہ برابر اپنا زہر اس کے جسم میں اتارتی رہی اور اسکا جسم سکڑتا چلا گیا۔ تھوڑا سا سکڑنے کے بعد پھر پریتم کا جسم پھولنے لگا اور پھر اتنا پھولا کہ اس کا پیٹ درمیان سے پھٹا اور سبز مواد سا نکلنے لگا اور پریتم کی آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں اس کا ناطہ جسم سے ٹوٹ چکا تھا وہ بھی اس سبز موت کا شکار ہو چکا تھا اس زہریلی ناگن کا شکار ہو چکا تھا۔ پریتم کے مرتے ہی وہ ناگن انسانی

ہیولے میں آئی اور جہاں سے آئی تھی وہاں چلی گئی رات بھیگ چکی تھی اور پریتم کی لاش بی گودام کے باہر پڑی تھی۔ میں یہ منظر اپنی جاگتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا خوف سے میرا برا حال ہو رہا تھا مجھ میں ہمت نہ تھی کہ میں جا کر اس زہریلی ناگن کے ہاتھوں پریتم کو بچاتا نجانے مجھے کیا ہو گیا تھا میری ہمت کیسے جواب دے گئی تھی میں کیوں اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا۔ مجھ پر ایک کپکپی طاری تھی جس کی کوئی انتہا نہ تھی۔ میرے سامنے جو کچھ بھی ہو رہا تھا میں اسے دیکھ رہا تھا۔

صبح میں اٹھا تو مجھ پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی میں تیزی سے لاش کے پاس گیا اور ارد گرد لوگوں کا ہجوم تھا جو مجھ سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے مگر میرے پاس کوئی جواب نہ تھا پریتم کے جسم پر بھی وہی نشانات تھے جو اس سے پہلے ہونے والی اموات کی لاشوں پر تھے وہی سبز رنگ کے بڑے دھبے اور بڑے گڑھے جن سے ناقابل برداشت بدبو اٹھ رہی تھی میں شدید غمزدہ تھا میرا ساتھی مجھ سے بچھڑ گیا تھا اس کے بغیر میں بالکل ادھ موا ہو چکا تھا کاش میں رات کو اس کے پاس سوتا اور وہ نہ مرتا میں خود کو کوسنے لگا پولیس آئی اور اسے بھی پراسرار واقعہ قرار دے کر چلتی بنی۔ میں شدید اذیت میں تھا لاش کو جلانے تک میں ساتھ رہا پھر تھکے ہارے قدموں سے واپس لوٹا اور چل پڑا ویران اسٹیشن میرا منتظر تھا میں وہاں سے پوجا کی طرف گیا اس نے میرا دکھ خوب بانٹا۔ اور میرا غم ہلکا کرنے میں میری کافی مدد کی۔

بحرحال ٹائم گزرا میں نے ہیڈ کوارٹر اطلاع دی اس کا کوئی وارث تو تھا نہیں اس لیے وہ بے چارہ گمنام موت مر گیا اگلے تین دن تک پوجا سے میں دل کا غم ہلکا کرنے جاتا رہا۔ اور وہ میری ڈھارس بندھاتی رہی پریتم کی جگہ نیا ملازم آ گیا جو ایک عمر رسیدہ عیسائی تھا اس نے بھی میری خوب خدمت کی مگر میں پریتم کو نہ بھول سکا۔

جوزف نام کا وہ بوڑھا انتہائی کم گو تھا اور خدمت گزار آدمی تھا خاموش طبع وہ آدمی کام بتانے پر کرتا ورنہ اکثر خاموش رہتا۔ اور خلاؤں میں گھورتا رہتا جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو۔ میں نے کافی سوچ بچار کے بعد بالآخر تمام سٹاف کو پوجا کے بارے میں بتلا دیا۔ کہ وہ میری بیوی ہے میں جانتا تھا کہ یہ جھوٹ ہے مگر سچ کسے معلوم تھا۔ وہ تو مر چکا تھا ویسے بھی مجھے کوئی نہ کوئی بہانہ تو بنانا تھا ناں سو اس جھوٹ سے میری پریشانی کافی کم ہو گئی۔

جوزف برابر روز جاتا کوارٹر کی صفائی کرتا اور بازار سے سودا لے آتا اگلے دن بارہ کی گاڑی گزارنے کے بعد میں نے حساب کتاب بند کیا اور کوارٹر کی طرف جانے کا ارادہ کیا اب میں نے پکا سوچ لیا تھا کہ آج ہر حال میں پوجا سے اظہار محبت کروں گا۔ اس سے شادی کی درخواست کروں گا اور اسے مسلمان کر کے نکاح کر کے والدین کو تحفہ دوں گا۔ مجھے یقین تھا کہ اتنی خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر والدین مجھے داد دیں گے رہا مسئلہ پوجا کے رشتہ داروں کا تو کسے علم تھا کہ وہ ادھر ہے اور میں نے سوچ لیا کہ شادی کے بعد اسے والدین کے پاس ہی کچھ عرصہ رکھوں گا تاکہ اگر کوئی اسے ڈھونڈنے آ بھی جائے تو اسے نہ ملے راستے میں آتے ہوئے میں کافی خوش تھا دل میں مختلف خیالات آ رہے تھے کہ اس سے اپنے اظہار کروں گا وہ ایسے شرمائے گی تو اسے بانہوں میں بھر لوں گا ساری رات اس سے باتیں کروں گا وہ کروں گا غرض جو بھی دل میں آیا کر گزروں گا اور شادی کے بعد اسے اتنا پیار دوں گا کہ وہ ماضی بھول جائے گی اور وہ مجھ پر ناز کرے گی۔

دروازہ پر آ کر میں نے دستک دی تو اس نے

[illegible]زہ نہ کھولا میں نے کئی بار دستک دی مگر جواب ندارد میں پریشان ہوگیا رات کا ٹائم تھا اور وہ اکیلی کہیں وہ بھی اس ناگن کا شکار۔۔۔ یہ خیال آتے ہی مجھے سخت جھرجھری آئی میں تیزی سے دیوار پھلانگ کر اندر کودا اور دوڑتے ہوئے اسے آوازیں دیتے ہوئے کمرے میں آیا۔ میں نے دیکھا کہ کمرے میں اسکی ساڑھی بکھری ہوئی ہے مگر وہ اندر موجود نہیں ہے کمرے میں تمام چیزیں بکھری پڑی تھیں میرا دل دہل اٹھا یقیناً اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہو چکا تھا۔ اور میں بے خبر تھا دل مارے غم کے گونج اٹھا۔ میں نے پورے کوارٹر اور ارد گرد دیکھا وہ مجھے نہ ملی اور میں شدید پریشانی کے عالم میں رونے لگا میں اس کی جدائی سے پاگل ہوگیا تھا میں اسے زندگی کا ساتھی بنانے آیا تھا مگر وہ نجانے کہاں چلی گئی تھی مجھے چھوڑ کر میں کسی پاگل کی طرح اسے ڈھونڈنے لگا اس کے کپڑے سینے سے لگائے ہوئے بار بار چومتا اور روتا جاتا مجھے ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے میری جان نکال لی ہو اس کے بغیر مجھے احساس ہوا تھا کہ میں کتنا ادھورا ہوں جوزف سے میں نے پوچھا۔ تو وہ بولا۔

شام تک تو وہ کوارٹر میں ہی تھی بعد کا نہیں پتہ۔

شاف میری بگڑی ہوئی حالت دیکھ کر مجھ سے شدید افسوس کیا اور سب نے کہا۔

اسے بھی ہوسکتا ہے کہ اس ناگن نے اچک لیا ہو۔ میں نے ان کی باتیں سنکر ان کو گالیوں سے خوف نواز ا اور نجانے کیا اول فول بکتا رہا۔ میرا دماغ میرے کنٹرول سے باہر ہو چکا تھا مجھے کسی بھی گاڑی کے آنے جانے کا کوئی خیال نہ رہا ہاں اگر خیال تھا تو پوجا کا جو نہ جانے کدھر تھی میری زندگی خزاں رسیدہ پتے کی طرح ہو چکی تھی شاف نے میری حالت دیکھتے ہوئے اسٹیشن کا نظام خود سنبھال لیا۔ اور میری دیکھ بھال میں جت گئے جوزف کسی سائے کی طرح میرے ساتھ رہا اور میرا غم ہلکا کرتا رہا۔ مگر میں دیوانہ ہو چکا تھا چند دن کی رفاقت نے مجھے اس کے پیار میں اتنا آگے لا کھڑا کیا تھا جہاں سے واپسی ناممکن تھی میں نے کھانا پینا اور بولنا کم کر دیا تھا بس اس کی یادوں میں کھویا رہتا میں نے جگہ جگہ اسے ڈھونڈا رپورٹ کروائی مگر کچھ نہ بنا۔

ایک ماہ گزر گیا اس دوران پانچ اموات اس سبز موت یعنی ناگن سے ہوئیں ہر لاش پر میں دھڑکتے دل کے ساتھ شاید وہ پوجا کی ہو مگر وہ کوئی اور ہوتا۔ لیکن وہ غائب تھی اسے نجانے کس نے اغوا کیا تھا یا جانے کیا حادثہ ہوا تھا ڈیڑھ ماہ کے بعد مجھے کچھ ہوش آیا اور میں دفتر گیا شاف نے میری پوری دلجوئی کی اور میں بس پھیکی مسکراہٹ لیے بیٹھا رہا۔ ڈیڑھ ماہ کی ان سے رپورٹ لی تو مجھے علم ہوا کہ انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اور میری غیر موجودگی میں کام کو سنبھالا ہے میں نے سب کا شکریہ ادا کیا رات کو میں گاڑی گزارنے کے بعد اپنے دفتر آیا کوارٹر میں نے جانا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہاں اس کی یادیں تھیں جن سے میں بھاگتا تھا۔ میں نے جوزف کو تمام بتیاں روشنکر کے بجی گودام کی نگرانی کا کہا اور خوف لیٹ گیا ابھی مجھے لیٹے ہوئے منٹ ہی گزرا تھا کہ اچانک میری ناک میں ایک مانوس سی بدبو آئی وہی بدبو جو میں نے اور پریتم نے لوہے کا صندوق کھولتے وقت سونگھی تھی اور مجھے قے آگئی تھی میں نے چاروں طرف گھوم کر دیکھا مجھے اس کا ماخذ نظر نہ آیا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا تو میں تیزی سے اٹھا اور کمرے اور کھڑکیاں اچھی طرح بند کرلیں اور دوبارہ سو گیا۔ چند منٹ بعد مجھے دوبارہ وہی بدبو آئی و میں نے چونکر ارد گرد دیکھا اس بار یہ بدبو مجھے اپنے قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی میں تیزی سے اٹھا اور میں نے دیکھا کہ کمرے میں سبز رنگ کا غبار سا ابھر رہا تھا جس میں سبز ذرات جل بجھ رہے تھے میں اس منظر سے شدید خوفزدہ ہو گیا

ذروں کی جگہ [illegible] ہوتی دکھائی دی میں تیزی سے بھاگنے کی سوچنے لگا اور مدد کے لیے پکارنے ہی والا تھا کہ اچانک مانوس اور سریلی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

صداقت۔ گھبراؤ مت یہ میں ہو پوجا۔ جس کے احساس کی خوشبو نے تمہیں میرا دیوانہ کر رکھا ہے جسے ڈھونڈنے کے لیے تم بے قرار تھے جس کی جدائی میں تم ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے جس کے کپڑوں کو تم نے سینے سے لگا رکھا ہے۔

پھر وہ سبز غبار ایک کونے میں جمع ہو کر اکٹھا ہونے لگا لالٹین کی روشنی میں پوجا کا تمام وجود اپنی پوری رعنائی کے ساتھ میرے سامنے تھا اسے دیکھ کر جیسے میرے اندر بہاری آگئی تھی سب کچھ بھول کر میں اسکی طرف دوڑا۔ اور اسے بانہوں میں بھر کر زور زور سے رونے لگ گیا۔

کہاں چلی گئی تھی تم مجھے اکیلا چھوڑ کر جانتی ہو مجھ پر کیا گزری میں نے تیری جدائی میں کیسے دن گزارے میں نے تمہیں کتنا ڈھونڈا میں فرط جذبات سے اسے گلے سے لگائے بچوں کی طرح روتا چلا گیا۔

صداقت۔ تم میرے لیے پریشان تھے ناں۔ مجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو گئے ناں۔ لو میں آگئی ہوں وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ میں تمہیں اس انتظار کی اذیت سے نکالنے آئی ہوں صداقت۔

میں کئی لمحے اسے سینے سے لگائے غم ہلکا کرتا رہا پھر جب اچانک میرے ذہن میں سبز غبار اور ذرات اور پوجا کا اچانک ان سے نمودار ہونے کا خیال آیا تو میں تیزی سے پیچھے ہٹا۔ اور سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ میرا ذہن پڑھ چکی تھی شاید تبھی بولی۔

ہاں صداقت میں ہی وہ سبز موت ہوں بستی کے جتنے کی موت ہوئی ہے سب کو میں نے ہی مارا ہے میں انسان نہیں ہوں میں ایک ناگن ہوں ایک سراپا انتقام ہوں انسان کے اندر گردش کرتے خون کا جس نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا۔

مگر کیوں میں نے تیزی سے پوچھا۔

میں اور میرا ناگ ہم خوشحال تھے ہنسی خوشی جنگل میں رہتے تھے ایک دوسرے سے پیار میں گم تھے مگر ہماری محبت کو ایک ظالم سپیرے نے روند ڈالا اس نے میرے سامنے میرے محبوب کو مار کر اس کا منکا نکال لیا وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا میں اسے نہ بچا سکی مگر اس سے وعدہ کیا کہ انسانوں پر قہر بنکر ٹوٹوں گی اور میں واقعی قہر بن گئی قریب تھا کہ میں ساری بستی کو سبز موت مار دیتی مگر انجانے میں مجھے تم مل گئے۔ تم نے مجھ سے ٹوٹ کر محبت کی اور مجھے احساس دلایا کہ ہر انسان ظالم نہیں ہے ان میں کوئی نہ کوئی تمہاری طرح نیک اور پیار کرنے والا بھی ہے تم نے میرے ناگ کا غم اپنے انمول پیار سے دھو ڈالا تمہاری محبت نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اپنا ناگ سے کیا ہوا وعدہ توڑ دوں اور انتقام چھوڑ دوں اور آج میں اپنا وعدہ توڑ رہی ہوں اور تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ آج کے بعد کوئی بھی انسان سبز موت کا شکار نہیں ہوگا۔

پریتم کو بھی تم نے۔

ہاں اسے بھی میں نے مارا کیونکہ اس نے مجھے دھمکی دی تھی وہ مجھ پر بری نگاہ رکھتا تھا اس نے مجھے کہا کہ میرے ساتھ تعلقات رکھو اگر ایسا نہ کیا تو میں بستی کو بتا دوں گا کہ تم ایک ہندو ناری ہو کر ایک مسلے کے ساتھ تعلق بنا کے رہ رہی ہو۔ بس مجھے اسے بھی مارنا پڑا۔ کیونکہ اس نے تمہارے ساتھ غداری کی تھی مجھ سے برداشت نہ ہوا کہ تمہاری بے عزتی ہو۔

تم جو بھی ہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں مجھے اتنا علم ہے کہ میں تم سے دل کی گہرائیوں سے پیار کرتا ہوں اور تمہیں اپنا بنانا چاہتا ہوں ہمیشہ کے لیے تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں تیرے بغیر

کر ایک دوسرے کے پیار میں ڈوب جائیں ہیں۔ نے محبت سے سرشار لہجے میں کہا تو اس کی آنکھوں سے دو موٹے آنسو نکل کر اسکے رخسار سے لڑھکنے لگے۔

کاش صداقت۔ کاش ایسا ہو سکتا۔ کاش میں اور تم ایک ہو سکتے۔ وہ بے بسی سے بولی تو میں تڑپ کے بولا۔

کیوں نہیں ہو سکتا پوجا کیوں ہم ایک نہیں ہو سکتے کیوں۔

اس لیے کہ میں ایک ناگن ہوں جو سو سال بعد انسانی روپ میں آئی ہے میرے اندر سبز رنگ کا زہر ہے تم اور میں ایک نہیں ہو سکتے کیونکہ میں ایک ناگن ہوں زہر بھری۔ جنات سے انسانی شادی ہو سکتی ہے ناگوں سے نہیں۔ اگر ہم ایسا کر بھی لیں تو ہماری شادی محض نام کی ہوگی۔ اور بس تم مجھے جسمانی طور پر حاصل نہیں کر سکتے اگر تم نے کبھی جذبات میں آکر کیا یا میں نے کر دیا تو وہ تیری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ کیونکہ میرا زہر تم کو ویسے ہی مار دے گا۔ جیسے تمام لوگ مرے۔

او کے میں صرف تم سے محبت کروں گا بنا تمہارے جسم کو حاصل کئے بس اب مزید انکار نہیں چلے گا۔

نہیں صداقت میں انسانوں کو جانتی ہوں تم نہیں رہ سکو گے کیونکہ تم میں صبر کی کمی ہے تم لازمی غلطی کر گزرو گے میں ویسے تمکو چھوڑ دوں تو مجھے دکھ ہوگا مگر میری وجہ سے تم مر جاؤ یہ میرے لیے ناقابل قبول ہے اس لیے مجھے جانا ہوگا صداقت۔ مجھے تم بہت یاد آؤ گے میں اپنے دل کو سمجھا لوں گی اور تم بھی کسی اچھی لڑکی سے شادی کر لینا۔

مگر میں کیسے تمہارے بنا۔

بھگوان کے لیے مجھے مت روکو کہیں ایسا نہ ہو میں نے جبر کر کے یہ فیصلہ کیا ہے بس اب میں ہیں رک سکتی۔ میں تمکو بہت یاد کروں گی۔ اور ہاں میرے ناگن بنتے وقت میرے منہ سے منکا نکال لینا یہ میری سب سے قیمتی شے ہے جو میں تم کو اپنی نشانی کے طور پر دے رہی ہوں یہ تمہیں میری یاد دلائے گی اور اگر کبھی زندگی میں برا وقت آئے اسے بیچ دینا تمہاری آنے والی نسلیں کھائیں گی مگر دولت نہیں ختم ہوگی۔

میرے جواب دینے سے پہلے ہی اس نے جھک کر میرا ہاتھ پکڑا اور ایک طویل آنسوؤں سے لبریز بوسہ دیا اور ناگن بن گئی اس کے منہ میں واقعی ہیرے کی طرح چمکدار ایک منکا تھا جو میں نے مشکل سے اٹھایا اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے رک کر دیکھا اور تیزی سے رینگتی ہوئی ایک طرف گئی اور وہیں سے سبز ذرات میں تبدیل ہو کر ہمیشہ کے لیے میری زندگی سے چلی گئی اک حسین اور انمٹ یاد بن کر اب مجھے ساری زندگی اسکی یاد کے سہارے بتانا تھی۔

اچانک میں نے اپنے ہاتھ کی پشت کی طرف دیکھا جہاں پوجا نے چوما تھا وہاں ایک سبز نشان چمک رہا تھا میں نے سرد آہ بھرتے ہوئے اپنا ہاتھ آنکھوں سے لگایا میری آنکھوں سے دو موٹے آنسو نکل کر اس سبز نشان میں جذب ہو گئے

یہ کہانی میں نے ایک نزدیکی اور بہترین دوست کے کہنے پر لکھی ہے کیونکہ اس نے مجھ سے کہا کہ عرصہ ہوا خوفناک میں ایک اچھی کہانی پڑھے ہوئے تو وہ یہ کہانی پڑھے اور رائے سے آگاہ کرے میں منتظر ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ میری ایک نئی قسط وار کہانی مہاراجہ بھی شروع ہے جو بہت جلد سب کے سامنے ہوگی آخر میں خوش رہیں اور خوش رکھیں پریشان ہونا بھی نہیں اور پریشان کرنا بھی نہیں ہمیشہ یاد رکھیں اور رائے سے لازمی نوازیں۔

خوفناک رات

تحریر۔ نعیم اللہ عبدالغفور۔ پڈالی

اگلے دن صبح کے وقت میں اپنے دوست کے گھر گیا اسے بلانے تاکہ ہم آفس جائیں تو اس کے گھر والوں نے بتایا کہ وہ تو رات کا بیمار ہے اسے غشی کے دورے پڑ رہے ہیں ہم ابھی مولوی صاحب کے پاس جا رہے ہیں اسے بلانے تاکہ مولوی صاحب اسے چیک کریں کیونکہ ہمیں لگ رہا ہے کہ اسے کچھ ہو گیا ہے۔ اور پھر میں نے بھی آفس جانے کا ارادہ ترک کر دیا گھر والے مولوی صاحب کو لے کر آگئے میرے دوست کو دیکھا تو ابھی بے ہوش پڑا ہوا تھا اور پھر مولوی صاحب نے کہا۔ کہاں پر آسیب کا اثر ہو گیا ہے شاید انہیں کسی آسیب زدہ علاقے سے گزر ہوا اور پھر انہوں نے اس پر حملہ کر دیا اب اللہ بہتر کرے گا میں تم کرتا ہوں امید ہے کہ یہ بہتر ہو جائے گا۔ اس کے بعد مولوی صاحب سرسو کا تیل مانگا اور انکے گھر والوں نے سرسو کا تیل مولوی صاحب کو دیا اور پھر مولوی صاحب نے وہ تیل میرے دوست کے سر پر رکھ کر قرآنی آیات کا ورد شروع کر دیا دیکھتے ہی دیکھتے میرا دوست اٹھنے لگا اور پھر کچھ ہی دیر بعد ہمیں اپنے دوست کے جسم سے کالا دھواں نکلتا ہوا نظر آنے لگا اور پھر میرا دوست نارمل ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دھواں ایک ہیولہ کی شکل اختیار کر گیا اور عجیب و غریب شکلیں بدلنے لگا اور کبھی چڑیل کی شکل تو کبھی ڈریکولا کی شکل پھر مولوی صاحب نے اس ہیولہ پر زوردار پھونک ماری وہ ہیولہ غائب ہو گیا اور پھر میرا دوست مکمل ٹھیک ہو گیا ہم نے خدا کا لاکھ شکر ادا کیا اور پھر زندگی معلوم پر آگئی۔ ایک خوفناک کہانی۔

میں اپنے دوست کے ساتھ کھڑا بس سٹاپ پر بس کے آنے کا انتظار کر رہا تھا کہ آج ہمیں آفس میں کام کرتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی اور بس بھی شاید جا چکی تھی لیکن ہم اس امید کے ساتھ کہ شاید بس آئے اور ہم گھر جائیں لیکن ابھی تک کوئی بس نہیں آئی تھی۔

میں نے اپنے دوست سے کہا یار آج کوئی بس آئی ہی نہیں ہمیں واپس آفس چلے جانا چاہیے اور وہیں کچھ آرام کر لینا چاہیے یہ سن کر وہ میرے دوست نے کہا۔

نہیں یار کچھ انتظار کر لیتے ہیں ہو سکتا ہے کوئی بس آ ہی جائے اور پھر ہم انتظار کرنے لگے۔ بس سٹاپ کے قریب ہی نالہ گزر رہا تھا جس میں پانی بہہ رہا تھا پانی بہنے کی آواز ماحول میں پر اسراریت پیدا کر رہی تھی رات کے دس بج چکے تھے جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ماحول ویسے ویسے پر اسرار ہوتا جا رہا تھا ہم دونوں اندر ہی اندر ڈر رہے تھے کچھ ہی دیر میں میرے دوست نے کہا۔

وہ دیکھو نہر کے پار خاتون آ رہی ہے وہ ہمیں اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہی ہے چلو اس طرف

پے ہیں۔

میں نے کہا۔ یار کیا ہو گیا ہے کہاں ہے عورت مجھے تو کوئی عورت نظر نہیں آ رہی تم ہوش میں تو ہو۔

دوست نے کہا ہاں یار وہ دیکھو سامنے کھڑی ہے تمہیں نظر نہیں آ رہی۔

میں نے اپنے دوست کا ہاتھ پکڑ کر کہا یار تمہیں کیا ہو گیا ہے تم مجھے جان بوجھ کر بے وقوف بنا رہے ہو بلکہ وہ دیکھو سامنے کھڑی عورت ہمیں بلا رہی ہے چلو نا۔

نہیں تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ میں نے اپنے دوست کا ہاتھ پکڑ لیا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسی وقت بس آ گئی اور ہم سوار ہو گئے میرا دوست ابھی بھی بضد تھا کہ وہ عورت مجھے بلا رہی تھی لیکن تم نے مجھے جانے نہیں دیا،

میں نے اسے سمجھایا دیکھو یہ سب تمہارا وہم ہے اس کو بھول جاؤ اور پھر ہم اپنے شہر پہنچ گئے اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

اگلے دن صبح کے وقت میں اپنے دوست کے گھر گیا اسے بلانے تاکہ ہم آفس جائیں تو اس کے گھر والوں نے بتایا کہ وہ تو رات کا بیمار ہے اسے غشی کے دورے پڑ رہے ہیں ہم ابھی مولوی صاحب کے پاس جا رہے ہیں اسے بلانے تاکہ مولوی صاحب اسے چیک کریں کیونکہ ہمیں لگ رہا ہے کہ اسے کچھ ہو گیا ہے۔ اور پھر میں نے بھی آفس جانے کا ارادہ ترک کر دیا گھر والے مولوی صاحب کو لے کر آ گئے میرے دوست کو دیکھا تو وہ بالکل بے ہوش پڑا ہوا تھا اور پھر مولوی صاحب نے کہا انہیں کسی آسیب زدہ علاقے سے گزر ہوا اور پھر انہوں نے اس پر حملہ کر دیا اب اللہ بہتر کرے گا میں دم کرتا ہوں امید ہے کہ یہ بہتر ہو جائے گا۔

اس کے بعد مولوی صاحب سرسوں کا تیل مانگا اور اسکے گھر والوں نے سرسوں کا تیل مولوی صاحب کو دیا اور پھر مولوی صاحب نے وہ تیل میرے دوست کے سر پر رکھ کر قرآنی آیات کا ورد شروع کر دیا دیکھتے ہی دیکھتے میرا دوست اٹھنے لگا اور پھر کچھ ہی دیر بعد ہمیں اپنے دوست کے جسم سے کالا دھواں نکلتا ہوا نظر آنے لگا اور پھر میرا دوست نارمل ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دھواں ایک ہیولہ کی شکل اختیار کر گیا اور عجیب و غریب شکلیں بدلنے لگا اور کبھی چڑیل کی شکل تو کبھی ڈریکولا کی شکل پھر مولوی صاحب نے اس ہیولہ پر زوردار پھونک ماری وہ ہیولہ غائب ہو گیا اور پھر میرا دوست مکمل ٹھیک ہو گیا ہم نے خدا کا لاکھ شکر ادا کیا اور پھر زندگی معلوم پر آ گئی لیکن آج بھی جب ہم اس واقعہ پر سوچتے ہیں تو ہم خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔

قارئین کرام کیسی لگی میری یہ پہلی کاوش امید ہے کہ آپ کو پسند آئی ہوگی اگر مجھے پسند کیا تو میں پھر بھی لکھتا رہوں گا میرے پاس ایسی بہت سی کہانیاں موجود ہیں جو کہ سچی ہوئی ہیں مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

کہاں پر آسیب کا اثر ہو گیا ہے شاید
...ذات

دنیا والوں نے کر دی ہے ختم ظلم کی۔ انتہا
اور ہم تجھے یاد کر کے روتے رہتے ہیں صنم

محبت آگ کا دریا ہے اگر کوئی۔ رواں رکھے
تو ایک شہزادی ہے خدا تجھے جواں رکھے

چڑیل کا بدلہ

تحریر۔ ایس مصباح اکرم۔ موسیٰ خیل

بابا کی آواز آئی عثمان چلہ پورا کرو کچھ دیر بعد عثمان کا چلہ پورا ہو گیا اور ایک پرانی قبر پھٹی جس میں ایک نیلی سی روشنی نکلی اور اس میں سے ایک تلوار اور کبوتر باہر نکلا بابا بھی پہنچ گئے اور تلوار اور کبوتر پکڑ لیے اتنے میں وہاں چڑیل بھی پہنچ گئی اس کے الٹے پاؤں تھے چہرے کا سارا گوشت جلا ہوا تھا اور خوفناک آنکھوں سے شعاع نکل رہی تھی عثمان کو گھورتے ہوئے چڑیل نے کہا۔ میں تجھے چھوڑوں گی نہیں۔ عثمان نے کبوتر چڑیل کے آگے کر دیا جس کو دیکھ کر چڑیل ڈر گئی چڑیل نے کہا۔ عثمان میں تجھے کچھ نہیں کہوں گی یہ کبوتر مجھے دے دو جو کہ چڑیل کی جان تھی بابا نے کہا۔ بیٹا جلدی سے اس کبوتر کے پیر کاٹ دو عثمان نے جیسے ہی کبوتر کے پیر کاٹے تو چڑیل چیخیں مار کر گر گئی بابا نے عثمان کو کہا کہ کبوتر کا سر کاٹ دو عثمان نے فوراً بابا کی بات پر عمل کیا اور کبوتر کا سر کاٹ دیا چڑیل کو آگ لگ گئی اور وہ راکھ بن گئی راکھ کو اٹھا کر بابا نے قریبی کنویں میں ڈال کر بند کر دیا۔ ایک خوفناک کہانی۔

شام ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے گھروں میں چلے جاتے جو لوگ کسی کام سے باہر تھے وہ بھی شام ہوتے ہی اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔

ایک دن محمد علی اپنے کام سے فارغ ہو کر کھیتی باڑی کر کے لوٹ رہا تھا کہ اپنی گلی میں آتے ہی اسے عثمان نظر آیا جو کہ اپنے گھر کے آگے کھڑا تھا عثمان اور محمد علی گہرے دوست تھے جو کہ گاؤں ریاست پور میں رہتے تھے۔ اور دسویں کے بعد کھیتی باڑی کرتے تھے محمد علی کو عثمان نے بتایا کہ ساتھ والے گاؤں سے لوگ غائب ہو رہے ہیں جس کی لاش ملنے پر آنکھیں اور دل غائب ہوتے ہیں محمد علی نے پوچھا۔

یہ سب کون کر رہا ہے۔

عثمان نے کہا۔ اس کا ابھی تک پتا نہیں چلا۔

اگلے دن پھر پتہ چلا کہ دوسرے گاؤں سے بھی لوگ غائب ہوئے ہیں محمد علی نے سارے گاؤں کو جمع کیا اور کہا۔

ہم اپنے گاؤں میں پہرہ دیں گے جس سے سب گاؤں والوں نے اتفاق کیا یوں چار چار آدمیوں کی ٹولیاں سارے گاؤں میں مختلف جگہوں پر لگائی گئیں۔ محمد علی اور عثمان ایک ہی ٹولے میں تھے آج کی رات خیر سے گزر گئی۔ اگلے دن پھر سے پہرہ دیا گیا تھا محمد علی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لیے وہ آرام کرنے کی غرض سے بیٹھ گیا جیسے ہی محمد علی بیٹھا ایک زوردار چیخ کی آواز آئی محمد علی کو ایک جھٹکا سا لگا اور وہ بے ہوش ہو گیا محمد علی کو ایک ہفتے بعد ہوش آیا پھر تو جیسے محمد علی کا جینا حرام ہو گیا تھا نہ کھاتا نہ پیتا تھا نہ کسی سے بات کرتا تھا۔

نہ معلوم ہوا کہ یہ کیا چکر ہے پھر اس چڑیل نے اس گاؤں کا جینا حرام کر دیا

سخت پہرہ کے باوجود بھی کسی نہ کسی کو اٹھا کر لے جاتی تھی ہر گھر میں روز کوئی نہ کوئی غائب ہوتا ہر گھر میں ماتم ہوتا ایک دن عثمان محمد علی سے ملنے گیا تو اس سے محمد علی کی حالت دیکھی نہ گئی اور اس نے کسی عامل بابا سے ملنے کا فیصلہ کر لیا اگلے دن ہی عثمان عامل بابا کے پاس پہنچ گیا جو کہ اسی گاؤں کے آخر میں ندی کے پاس رہتے تھے بابا جی نہایت ہی خوبصورت اور نورانی چہرے والے تھے عثمان نے ساری بات بابا جی کو بتا دی جسے سن کر بابا جی نے کہا۔

میں ابھی پتہ لگاتا ہوں۔ بابا جی نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا اور کچھ دیر بعد ہی کہا کہ وہ چڑیل تمہارے گاؤں والوں کو بدلے کی آگ میں قتل کر رہی ہے

تو عثمان نے پوچھا۔

کیسا بدلہ۔

بابا جی نے کہا۔ جس رات پہرہ دیتے وقت محمد علی بیٹھا تھا اس جگہ پر اس چڑیل کا بچہ سو رہا تھا جو محمد علی کے نیچے آکر مر گیا تھا محمد علی کے گلے میں آیت الکرسی پہنی ہوئی ہے اس لیے محمد علی کو وہ مار نہیں سکتی تھی اس لیے اس کو تکلیف دے رہی ہے

عثمان نے کہا۔

بابا جی میں یہ سب روکوں گا اپنے دوست کو کچھ نہیں ہونے دوں گا بابا جی نے ایک تعویز دیا محمد علی کے لیے اور تعویز عثمان کو پہننے کے لیے دیا جو کہ اس نے فوراً پہن لیا تھا عثمان نے بابا کو کل پھر ملنے کا کہہ کر الوداع کیا عثمان راستے میں سوچ رہا قسمت کو کچھ اور منظور تھا عثمان جیسے ہی گھر پہنچا تو محمد علی اس قدر پاگل ہوا کہ خود کو پھانسی لگا لی عثمان کو جب اس کی ماں نے محمد علی کے بارے میں بتایا تو عثمان محمد علی کے گھر کی طرف دوڑا جیسے ہی پہنچا اس کا یار خدا کی طرف جا چکا تھا عثمان اس قدر رویا کہ اس کو بخار ہو گیا دو ہفتے بعد عثمان کی حالت بہتر ہو گئی تو بابا سے ملنے پہنچ گیا عثمان نے بابا کو سب کچھ بتا دیا جسے سن کر بابا بھی افسوس کرنے لگے عثمان نے بابا سے کہا۔

میں اپنے دوست اور گاؤں والوں کا بدلہ اس چڑیل سے لوں گا۔

بابا نے کہا یہ کام تھوڑا مشکل ہے

عثمان نے کہا۔ میں سب سہہ لوں گا اپنے گاؤں والوں کی خاطر۔

بابا جی نے عثمان کو ایک چلہ کرنے کو کہا اور ایک ورد سکھایا جو سات دن کا تھا جو پرانی قبر کے اس قبرستان میں رات کے تین بجے سے بارہ بجے تک کرنا تھا عثمان گاؤں پہنچا اور گاؤں والوں کو بتا کر رخصت ہو گیا حصار کھینچ کر عثمان نے ورد شروع کر دیا۔ پہلے عثمان پانچ دن خیرے سے گزر گئے جیسے ہی ورد شروع کیا اتنے میں تیز آندھی کے ساتھ کے ساتھ خون کی بارش ہونے لگی جس میں عثمان بھیگ گیا اتنے میں محمد علی آیا اور کہا کہ عثمان چلہ بس کر دو میں نے چڑیل کو مار دیا ہے اتنے میں آواز آئی عثمان اپنا چلہ پورا کرو کچھ دن بعد چلا پورا ہو گیا تو چڑیل کو تم مار سکو گے عثمان چلہ پورا کر لیا اور پھر سب کچھ رک گیا۔

اگلے دن آخری دن تھا عثمان نے جیسے ہی پڑھنا شروع کیا تو وہاں سارے درختوں کو آگ

...ڑا تھا اور کہا کہ میں اسے مار ڈالوں گا چلہ چھوڑ دو بہت سے ڈھانچے عثمان کے حصار کی طرف بڑھنے لگے جیسے ہی حصار سے ٹکراتے تو غائب ہو گئے بابا کی آواز آئی عثمان چلہ پورا کرو کچھ دیر بعد عثمان کا چلہ پورا ہو گیا اور ایک پرانی قبر پھٹی جس میں ایک نیلی سی روشنی نکلی اور اس میں سے ایک تلوار اور کبوتر باہر نکلا بابا بھی پہنچ گئے اور تلوار اور کبوتر پکڑ لیے اتنے میں وہاں چڑیل بھی پہنچ گئی اس کے الٹے پاؤں تھے چہرے کا سارا گوشت جلا ہوا تھا اور خوفناک آنکھوں سے شعاع نکل رہی تھی عثمان کو گھورتے ہوئے چڑیل نے کہا۔

میں تجھے چھوڑوں گی نہیں۔

عثمان نے کبوتر چڑیل کے آگے کر دیا جس کو دیکھ کر چڑیل ڈر گئی چڑیل نے کہا۔ عثمان میں تجھے کچھ نہیں کہوں گی یہ کبوتر مجھے دے دو جو کہ چڑیل کی جان تھی بابا نے کہا۔

بیٹا جلدی سے اس کبوتر کے پیر کاٹ دو

عثمان نے جیسے ہی کبوتر کے پیر کاٹے تو چڑیل چیخیں مار کر گر گئی بابا نے عثمان کو کہا کہ کبوتر کا سر کاٹ دو عثمان نے فوراً بابا کی بات پر عمل کیا اور کبوتر کا سر کاٹ دیا چڑیل کو آگ لگ گئی اور وہ راکھ بن گئی راکھ کو اٹھا کر بابا نے قریبی کنویں میں ڈال کر بند کر دیا اور عثمان کو مبارکباد دی اور تلوار تحفے میں دی بابا سے رخصت لے کر عثمان گاؤں پہنچا گاؤں والے اس کے منتظر تھے اسے دیکھ کر خوش ہوئے اور مبارکباد دی اور اس گاؤں سر اونچا کر دیا اب وہ سارا گاؤں خوش رہتا تھا عثمان کو آج بھی محمد علی کی بہت یاد آتی ہے وہ اسے بھولا نہیں آپ دعا کریں کہ محمد علی کو اللہ جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی قیمتی رائے ضرور دیں مجھے انتظار رہے گا انشاءاللہ پھر نئی کہانی کے ساتھ ملاقات ہوگی شکریہ۔

ایم مصباح اکرم۔ موسیٰ خیل

دل دے کر کسی سے تو پیار نہ کرنا
مر مٹ جائے گا زندہ کسی سے اقرار نہ کرنا
دنیا ہے اک جوگ اور تو اس کا اک جوگی
کبھی زہریلی ناگن کا تو اعتبار نہ کرنا
پھول تو ہوتے ہیں بہار کے اور تو اک مالی
اپنے مہمان پھولوں کا تو بیوپار نہ کرنا
ظالم ہے اس بے وفا زمانے کی نظریں
کسی کی نظر سے گر کر خود کو شرم سار نہ کرنا
مطلب کے لوگ اور مطلبی ہے زمانہ
ان کے جال میں پھنس کر پیار نہ کرنا
لاکھ آئیں گی بہاریں دن دو یا دن چار
اپنے دل کو اشفاق کسی پھول کا طلب گار نہ کرنا

رانو اشفاق علی ننتو آدم

یوں دل نے حوصلہ ہارا کب تھا
اچھی حالتوں میں ہمارا ستارا کب تھا
لازم تھا گزرنا زندگی سے
بن ترے پہر گزارہ کب تھا
کچھ پل لیے اور دیکھ سکتے
اشکوں کو مگر گوارہ کب تھا
ہم خود بھی جدائی کا سبب تھے
اس کا ہی قصور سارا کب تھا
اک نام پر زخم کھل اٹھے تھے
قاتل کی طرف اشارہ کب تھا

سید نزاکت صداقت بخاری۔ کوئٹہ

روح کا انتقام

تحریر۔ اسد اللہ بھٹی۔ گڈولہ روڑ بھکر۔

اس وقت مجھے اس کی نہیں بلکہ اس کی تو تلوار کی ضرورت تھی اس تلوار کا فائدہ یہ تھا اگر وہ کسی کے پاس ہو تو وہ صرف اشارے کو ختم کر سکتا ہے اگر کسی آدمی کو مارنا ہو تو اس تلوار کو اس کی گردن کے برابر تک ہوا میں ہی لہراؤ گے تو اس کی گردن تن سے جدا ہو جائے گی اور میں نے اس درخت کو بھی اس طرح ختم کرنا تھا یعنی پہلے تلوار سے اسے کاٹنا تھا پھر انگوٹھی کا رخ اس درخت کی طرف کرنا تھا درخت کٹتے ہی انگوٹھی اس کی طرف ہو گئی تو وہ درخت جل جائے گا اور شیطان اور اس کی ساری فوج تباہ ہو جائے گی۔ میں نے غار کو عبور کیا اور ایک موڑ مڑا اور سامنے سے ایک کمرے سے روشنی آ رہی تھی روشنی اس طرح تھی جیسے زرد بلب کے اوپر جا بجا جالے لگے ہوئے ہوں او ر کمرہ بھی غار میں ایک طرح تراشا گیا ہو اس کمرے میں ایک الماری تھی اور دروازے کے بالکل سامنے ایک بت پڑا تھا جس کے ہاتھ میں ایک چمکتی ہوئی تلوار تھی۔ تلوار حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ تلوار کو نکالتے وقت آپ کا ہاتھ بت کو نہ لگے اگر آپ کا ہاتھ بت کو لگ گیا تو آپ کو ایسی بیماری گھیر لے گی کہ ایک مہینے کے اندر اندر آپ کا جسم مٹی کی طرح ہو جائے گا کہ ایک مہینے کے اندر اندر آپ کا جسم مٹی کی طرح بھر بھرے ہوئے ہوں گے میں چونکہ غائب تھا اور کسی کو نظر بھی نہیں آ رہا تھا اس لیے میں نے جلدی سے نیا پن محنت سے وہ تلوار نکالی ہی لی تلوار نکالتے ہی میں نے بت کے سر پر تلوار سے وار کیا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ایک خوفناک اور سنسنی خیز کہانی۔

میرا تعلق ضلع رائے پور سے ہے اور میرا گھر قبرستان کے بالکل سامنے ہے چونکہ میرا گھر قبرستان کے سامنے تھا اور پھر رات کے نہ جانے کون سے پہر ہر روز قبرستان سے بھیانک آوازیں آتی رہتی تھیں۔ لیکن مجھے ان آوازوں سے ڈر نہیں لگتا تھا اور پھر میرا دل بھی اتنا مضبوط کہ ڈرنے سے بھی نہ ڈرتا اور شاید اسی لیے میں شام گئے تک گھر کے سامنے پھرتا رہتا تھا اور ادھر ادھر کا جائزہ لیتا رہتا یوں سمجھ لو کہ ایک قسم کا پہرا ہو جاتا تھا۔ پھر جب میں گھر واپس آتا تو جنات کی کتابیں پڑھتا رہتا تھا وہ اس لیے کہ جب میرے ماموں فوت ہوئے تھے تو میں ان کے گھر گیا اور تین دن تک ان کے گھر میں قیام کیا پہلے دن نماز جنازہ پڑھ کر مجھے میری ممانی جان نے کہا۔

آپ اپنے ماموں والے کمرے میں سو جاؤ میں کھانا کھا کر ماموں کے کمرے میں چلا سو گیا۔

مجھے یہ معلوم تو تھا کہ مرنے والے کی روح کئی کئی دن اپنے سامان کی حفاظت کرتی رہتی ہے اور میں پھر ماموں والے کمرے میں سویا ہوا تھا لیکن مجھے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ میں

پہلے سے بہت مضبوط دل تھا میں جنات وغیرہ پر ایمان نہ لاتا تھا لیکن ان سے ڈرتا نہیں تھا اور شاید اسی وجہ سے میں ماموں کے کمرے میں سونے کے لیے راضی ہو گیا تھا اور کھانا کھا کر سونے کے لیے ماموں کمرے میں چلا گیا تھا اور تقریباً دس گیارہ بجے کے قریب مجھے نیند نے آن گھیرا۔

رات کے نہ جانے کون سے پہر میری آنکھ کھلی تو دیکھا میرے ماموں کمرے میں داخل ہو رہے ہیں اور پھر چلتے چلتے میرے بیڈ کے قریب آئے اور کہا۔

میرے بیٹے آج میں تمہیں ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔ پھر ماموں بولے بیٹا میرے کمرے کے دائیں طرف ایک تجوری ہے اسکے اندر ایک بٹن لگا ہوا ہے آپ نے اس بٹن کے دبانے سے تجوری ایک طرف کو کھل جائے گی اور ایک الماری کا دروازہ نظر آئے گا اور اس دروازے کو کھلنے سے اندر کا منظر دیکھو گے تو اندر بہت سی کتابیں رکھی ہوئی ہیں اور ایک کتاب سرخ رنگ کی ہو گی جو بہت اچھی کتاب ہے اس کتاب کو آپ اٹھا لینا اس کتاب کا پہلا صفحہ کھولنے سے ایک خون کی دھار نکلے گی لیکن اگلا صفحہ کھولتے ہی منظر اتنا خوفناک ہو گا کہ آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔۔

میں نے پوچھا وہ کون سا منظر ہو گا۔

ماموں بولے بیٹا ایک آدمی کھڑا ہو گا جس کی پیشانی میں ایک خنجر لگا ہوا ہو گا اور اسکی پیشانی سے خون نکل رہا ہو گا اور وہ بولے گا۔

میرے آقا کے خون کا بدلہ لو اور پھر وہ بولے گا میرے آقا کے خون کا بدلہ لو۔ آپ کے ماموں ایک عمل کے ذریعے قید کیا تھا آپ کے ماموں جادوگر ہیں اور نیک دل جادوگر ہیں جو لوگوں کی مدد کر کے خوش ہوتے ہیں اسے ایک جادوگر جو بہت ظالم ہے نے مار دیا ہے اور اس کا بدلہ نہ تو میں لے سکتا ہوں اور نہ ہی میرے آقا وہ اس لیے کہ میں اس کتاب میں قید ہوں اور طاقت میں بھی اس جادوگر سے بہت کم ہوں اور آپ کے ماموں بھی اب اس دنیا میں نہیں رہے وہ کہے گا اگر آپ نے میرے آقا کے خون کا بدلہ لے لیا تو میں آپ کا غلام بن جاؤں گا یہ کہہ کر وہ آپ سے جواب مانگے گا تو پھر تم کیا بولو گے

میرے ماموں نے مجھ سے پوچھا اور سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں بولا۔ میں اپنے ماموں کے خون کا بدلہ ضرور لوں گا اور انکا سر قلم کر کے آپ کے حوالے کر دوں گا۔

تو پھر ٹھیک ہے ابھی آپ تجوری کا بٹن کھولیں اور اپنا کام شروع کرو۔

اور پھر میں نے ایسا ہی کیا جیسے ہی بٹن دبایا تجوری ایک طرف سے سرک گئی اور وہاں ایک الماری کا دروازہ نمودار ہو گیا اور میں نے دروازہ کھول دیا دروازہ کھلتے ہی وہی منظر سامنے آ گیا جو ماموں نے بتایا تھا اور میں نے ایک کتاب دیکھی جو سرخ رنگ کی تھی۔ اور اس کے اوپر لکھا تھا میرے غلام جنات میں کتاب اٹھا کر اپنی چارپائی پر آیا جہاں میرے ماموں میرے منتظر تھے۔ اور مجھے دیکھتے ہی کہا کہ کھولو کتاب تو میں نے کتاب کا پہلا صفحہ کھولا۔

پہلا صفحہ کھلتے ہی ایک خون کی دھار نکلی اور میرے منہ پر آئی چند منٹ یہ منظر دیکھا رہا اور کمرہ

خون سے بھر گیا اور پھر میں نے اگلا صفحہ کھولا اگلا صفحہ کھولتے ہی سارا خون کمرے سے غائب ہو گیا اور ایک جن کھڑا تھا جس کی پیشانی میں ایک خنجر لگا ہوا تھا اور اسکی پیشانی سے خون نکل رہا تھا اور اس نے سب کے سب وہی الفاظ کہے جو میرے ماموں نے مجھے بتائے تھے اس نے ساری بات بتا کر جواب طلب انداز میں مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا۔

میں اپنے ماموں کو قتل کرنے والوں سے انتقام لوں گا خون کا بدلہ خون یہ جواب سنکر کتاب خود بخود ہی بند ہو گئی اور میرے ہاتھ سے غائب ہو گئی میں نے ماموں سے پوچھا۔ ماموں کتاب کیوں غائب ہو گئی ہے۔

ماموں بولے یہ کتاب جادوئی ہے اس لیے تمہارے دیکھتے ہی غائب ہو گئی ہے۔

میں نے ماموں سے پوچھا مجھے آپ کے قاتلوں کا کیسے معلوم ہو گا۔

ماموں بولے اس میں صفحہ نمبر سے تین سے لے کر دس تک میرے قاتلوں کے فوٹو اور ان کا خاتمہ کرنے کا طریقہ درج ہے آپ صبح اس کتاب کو تجوری سے اٹھا کر گھر لے جانا اور اس کے جن کو بولنا کہ اس کتاب کو میرے گھر پہنچا دے اور اس تجوری کو بھی میرے گھر پہنچا دو تو وہ تجوری کے ساتھ ہی اس الماری کو بھی صرف وہی کتاب نہیں بلکہ کالے علم کی بہت سی کتابیں موجود ہیں جن کو تم پڑھ کر اور عمل کر کے کالے علم کی دنیا میں پہنچ سکتے ہو آپ کی روح کالی دنیا میں ہو گی لیکن آپکا جسم اسی دنیا میں ہو گا اور میں آپ کو اپنی ساری شکتیاں دیتا ہوں یہ کہہ کر میرے ماموں نے تلوار سے میری گردن کی شہہ رگ پر کٹ لگایا اور اپنے خون کے چند قطرے میرے گلے میں ڈال دیے اور چند قطرے میری شہہ رگ پر لگا دیے اور کچھ پڑھ کر پھونک ماری تو میری شہہ رگ پہلے کی طرح ٹھیک ہو گئی۔

میں نے اپنے آپ میں بہت تبدیلی محسوس کی میرا جسم میرے ماموں کی طرح ہو گیا اور آواز بھی ماموں کی طرح ہو گئی پھر میں صبح اٹھا فجر کی نماز ادا کی اور ایک دو دن کے بعد اپنے گھر لا گیا ان دنوں میں ماموں سے بھی بات چیت کرتا رہا اور جن کو کہا کہ وہ یہ تجوری اور الماری میرے گھر لے جائے تو ایک منٹ سے پہلے ہی یہ تجوری اور الماری میرے گھر لے آیا اور پھر اپنے گھر چلا گیا اپنے ماموں کے ساتھ بھی اکثر رات کے وقت میری بات چیت ہوتی رہتی تھی۔

آج بھی میں اسی الماری کی ایک کتاب کو کھول کر پڑھ رہا تھا جس کا نام کالا جادو تھا قابون محبت۔ اس میں کئی جادو تھے جیسے ایک شیطان کے بت کی بھینٹ چڑھ جانا بچوں کو زندہ درگور کرنا اور بچوں کے خون سے غسل کرنا پورے گوشت کے کباب بنا کر کھانا اور بھی بہت سے تھے۔

میں نے اس کتاب کو رکھ دیا کیونکہ میں مسلمان تھا اور میں نے اپنے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ کالا جادو سیکھنے یا کسی کے اوپر کرنے سے انسان کو جنت ایک ذرے برابر بھی جگہ نہیں ملتی بلکہ وہ مسلمان ہی نہیں رہتا کالا جادو سیکھنے اور سیکھانے والے کا مقام دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ ہے۔ اس لیے میں نے کالا جادو کی کتاب کو رکھ دیا اور ایک کتاب کو دیکھنے لگا جس کا نام تھا نوارنی چلے جس میں لکھا تھا کہ اگر آپ ان چلوں کو کر کے

چیز پننے کی چالیس دانوں میں سے ایک دانے کو
زمین میں گاڑھ دیں باقی انتالیس کو ایک مٹھی میں
لے کر جہاں وہ چنے کا دانہ گاڑھا تھا اسی جگہ کو چند
قدم کے فاصلے پر رکھ کر کوئی نہ کوئی صورت پڑھ کر
اور مٹھی میں بند چنے اور زمین میں گاڑھا جانے
والا چنا اس پر پھونک ماریں اس طرح چالیس دن
تک یہ عمل جاری رکھیں اور ساتھ ساتھ زمین میں
گاڑھا ہوا چنے کو دیکھ بھال بھی کریں چالیس دن
تک وہ چنا جو زمین میں گاڑھا تھا ایک انگلی کے
برابر ایک پودا نکل آئے گا آخری دن اس پورے کو
قینچی سے کاٹ کر اور اس کو اس طرح درمیان سے
کاٹ کر آدھا زمین میں اور وہ انتالیس چنے کے
دانے بھی اسی جگہ گاڑھ دیں یہ تمام کام کرنے کے
بعد اس پودے کو جس کو آپ نے کاٹ کر ایک
طرف رکھا تھا اپنی ٹوپی یا رومال میں باندھ دیں وہ
یہ کہ سورۃ یٰسین والی سورۃ ایک سو چودہ مرتبہ چاند
کی پہلی سے لے کر چودہ تاریخ تک بغیر ناغہ کے
ہر روز بارہ بجے سے دو بجے تک پڑھیں تو آپ
کے پاس ایک عدد موکل ہوگا جو آپ کو ہر چیز سے
آگاہ ہی دلائے گا اور آپ کو بھی دشواری نہ ہوگی
کیونکہ نورانی عمل میں جنات وغیرہ انسان کے کام
میں دخل نہیں دیتے اور یہ عمل آپ کو ایک حصار
میں رہ کر کرنا ہوگا۔

یہ پڑھ کر میری باچھیں کھلی کی کھلی ہی رہ
گئیں کیونکہ میں اپنے ماموں سے کیے وعدے کو
کرنے میں کامیاب ہوتا نظر آرہا تھا پہلے میں نے
سورۃ یٰسین والا عمل کیا کیونکہ پہلے چاہئے تھا
سو موکل آئے ہی وہ میری راہ نمائی کرے گا
دوسرے ہفتے چاند کی پہلی تاریخ بھی چنانچہ میں
گن گن گزارنے لگا اور آخر ایک دن وہ بھی آ گیا
جس دن میں حصار کے اندر بند اپنا عمل جاری کیے
ہوئے تھا اسی طرح کرتے کرتے دن گزرتے
گئے اور میرا عمل کامیاب ہوا چودہ دن بعد میں نے
خود میں بہت سی تبدیلی محسوس کی اسی طرح
میں نے وہ عمل بھی شروع کر دیا جس کے کرنے
سے انسان دنیا سے غائب ہو جاتا ہے چالیس دن
تک اسی طرح میں یہ عمل کرتا رہا اور یہ بھی اپنے
اختتام کی طرف جا رہا تھا آخری دن جب
چالیسواں دن تھا اس دن میرے دیکھتے ہی دیکھتے
ایک لکڑی نے اس جگہ پر وہ پودا لگایا تھا ایک کٹ
لگا یا کٹ لگاتے ہی اسی میرے سارے عمل کو
بہت نقصان ہوا لیکن میں نے اس کی پرواہ نہ کی
اور اس مکڑی کو مار دیا۔

مکڑی کے مرتے ہی وہ پودا صحیح سلامت ہو
گیا اور میرا عمل کامیاب ہو گیا عمل مکمل ہوتے ہی
میں نے پودے والی جگہ کو کھود کر سارے چنے
زمین میں اور آدھا پودا گاڑھ کر اس جگہ کو دبا دیا
اور پھر سائی پودے کو جو اب میرے میں بھی ایک
ٹوپی میں لگا لیا اور جیسے ہی میں نے ٹوپی سر پر کی
میں وہاں سے کھڑے کھڑے غائب ہو گیا میں
غائبانہ طور پر اپنے گھر کے کمرے میں داخل ہوا
اور اپنی ملازمہ کو تنگ کرنے کے لیے برتن بار بار
نیچے گرانے لگا وہ ایک برتن اٹھاتی تو میں دوسرا
برتن گرا دیتا اور اسی طرح پانچ چھ منٹ تک میں یہ
کھیل کھیلتا رہا اور اپنی ملازمہ کو تنگ کرتا رہا تھا۔ وہ
برتن اٹھا اٹھا کر جب تھک گئی تو میں نے ایک
قہقہہ لگایا اور کہا۔

کیا میں نظر آرہا ہوں۔

وہ بولی نہیں صاحب جی آپ نظر نہیں آرہے
اور وہ ڈرنے لگی تو میں بولا۔

پگلی میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا وہ سچ بتا کیا
میں نظر آرہا ہوں۔

وہ بولی۔ نہیں آقا آپ مجھے بالکل نظر نہیں
آرہے ہیں۔

میں نے کہا۔ آج میں نے اپنا مقصد پورا کر
لیا ہے اور میں کل سے ہی اپنی قسم کو شروع کرنے
والا ہوں یہ کہہ کر میں نے ٹوپی اتاری تو میں اس
کے سامنے ظاہر ہو گیا اور ٹوپی اس کے سر پر جمادی
تو وہ بھی غائب ہو گئی پھر اس نے پوچھا۔

میرے آقا کیا میں نظر آرہی ہوں۔

میں بولا تم مجھے بالکل بھی نظر نہیں آرہی ہو تو
وہ بھی ہنس پڑی اور ٹوپی اتار دی ٹوپی کو میں نے
تجوری میں محفوظ کر کے رکھ دیا اور دوسرے دن
میں نے اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھی اور پھر وہی
کتاب اٹھا کر پہلا صفحہ کھولا۔

اس سے پوچھا کہ میرے ماموں کے قاتل
کو کیسے موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے۔

وہ بولا صفحہ نمبر آٹھ پر ایک تحریر ہے اسے
پڑھنے کے بعد آپ میں ایسی صلاحیتیں آئیں گی
کہ آپ اپنے دشمنوں کو زیر کر سکیں گے۔

اور پھر میں نے جلدی جلدی صفحہ نمبر آٹھ
کھولا اس پر لکھا تھا کہ آپ کو کالی وادی میں جانا ہو
گا کالی وادی پہنچ کر آپ کو ایک ایسا درخت ملے گا
جو شیطان کی موت ہو گا آپ اس درخت کو جلا
دیں گے درخت کے جلتے ہی آپ کے دشمن آپ
ہی مر جائیں گے اور میں آپ کو ایک انگوٹھی دیتا
ہوں آپ اس کو پہن کر جس چیز کی طرف بھی
اشارہ کرو گے وہ چیز جل کر راکھ ہو جائے گی
اور پھر جو چیز جل بھی اس کا وجود بھی ختم ہو جائے گا
یہ کہہ کر میں نے صفحے کے آخر میں دیکھا تو وہاں
ایک انگوٹھی کی تصویر بھی اور ایک منٹ میں وہ
انگوٹھی اس کتاب سے باہر آگئی اور پھر اتنی باہر آگئی
کہ جیسے کسی کتاب پر انگوٹھی خود ہی رکھی ہو۔ میں
نے وہ انگوٹھی اٹھا کر پہن لی اور میں انگوٹھی اٹھاتے
ہی انگوٹھی والی جگہ پر ایک تحریر ابھر آئی۔

بڑے بابا کی انگوٹھی کو جو بھی ختم دو گے وہ پورا
کر دے گی اگر آپ کو کسی جگہ جانا ہو تو کہنا بڑے
بابا کی انگوٹھی مجھے فلاں جگہ لے چلو تو وہ فوراً اسے
پہلے وہ آپ کو اسی جگہ پہنچا دے گی جس جگہ آپ کو
جانا ہوگا۔

ادھر کاشان جادوگر بہت خوش تھا کیونکہ اس
کا ازلی دشمن ماموں جو مر چکا تھا وہ تو خوشی منا رہا
تھا لیکن اسے کیا معلوم تھا چند دنوں بعد وہ بھی چل
بسے گا۔ وہ بھی خوشی منا رہا تھا کہ ایک پتلا زمین
سے برآمد ہوا اور کہا۔

آقا ایک بری خبر ہے۔

کاشان جادوگر بولا کونسی۔

وہ پتلا بولا آقا آپ کے ازلی دشمن یاموں کی
بہن کے بیٹے کا بیٹا آپ کو جہنم رسید کرنے کے
لیے ایک منصوبہ تیار کر رہا ہے۔

وہ بولا نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔

پتلا بولا۔ وہ لڑکا آپ کے مقابلے میں کھڑا
ہونے کے لیے نورانی عمل کر رہا ہے اور غائب
ہونے والا عمل آج اسکا پورا ہو جائے گا۔

کاشان جادوگر بولا۔ اس کی ایسی کی تیسی یہ
کہہ کر کر اس نے اس کو جانے کا حکم دے دیا اور
کچھ پڑھ کر ہوا میں ہی پھونک ماری تو ایک چیونٹی

فرما میں میرے آقا آج اتنے دنوں بعد کیسے یاد کیا ہے تو کاشان بولا میرے دشمن کے بچے نے میرے مقابلے میں کھڑا ہونے کے لیے ایک [illegible] کر کیا ہے اس کے عمل کو جا کرنا کام بنا دو یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا چیونٹی ادب سے جھک گئی اور بولی جو حکم میرے آقا یہ کہہ کر چیونٹی غائب ہو گئی۔ اور اس کو اپنی فکر پڑ گئی کیونکہ اس کا آقا شیطان دیوتا بھی اس سے ناراض تھا اور پھر اس کی مدد کرنے کے لیے بھی کوئی نہیں تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک منصوبہ آیا وہ یہ کہ وہ اپنے کسی ایسے جادوگر کو اپنے قابض کر لے کہ وہ جیسے ہی اندر داخل ہو تو وہ میری قید میں آجائے تو اسے پھر میرے ہاتھوں کوئی نہیں بچا سکتا یہ سوچ کر اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

یہ تحریر پڑھ کر اس نے کتاب کو بند کیا اور بند کرتے ہی سوچ رہا تھا کہ اسے کس طرح مارا جا سکتا ہے لیکن اگر میں اسے نہ مار سکا اور اس نے مجھے مار دیا تو پھر۔

نہیں ۔۔نہیں ۔ یہ نہیں ہو سکتا میں اپنے ماموں کے قاتل کو مار کر رہوں گا اور اسے اپنے پیروں میں جھکنے پر مجبور کر دوں گا۔

دوسرے دن وہ صبح ہی صبح اٹھا اور فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد ناشتہ کیا اور اپنی ملازمہ کو کہا اگر میں مر جاؤں تو یہ گھر میں آپ کو تحفے میں دیتا ہوں اور میرے مرنے کے بعد اس گھر کی مالک تم ہو گی اور اگر میں نہ مرا اور اپنے دشمن کو مار کر واپس آ گیا تو پھر اس گھر کا آدھا حصہ تمہارا ہو گا تم صرف اور صرف میرے لیے دعا کرنا میں آج ایک ایسی مہم کو [illegible]

[illegible] اپنے [illegible] بابا کی انگوٹھی مجھے کالی وادی میں پہنچا دے میرا یہ کہنا تھا کہ میرا جسم ساکت ہو گیا چند منٹ بعد میرے پاؤں زمین سے ٹکرائے تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اور یہ دیکھ کر حیران ہو گیا ہے میں اپنے گھر کے بجائے کالی وادی کے پہاڑوں کے درمیان میں کھڑا اور میرے سامنے ایک غار تھا یکا یک میرے کانوں میں ایک آواز گونجی۔

اے میرے آقا اس غار میں داخل ہونے کے لیے اس غار کے اردگرد حصار کو ختم کرنا ہو گا اور اس حصار کو ختم کرنے کے لیے آپ کے پاس غلام یعنی موکل قربان کرنا ہو گا۔ اگر آپ حصار کو ختم نہیں کریں گے اور حصار ختم کیے بغیر آپ غار میں داخل ہو گئے تو آپ کی ساری طاقتیں ختم ہو جائیں گی یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

میں بولا تو پھر میں کس کو قربان کروں۔

آپ ایسا کرو پہلے اپنی ساری طاقتوں کو اپنے سامنے ظاہر کرو اور پھر آپ کو جو پسند آئے اسے آپ قربان کر سکتے ہیں ویسے میں بھی آپ پر قربان ہونا چاہتا ہوں کیونکہ آپ میرے آقا ملک ہو اور میں آپ کا غلام ہوں اور یہ میرا حق بنتا ہے کہ میں آپ کی حفاظت کروں میں آپ پر ہر قدم پر قربان ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا اور میرے جواب کا منتظر تھا۔

میں نے کہا۔ تو پھر مجھے میری ساری طاقتیں کرنے والا منتر بتاؤ۔

یہ سن کر اس نے مجھے ایک منتر بتایا اور کہا کہ اب اپنے ہاتھ پر پھونک ماریں۔

میں نے اپنے ہاتھ پر پھونک مار دی تو

در بار ان سب کو دیکھتا رہا اور پھر ایک کا میں نے انتخاب کیا اور کہا۔

اے میرے محافظ میں آپ کو قربان کرنا چاہتا ہوں لیکن میں مجبور ہوں کیونکہ میری زندگی خطرے میں ہے پھر میں نے اسے کہا کہ وہ اس غار میں جائے اور اس کے گرد جو حصار قائم ہے اس کو توڑ آئے میرا حکم سن کر وہ چلا گیا۔ میں نے اپنے غلاموں سے متوجہ ہو کر بولا۔

میں غار میں جو اس جادوگر کے شیطان آقا کے بت کے ہاتھ میں سے اس کو نکالنا ہے تلوار نکال کر میں نے کالی وادی پہنچنا ہے کالی وادی پہنچ کر مجھے ایک ایسا درخت ملے گا جو نہ سبز ہو گا اور نہ ہی اس کا کوئی اور رنگ ہو گا مطلب جس طرح ہماری دنیا کے پودے ہیں اس کا رنگ سرخی مائل ہو گا اور یقیناً وہ درخت ہی شیطانوں کی موت ہو گا اس درخت کو میں نے یا تو تلوار سے یا پھر اس کو آگ سے جلا کر بھسم کرنا ہو گا جیسے ہی درخت جلے گا میرے دشمن بھی خود بخود ہی درخت کی طرح جل جائیں گے۔

اور پھر وہ جن جس کو میں نے اندر بھجوایا تھا اس حصار سے ٹکرایا اور اس کی چیخ نکل گئی حصار سے ٹکراتے ہی اس کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ حصار بھی ایک دائرے کی صورت میں جلنے لگا پانچ منٹ تک اس کو آگ لگی رہی پھر اس کا دم ٹوٹ گیا اور حصار بھی ختم ہو گیا میرا ایک غلام اس دنیا میں نہ رہا تھا پھر میں اس غار میں داخل ہو گیا داخل ہوتے ہی پہلے میں نے اپنے غلاموں کو کہا وہ میری حفاظت کریں تا کہ میں اپنے دشمن کو زیر کر سکوں اور میری مدد کے لیے کوشاں رہیں یہ کہہ کر میں غار میں داخل ہو گیا۔ اب غار میں داخل ہونے سے پہلے نہ تو مجھے کسی قسم کی کوئی تپش ہوئی اور نہ ہی کوئی جلن ہوئی بلکہ میں آسانی سے غار میں داخل ہو گیا تھا۔

کاشان جادوگر بہت خوش تھا لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ اس کا دشمن اس سے بھی بہت چالاک ہے اور اس نے حصار کو بھی ختم کر لیا ہے وہ حصار کی لگا کر بہت خوش تھا آج وہ اپنے دشمن کو بھی ختم کر دے گا اس طرح خوش ہو رہا تھا کہ اسے خیال آیا کیوں نہ اسی خوشی میں وہ شیطان کے بت کے سامنے جا کر کچھ نہ کچھ ریاضت ہی کرے یہ سوچ کر وہ اٹھا اور شیطان کے بت کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا آنکھیں بند تھیں اور منہ ہل رہا تھا غالباً کوئی اشلوک پڑھ رہا تھا اسی طرح وہ اشلوک پڑھتا رہا اور اسے ایک آواز بت سے آ رہی تھی اور وہ شیطان کی آنکھیں بھی روشن تھیں اس نے کہا۔

بس میرے پجاری۔ تم نے یاموں کو مار کر میرے سب سے بڑے دشمن کو مار دیا ہے اور وہ میرا دشمن تھا کیونکہ جب تو نے اسے کہا کہ وہ شیطان کی پوجا کرے تو وہ امر ہو جائے گا اس پر وہ بولا میرے امر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں میرے پاس پہلے ہی بہت ساری طاقتیں ہیں اور اب اور طاقتوں کا میں کیا کروں گا۔

آپ کو آپ کی شکتیاں قبول ہوں اور مجھے میری نورانی طاقت آپ کو اگر اپنی نورانی طاقت سے کوئی تکلیف ہو تو میرے کو بتلا دینا میں نہیں چاہتا ہوں میں نورانی علوم کا دامن چھوڑ کر شیطانی علم کو اپناؤں یہ بات کہہ کر وہ یہاں سے چلا گیا اور

میرے ساتھ دشمنی پالی اور تیرے ساتھ بھی دشمنی کرلی تو نے تو اس سے اپنا بدلہ اور ساتھ میرا بدلہ بھی لے لیا ہے۔

بلکن آقا یہ باتیں تو اس نے میرے ساتھ کی تھیں۔

نہیں تیری یہ بات اس نے تیرے ساتھ کر کے، میرے ساتھ بھی دشمنی پالی کیونکہ اس وقت میرے بت کے سامنے بیٹا ہے تو پھر وہ آپ کا بھی دشمن تھا۔

ہاں میرے پجاری تو نے اپنا اور میرا بدلہ لیا اور اب اس کا پتر تیرے سے بدلہ لینے آیا ہے اس لیے میں تجھ کو کچھ شکتیاں دے رہا ہوں یہ کہہ کر اس نے اس کی آنکھوں کو گھورنا شروع کر دیا پھر بت کی آنکھوں سے روشنی نکلی اور اس کی آنکھوں میں جذب ہوگئی۔

میں نے تجھے شکتیاں دے دی ہیں اب تو نے اپنے دوسرے دشمن کو بھی مارنا ہے یہ کہہ کر شیطان کی آنکھیں بے نور ہوتی چلی گئیں۔ اور کاشان سجدے میں گر گیا پھر وہ اٹھا اور شیطان کے بت کے سامنے سے بھی اٹھتا چلا گیا۔ اور غار سے باہر نکل آیا غار سے باہر نکلا اور اس کے سامنے جو منظر تھا وہ اس کے لیے دل دہلا دینے کے لیے کافی تھا اس کے سارے غلام رسیوں سے باندھے گئے تھے۔

غار میں داخل ہوتے ہی اس پر چڑیلوں نے حملہ کر دیا وہ حملے کے لیے بالکل بھی تیار نہ تھا اور پھر ایک چڑیل کا پنجہ بھی لگ گیا جس سے اس کے بازو سے خون بہنے لگا میں نے دل ہی دل میں اپنی طاقتوں کو بلانے والا منتر پڑھنے لگا اور اپنے ہاتھ پر پھونک ماری تو میرے سامنے میری ساری طاقتوں کو جمع کر دیا صرف اور صرف ایک جن کو میرے اوپر قربان ہونا پڑا میں نے اپنی طاقتوں کو حکم دیا اور کہا کہ وہ کاشان جادوگر کی ساری طاقتوں کو باندھ دیں۔

میرے حکم کی دیر تھی کہ میرے موکلات پر بت کو ستونوں سے باندھ دیا گیا۔ اور پھر ہم اندر غار کے چلے گئے میں نے چونکہ ٹوپی اوڑھی اور اس کی نظروں سے اوجھل تھا اور میرے موکلات بھی غائب تھے۔ اس لمحے میرے قریب سے ایک آدمی گزرا یہ وہی تھا آدمی تھا جس نے میرے ماموں کو قتل کیا تھا اور میرے ساتھ بھی دشمنی پالی تھی۔ اس وقت مجھے اس کی نہیں بلکہ اس کی تو تلوار کی ضرورت تھی اس تلوار کا فائدہ یہ تھا اگر وہ کسی کے پاس ہو تو وہ صرف اشارے کو ختم کر سکتا ہے اگر کسی آدمی کو مارنا ہو تو اس تلوار کو اس کی گردن کے برابر تک ہوا میں ہی لہراؤ گے تو اس کی گردن تن سے جدا ہو جائے گی اور میں نے اس درخت کو بھی اس طرح ختم کرنا تھا یعنی پہلے تلوار سے اسے کاٹنا تھا پھر انگوٹھی کا رخ اس درخت کی طرف کرنا تھا درخت کٹتے ہی انگوٹھی اسکی طرف ہو گئی تو وہ درخت جل جائے گا اور شیطان اور اس کی ساری فوج تباہ ہو جائے گی۔

میں نے غار کو عبور کیا اور ایک موڑ مڑا اور سامنے سے ایک کمرے سے روشنی آ رہی تھی روشنی اس طرح تھی جیسے زرد بلب کے اوپر جا بجا جائے لٹکے ہوئے ہوں اور کمرہ بھی غار میں ایک طرح تراشا گیا ہو اس کمرے میں ایک الماری تھی اور دروازے کے بالکل سامنے ایک بت پڑا تھا جس کے ہاتھ میں ایک چمکتی ہوئی تلوار تھی۔ تلوار حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ تلوار کو نکالتے وقت آپ کا ہاتھ بت کو نہ لگے اگر آپ کا ہاتھ بت کو لگ گیا تو آپ کو ایسی بیماری گھیر لے گی کہ ایک مہینے کے اندر اندر آپ کا جسم مٹی کی طرح ہو جائے گا کہ ایک مہینے کے اندر اندر آپ کا جسم مٹی کی طرح بھر بھرے ہوئے ہونگے میں چونکہ غائب تھا اور کسی کو نظر بھی نہیں آ رہا تھا اس لیے میں نے جلدی سے نیا پن محنت سے وہ تلوار نکالی ہی لی تلوار نکالتے ہی میں نے بت کے سر پر تلوار سے وار کیا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا سر کو جدا کر کے میں نے انگوٹھی کا رخ ان غلاموں کی طرف کیا تا کہ وہ جل جائیں میری انگوٹھی ان کی طرف کرنے میں ایک منٹ کا کچھ ہی حصہ ہی لگا ہوگا اور انگوٹھی سے ایک لہر نکلی وہ لہر باہر نکلتے ہی ہوا میں ہی پھیل گئی اور ان غلاموں کی طرا اور ان غلاموں کی طرف بڑھی میں نے ایسا منظر دیکھا روح تک کانپ گئی تھی وہ لہر جو انگوٹھی سے نکل کر ہوا میں پھیل گئی تھی اس نے ان سب کے سب جنات کو جلا کر خاکستر کر دیا اور کاشان کھڑا وہ سب منظر دیکھ رہا تھا اور وہ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر پھرنے لگا وہ جو بھی منتر پڑھ کر پھونک مارتا ناکام ہو جاتا اور وہ پاگل بھی کیوں نہ ہوتا کیونکہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے غلام جل کر خاکستر ہو گئے تھے اور وہ کچھ بھی نہ کر سکا تھا میں نے آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کہا۔ بڑے بابا کی انگوٹھی مجھے درخت تک پہنچا دو

یہ کہہ کر میں نے اپنی آنکھیں بند کی اور میرا جسم ساکت ہو گیا اور جب میں نے آنکھیں کھولیں میرے سامنے ایک درخت کھڑا تھا جس کو دیکھ کر لگتا تھا کہ جیسے دنیا بنی ہو اور وہ درخت کھڑا ہو میں نے پہلے اس درخت کا جائزہ لینا چاہا اچانک ایک اژدھا جس کا وزن تقریباً ایک ٹن تک ہوگا درخت کی ایک غار سے نکلا اور نکلتے ہی اس نے مجھے ڈسنا چاہا مگر میں ایک طرف ہو گیا لیکن نہ جانے میرا ہاتھ کیسے گھوما اور درخت تنے سے کٹ گیا درخت کے کٹتے ہی وہ اژدھا میری طرف ایسے دیکھنے لگا جسے میں اس کا بہت پرانا دشمن ہوں وہ میری طرف اچھلا اور میری گردن کاٹ گیا دفعتاً میرا ہاتھ درخت کی طرف اٹھ گیا اور ایک شعلہ نکلا جو درخت پر جا کر گرا اور درخت کو آگ لگ گئی درخت کو جیسے ہی آگ لگی اس درخت کے ختم ہوتے ہی وہ تلوار بھی غائب ہوگئی آوازیں آنا بند ہو گئی وہ اژدھا بھی غائب ہو گیا۔ میں انگوٹھی کو کہا۔

وہ مجھے گھر پہنچا دے۔

میرے کہنے کی دیر تھی کہ میں اپنے گھر پہنچ گیا اور گھر آ کر میں نے اپنے موکلات کو بھی آزاد کر دیا اور میں پانچ وقت کا نمازی بن گیا۔ اب میرے پاس تین طاقتیں تھیں ایک انگوٹھی کی ایک موکل کی اور ایک غائبانہ ٹوپی کی میں نے اس کو سنبھال کر تجوری میں رکھا اور خود ذکر الٰہی میں مصروف ہو گیا۔ اب میں پانچ وقت کا نمازی ہوں اور مسلمانوں کی مدد بھی کرتا ہوں آج میرے دل کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تو میں بھی سکوں محسوس کرنے لگا میں نے وعدے کے مطابق اپنی ملازمہ کو گھر کا آدھا حصہ دے دیا اور خود شادی کر لی۔

کیسی لگی میری کہانی قارئین کرام مجھے اپنی رائے سے ضرور نوازیے گا مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔ اسد اللہ بھٹی۔

جنگل کی چڑیل

۔۔۔تحریر: گلاب خان سولنگی۔ راولپنڈی۔

بادلوں کی وجہ سے رات کافی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے گھڑی میں ٹائم دیکھا رات کے بارہ بج رہے تھے ویسے تو جنگل میں کافی خاموشی تھی لیکن کبھی کبھار الو کے چلانے اور گیدڑ کے مخصوص آواز نکالنے سے پورا جنگل بھیانک محسوس ہوتا تھا لیکن ہم ایک نیک مقصد کے لیے نکلے ہوئے تھے سو ڈر ہم سے کوسوں دور تھا اب دو بارہ ہم اپنے شکار کے لیے جنگل میں ایک ساتھ چلنے لگے۔ ہماری تلاش ابھی جاری تھی کہ اچانک دور جھاڑیوں میں جنگلی جانوروں کے چلانے کی آوازیں آنے لگیں گیدڑ اور بندر زور زور سے چلا رہے تھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے انہوں نے کسی کو دیکھا ہو۔ دوستو ہوشیار ہو جاؤ۔ میں نے کہا۔ ہم لوگ بھی اس سمت بڑھنے لگے میرے دوستوں نے اپنا اپنا پسٹل ہاتھ میں لے رکھا تھا جبکہ میں سب سے آگے چل رہا تھا چلتے چلتے ہمارے قدم رک گئے ہماری تلاش ختم ہو چکی تھی وہ اچانک ہمارے سامنے نمودار ہوئی اس کا بھیانک چہرہ دیکھ کر میرے دوست نہ چاہتے ہوئے بھی ڈر گئے اور وہ میرے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ دوستو ڈرو نہیں آپ لوگ اسے مت دیکھو بلکہ میری طرف دیکھو کیونکہ مجھے بالکل ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا اس نے زور سے چیخ کر کہا۔ تم لوگ میرا شکار کرنے نہیں بلکہ میرا شکار ہونے آئے ہو یہ کہتے ہی وہ تیزی سے مجھ پر لپک پڑی اور میرا گلا دبانے کی کوشش کرنے لگی۔ پر اگلے ہی لمحے اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ دیا یوں لگا جیسے اس کو بجلی کا جھٹکا لگا ہو میں سمجھ گیا کہ یہ سب پیر بابا کے تعویذ اور خنجر کی برکت سے ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ میرے دوستوں پر وار کرتی میں نے خنجر اس چڑیل کے سینے میں پیوست کر دیا پھر تو پورا جنگل اس کی چیخوں سے گونج اٹھا وہ زمین پر گر گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس میں آگ لگ گئی اور کچھ ہی دیر میں وہ جل کر خاک ہو گئی۔ ایک سنسنی خیز اور ڈراؤنی کہانی۔

دفتر کا سارا عملہ جا چکا تھا کام کی مصروفیت کی وجہ سے کب رات کے نو بج گئے پتہ ہی نہیں چلا تھا میں نے گھڑی میں ٹائم دیکھا اور فضلو چپڑاسی کو بلایا۔

معاف کرنا۔ چاچا میری وجہ سے تمہیں بھی دیر تک بیٹھنا پڑا۔

چاچا فضلو نے ہنس کر کہا۔ کوئی بات نہیں صاحب جی اگر کبھی کبھار دفتری کام کی وجہ سے دیر تک بیٹھنا بھی پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے سامنے پڑی فائلیں سمیٹتے ہوئے کہا لگتا ہے آج بھی پیدل گھر جانا پڑے گا ایک تو اس شہر میں گاڑیاں جلدی بند ہو جاتی ہیں دوسرا ہمارا دفتر بھی شہر سے کافی دور ہے۔

چاچا فضلو نے بھی میری بات کی تائید کرتے ہوئے کہا اسی لیے تو صاحب جی میں سب کو جلدی جلدی کام نپٹانے کا کہتا رہتا ہوں ویسے آپ کے کام کی نوعیت بھی کچھ ایسی ہے کہ اکثر آپ کو دیر ہو جاتی ہے۔ ہم نے دفتر بند کیا اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔

میرا تعلق صوبہ سندھ سے تھا اور میں ایک سرکاری ادارے میں ملازم تھا کوہ مری میں میرا نیا تبادلہ ہوا تھا اس لیے سیٹل ہونے میں کافی وقت لگا ہمارا دفتر شہر سے کافی دور جنگل میں واقع تھا میرے علاوہ دفتر کے باقی سبھی لوگ مقامی باشندے تھے جو شام کو اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے تھے جبکہ میں نے بھی شہر سے تھوڑے فاصلے پر ایک کالونی میں کرائے کا مکان لے رکھا تھا جہاں میرے علاوہ توفیق اور عدنان بھی میرے روم میٹ تھے ہم تینوں پردیسی تھے لیکن آپس میں بہت پیار اور محبت سے رہتے تھے۔ میرے دونوں روم میٹ بھی ملازمت کرتے تھے لیکن وہ جلدی دفتروں سے واپس آ جاتے تھے ان کے دفتر شہر میں واقع تھے جبکہ میرا دفتر شہر سے کافی دور تھا۔ اس لیے میں صبح سویرے نماز فجر سے فارغ ہو کر دفتر کے لیے نکلتا تھا

یہ ان دنوں کی بات ہے جب موبائل فون کا نام نہیں ہوا تھا میں شہر سے ایک بس پکڑتا تھا اور شہر سے دور ایک اسٹاپ پر اترتا تھا یہاں میں بتاتا چلوں کہ ان دنوں میں کوہ مری میں اتنی سڑکیں نہیں تھیں جتنی آج ہیں بس ایک مرکزی روڈ جو مال روڈ سے ہوتا ہوا شہر کے گرد و نواح تک پھیلا ہوا تھا میں اس اسٹاپ پر اتر کر پیدل دفتر جاتا تھا جس کا فاصلہ تقریباً پانچ کلومیٹر تھا۔ راستے میں اونچی اونچی پہاڑیوں پر گھنا جنگل تھا اور کچی پگڈنڈیوں سے ہوتے ہوئے ہم لوگ دفتر پہنچتے تھے ہمارے دفتر کی ٹائمنگ صبح آٹھ بجے سے لے کر شام پانچ بجے تک تھی۔ جنگل کافی گھنا اور خطرناک تھا ویسے تو مری کے جنگلوں میں گیدڑ بندر جنگلی بلیاں اور خرگوش وغیرہ جیسے چھوٹے جنگلی جانوروں کے علاوہ چیتا بھی پایا جاتا تھا۔

میرے روم میٹ توفیق اور عدنان ہر وقت موویز دیکھتے رہتے تھے وہ ڈراؤنے ناول بھی پڑھتے تھے جبکہ مجھے ان چیزوں سے سخت چڑ تھی آج ہفتے کا دن تھا اور ہم تینوں شام کو فارغ بیٹھے ہوئے تھے تو عدنان نے کہا۔

دوستو کیوں نہ کل گھومنے کا پروگرام بنایا جائے ویسے بھی کافی دن ہو گئے ہیں کہیں گھومنے نہیں گئے۔ عدنان کی تجویز پر توفیق بھی بول پڑا کیا اچھا آئیڈیا ہے ویسے بھی کل چھٹی ہے وہ دونوں میری طرف دیکھنے لگے تو میں بھی ان سے کہہ دیا کہ ایک شرط پر میری منظوری مل سکتی ہے۔ وہ دونوں یک زبان ہو کر بولے۔

بھئی اب کون سی شرط ہے۔

میں نے کہا۔ شرط یہ ہے کہ آج آپ لوگ ڈراؤنی موووی نہیں دیکھو گے اور مجھے خبریں دیکھنے دو گے۔

کیا۔ ان دونوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے آخر انہوں نے ہار مان لی اور اس طرح ہم تینوں آپس میں مذاق کرنے لگے ان دنوں صف بڑے شہروں میں کیبل ہوا کرتا تھا جبکہ چینلز کی تعداد بھی محدود ہوتی تھی۔

ٹھیک نو بجے ہم لوگ کھانا وغیرہ کھا کر ٹی وی کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ٹی وی پر ایک بریکنگ نیوز آ گئی۔

آج صبح مری کے جنگلوں میں سے ایک دیہاتی شخص کی لاش ملی ہے۔ جسے کسی درندے نے بڑی بے دردی سے مارا ہے پر تعجب کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹرز بتا رہے ہیں کہ اس کسی جنگلی جانور

پوسٹ مارٹم کے مطابق وہ زخم کسی جنگلی جانور کے نہیں ہو سکتے مزید پولیس تحقیقات کر رہی ہے۔ خبر سنتے ہی ہم لوگ سکتے میں آ گئے۔

یار ہو نہ ہو یہ کسی جن یا چڑیل کی کارستانی ہوگی۔ توفیق کی بات پر میں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

یار اسی لیے تو کہتا ہوں کہ ڈراونی فلمیں مت دیکھا کرو کسی جن یا چڑیل نے نہیں بلکہ میرے خیال میں اسے کسی انسان نے دشمنی کی بنا پر قتل کیا ہوگا جسے میڈیا بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا ہے توفیق نے بھی فوراً جوابی وار کیا۔

یار تم کس قسم کے آدمی ہو میرے بھائی جنوں کے بارے میں تو قرآن پاک میں سورہ جن موجود ہے بھلا اس سے زیادہ آپ کو اور کیا ثبوت چاہیے۔ توفیق تھوڑا جذباتی ہو رہا تھا میں نے بڑے پیار سے کہا۔

دوستو قرآن پاک پر میرا پورا ایمان ہے اور میں مانتا ہوں کہ جن بھی اللہ کی مخلوق ہیں مگر اس میں ڈرنے والی کیا بات ہے ان کی اپنی الگ دنیا ہے اور ہماری الگ میری بات سن کر دونوں خاموش ہو گئے اور پھر ہم کسی اور موضوع پر باتیں کرنے لگے صبح کے اخبارات میں بھی رات والی اسٹوری چھپی تھی خیر وہ دن ہم نے خوب سیر سپاٹے میں گزارا اگلے دن صبح کو حسب معمول میں دفتر کے لیے نکلا آج پھر مجھے دفتر میں کام کرتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی

صاحب جی آپ کو ڈر نہیں لگتا۔

میں نے فائلوں میں سے منہ اوپر کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔ چاچا فضلو کیسا ڈر۔

صاحب جی آپ کو اکثر دیر ہو جاتی ہے اور گھر بھی آپ کا کافی دور ہے میرا مطلب ہے یہ کہ جنگل کے بیچوں بیچ رات میں اکیلے پیدل گھر جاتے ہوئے آپ کو ڈر نہیں لگتا ہے۔

چاچا کھل کر بات کرو یہ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو۔ اور مجھے کس چیز سے ڈر لگے گا میرے سوال پر وہ گویا ہوئے۔

وہ صاحب جی میں نے کافی لوگوں سے سنا ہے اس جنگل میں ایک خوفناک چڑیل کا بسیرا ہے اور کافی لوگوں سے اس کی باتیں بھی سنی ہیں بلکہ کچھ گاؤں والوں نے تو اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی ہے میں تو بس آپ کو خبردار کرنا چاہ رہا تھا کہ آپ بڑے محتاط انداز میں گھر جایا کریں

ارے چاچا آپ بھی ناں۔۔۔ میں نے ہنستے ہوئے ٹال دیا کہ یہ سب فرضی قصے ہیں اور ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا آپ میری فکر نہ کریں۔

آج خلاف معمول مجھے جنگل میں سے گزرتے ہوئے ایک عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ جھاڑیوں میں سے اچانک کوئی جنگلی جانور یا بندر نمودار ہو جاتا تھا تو میں سہم جاتا۔ لگتا ہے مجھ پر بھی فضلو بابا کی باتوں کا اثر ہونے لگا ہے میں نے اپنے آپ کو دلاسہ دیا اور شہر کی مرکزی سڑک پر پہنچ گیا جو اب بالکل سنسان پڑی تھی چلتے چلتے آخرکار گھر کو پہنچ گیا پہلے تو سب ٹھیک چل رہا تھا لیکن جب سے چاچا فضلو نے اس چڑیل کی بات سنائی تھی اس دن سے دل میں ایک انجانا سا خوف بیٹھ گیا تھا میں روز فضلو چاچا سے نئے نئے سوال پوچھتا تھا چاچا وہ چڑیل اگر واقعی اس جنگل میں موجود ہے تو

آپ کو ابھی تک دیکھائی کیوں نہیں دی۔ آپ کو چڑیل کے بارے میں کس نے بتایا اور آپ بھی تو اکثر رات گئے گھر جاتے ہو تو کیا آپ کو بھی ڈر نہیں لگتا ہے میرے اتنے سارے سوالوں پر وہ مسکرا کر کہتا۔

صاحب جی میں ٹھہرا ایک بوڑھا غریب آدمی اگر ڈر کے مارے گھر بیٹھ جاؤں تو میرے بچوں کا پیٹ کون پالے گا یہ سچ ہے کہ میں نے اسے نہیں دیکھا میں اپنے تجربے کی بنا پر اس کی موجودگی کو محسوس کر سکتا ہوں۔

اب میں بھی احتیاط کرنے لگا تھا واپسی پر ٹارچ اور ڈنڈا اپنے ساتھ ضرور رکھتا تھا جبکہ مغرب سے پہلے پہلے اپنا کام ختم کرنے کی کوشش کرتا تھا تاکہ راستے میں رات نہ پڑ جائے۔

ایک دن دفتر میں زیادہ کام آ گیا تھا اور مجھے کام کرتے ہوئے رات ہو گئی تھی میں اپنی گھڑی پر نظر ڈالی دیکھا تو رات کے دس بج چکے تھے دفتر کا سارا عملہ جا چکا تھا اور آج تو فضلو نے بھی چھٹی دے رکھی تھی میں نے اپنا کام مکمل کیا اپنی ٹارچ اور ڈنڈا لے کر دفتر بند کر دیا دسمبر کا مہینہ تھا اور برف باری کی وجہ سے سردی میں کافی اضافہ ہو گیا تھا میں نے کوٹ اور گرم چادر لی ہوئی تھی آج جنگلی جانوروں اور پرندوں کا شور معمول سے کچھ زیادہ ہی تھا دور شاخ پر الو کی آواز کسی انجانے خطرے کی نشاندہی کر رہی تھی جبکہ گیدڑ کے چلانے کی آواز نے تو ماحول کو اور بھی خوفناک بنا دیا تھا۔ میں نے ٹارچ آن کی اور اس کی روشنی میں آگے چلتا رہا باہر برف باری ہو رہی تھی جیسے درختوں نے سفید چادر اوڑھ لی تھی نجانے آج سفر اتنا طویل کیوں محسوس ہو رہا تھا پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا تھا خیر میں چلتے چلتے شہر کی مرکزی سڑک کے قریب پہنچ چکا تھا اب راستہ کافی ناہموار تھا میں جیسے ہی ایک پگڈنڈی پر پہنچا تو دور سے بندروں اور گیدڑوں کے چلانے کی آوازیں سنائی دیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انہوں نے کسی چیز کو دیکھا ہو جس طرح گاؤں میں آدھی رات کو کسی چور وغیرہ کو دیکھ کر کتے بھونکتے ہیں اور ان کے بھونکنے پر گاؤں والے محتاط ہو جاتے ہیں بالکل اس طرح کی آوازیں سن کر جو کہ اب میرے قریب تر ہوتی جا رہی تھی میں نے اپنی ٹارچ کی روشنی اس طرف کر دی جہاں سے بندر اور گیدڑ چلا رہے تھے۔

جونہی میری نظر ایک عورت پر پڑی تو حیرت اور خوف کے مارے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ڈر کے مارے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے وہ ایک درمیانے قد کی عورت تھی جو لال لباس پہنے میری طرف بڑھ رہی تھی اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں کی پتلیاں بالکل سفید تھیں وہ بغیر آنکھیں جھپکائے ہوئے میری طرف بڑھ رہی تھی اس کے ہاتھوں کے ناخن نوکیلے تھے اب گیدڑوں اور بندروں کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں میں دبے پاؤں سائیڈ مارتا ہوا ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا میری حالت قابل رحم تھی ایسی برفیلی سردی میں بھی میرے پورے جسم سے پسینہ چھوٹ رہا تھا لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری تھی میں آیت الکرسی کا ورد کرتا رہا اور سوچنے لگا کہ ایسی صورتحال میں کیا کیا جائے میں نے بچپن میں اپنی دادی سے سنا تھا کہ اگر کبھی ایسی شیطانی مخلوق سے سامنا ہو جائے تو اس کا۔۔

مقابلہ کرنے کے بجائے اس کو رستہ دیا جائے اس طرح وہ شیطانی مخلوق آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی مجھے فضلو چاچا بھی بڑی شدت سے یاد آرہا تھا کاش میں نے اس کی بات مان لی ہوتی میں اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔ خیر میں نے قرآن پاک کا ورد کرتا رہا۔ جس سے مجھے کافی حوصلہ ملا۔ بالآخر وہ خوفناک چڑیل میرے سامنے آکر رک گئی اس نے ادھر ادھر دیکھا شاید اس کی نظر ابھی تک مجھ پر نہیں پڑی تھی جو وہ میرے سامنے سے گزر گئی اور تھوڑا آگے چل کر غائب ہوگئی۔ شکر ہے اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور گرتے پڑتے ہوئے اس سحر انگیز ماحول سے باہر نکل آیا۔

اب جنگل میں بالکل خاموشی تھی اور میں بھی مرکزی سڑک پر پہنچ چکا تھا ایسی برفیلی سردی میں بھی میرا پورا جسم پسینے سے شرابور تھا اور پیاس سے گلا خشک ہوگیا تھا آخر خدا خدا کر کے میں اپنے مکان تک پہنچ گیا۔ اگلے دن صبح کو دیر سے آنکھ کھلی میرے ذہن میں ابھی تک رات والا واقعہ گھوم رہا تھا۔

کیوں پارٹنر سب ٹھیک تو ہے ناں۔۔ توفیق کے سوال پر میں واپس خیالی دنیا سے حقیقی دنیا میں آگیا۔

یار وہ رات کافی دیر ہوگئی تھی سو میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ آپ لوگوں کو جگاؤں آپ لوگ دفتر جاؤ میں تھوڑا لیٹ دفتر جاؤں گا وہ دونوں چلے گئے اور میں بڑی مشکل سے دفتر کے لیے تیار ہوا۔

دراصل رات والے واقعے نے میرے دل اور دماغ پر بڑا گہرا اثر چھوڑا تھا اس لیے طبیعت

[illegible]

دفتر میں سب سے پہلے فضلو چاچا نے میرے رویے کی تبدیلی کا نوٹس لیا میں بھی بار بار فضلو چاچا کی طرف دیکھ رہا تھا اور اپنا کام بھی کر رہا تھا کھانے کے وقفے کے دوران فضلو چاچا میرے پاس آئے اور کہا۔

کیا بات ہے صاحب جی۔ آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہے ہیں سب ٹھیک تو ہے ناں۔ میں چاچا کو ایک کونے میں لے گیا اور بڑی ہی راز داری سے اسے کہا۔

چاچا ایک راز کی بات بتاؤں لیکن وعدہ کرو کہ راز راز ہی رہے میرا مطلب ہے۔

صاحب جی آپ بے فکر رہو اور سمجھو کہ مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔ چاچا بیچ میں بول پڑا۔

تو پھر سنو جانتے ہو کل رات میرا سامنا کس سے ہوا تھا۔

کس سے۔ چاچا فضلو کا تجسس بڑھ گیا تھا۔

کل رات میرا سامنا اسی چڑیل سے ہوا تھا جس کے متعلق آپ نے مجھے خبردار کیا تھا اور میں ہنسی مذاق میں بات ٹال گیا تھا۔

کیا۔ فضلو چاچا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

ششش۔۔ چاچا آہستہ بولو کہیں کوئی سن نہ لے میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرا مذاق بنائے تم سمجھ رہے ہو ناں۔ فضلو چاچا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دلاسہ دیا۔

صاحب جی آپ پریشان نہ ہوں خدا سب ٹھیک کردے گا اور ہاں اپنا کام دن کے وقت ہی پورا کیا کرو۔

شام کو جلدی ہی گھر آگیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اپنے روم میٹ کو اس خوفناک چڑیل کا بتاؤں یا

[illegible]

پھر سوچا کہ اتنا بڑا واقعہ ہوگیا ہے اپنے دوستوں کو ضرور بتانا چاہیے اور پھر باتوں ہی باتوں میں میں نے انہیں سارا واقعہ سنا ڈالا جسے سن کر وہ لوگ مجھ سے بھی زیادہ ڈر گئے تھے۔

یار آپکو تو اللہ نے نئی زندگی دی ہے آپ کوئی صدقہ خیرات نکالو اور ہم آپکو تو پہلے ہی سمجھاتے تھے کہ رات کے وقت اکیلے جنگل میں سے مت گزرا کرو لیکن آپ کو تو جنوں بھوتوں کی باتیں مذاق لگتی تھیں اب آپ کو پتہ چلا کہ انکا ڈر کیسا ہوتا ہے۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا لیکن آئے دن ہمیں اخبارات اور ٹیلی ویژن کی ان خبروں نے خاصا پریشان کر رکھا تھا کہ آج بستی میں پھر کوئی بندہ اس شیطانی مخلوق کا شکار ہوگیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے شہر میں خوف کے بادل منڈلانے لگے ہر کسی کی زبان پر اس خوفناک چڑیل کی خبریں تھیں لوگوں نے تو راتوں میں نکلنا بند کردیا تھا اب تو گورنمنٹ بھی اس مسئلے کے حل کے لیے سنجیدگی سے سوچنے لگی تھی ہم لوگ بھی خوف اور ڈر کے ایسے ماحول میں بزدلوں کی طرح جی رہے تھے لیکن کسی میں بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ چڑیل کا سامنا کرسکیں۔ کچھ عرصہ بعد میرے گاؤں سے خط آیا کہ میرے والد صاحب کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی ہے لہذا میں نے دفتر سے کچھ دنوں کی چھٹی لے لی اگلے دن میرے دوست مجھے ریلوے اسٹیشن راولپنڈی چھوڑنے آئے میں نے بھی سندھ کی ٹرین پکڑی۔

سندھ کا موسم گرم تھا میرا گاؤں اندرون سندھ میں واقع تھا جہاں ہرے بھرے کھیت آموں کے باغات کیلوں کی فصل اور کھجور کے درخت ہمارے گاؤں کی شان تھی میں نے اپنے والد صاحب کا علاج شہر کے ایک اچھے ہسپتال میں کرایا میں نے مری میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر اپنی بیوی اور بچوں سے نہیں کیا تھا میں ان کو پریشان دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

ایک رات میں سویا ہوا تھا تو خواب میں دیکھا کہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ مری کے جنگلات گھوم رہا ہوں۔ میرے دوست آگے چلے گئے اور میں پیچھے رستہ بھٹک گیا پھر تو ان کو بڑی آوازیں دیں لیکن بے سود میں بھٹکتا ہوا ایک پگڈنڈی پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک عورت کھڑی ہے لیکن اس کا منہ دوسری طرف تھا میں حیران رہ گیا کہ اس وقت یہ اکیلے عورت یہاں ویرانے میں کیوں کھڑی ہے میں نے سوچا کہ شاید میری طرح راستہ بھٹک گئی ہے میں نے قریب جا کر اس کو آوازیں دیں لیکن وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی رہی آخر کار میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے آواز دی تو اس نے مڑ کر جو میری طرف دیکھا تو اس کا خوفناک چہرہ دیکھ کر مارے وحشت کے میری چیخ نکل گئی اور اسی ڈر اور خوف کی کیفیت میں میری آنکھ کھل گئی اور میں نیند سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

یا اللہ خیر۔ کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے ناں۔ میری بیوی بھی نیند سے بیدار ہوگئی تھی

کچھ نہیں بیگم کوئی برا سپنا تھا آپ سو جاؤ میری بیوی تو سو گئیں پر میں کافی دیر تک جاگتا رہا اب تو خواب میں بھی اسی چڑیل کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا میں نے اس چڑیل کے بارے میں شوکت کو سب کچھ بتایا۔

ہے وہ پریشان سا ہوگیا۔ اور مجھے دلاسہ دیتے ہوئے بولا۔ دوست پریشان نہ ہو ہم آج ہی گاؤں کے پیر بابا کے پاس چلتے ہیں تجھے یاد ہے کہ بچپن میں ماسی ریحام پر جب کسی جن کا سایہ ہوگیا تھا اور ڈاکٹروں نے بھی اسے جواب دے دیا تھا تب پورے گاؤں کے سامنے پیر بابا نے کس طرح کلام الٰہی سے اس کا علاج کر کے جن کو بھگایا تھا اور ماسی بالکل ٹھیک ہوگئی تھیں گاؤں کے پیر بابا بہت ہی نیک انسان ہیں وہ اب بھی گاؤں کے غریب افراد کی خدمت کرتے ہیں۔۔ اور اگر کسی پر جن وغیرہ کا سایہ ہوجاتا ہے تو ہمارے پیر بابا ثواب کی خاطر مفت علاج کرتے ہیں آؤ چلتے ہیں اس کے پاس۔

پھر ہم دونوں پیر بابا کے ڈیرے کی طرف روانہ ہوگئے ہم لوگ بڑے مودبانہ انداز میں پیر بابا سے ملے جب ان کے مریدین کا رش کم ہوا تو میں نے چڑیل کے متعلق سارے واقعات بیان کر دیئے۔ جسے سن کر وہ کافی دیر خاموش رہے پھر پیر بابا آنکھیں بند کیے کچھ سوچ رہے تھے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے جوں جوں وقت گزر رہا تھا ہمارے دلوں کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی آخر کار پیر بابا نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور ہمیں اپنے نزدیک بلایا ہم لوگ پیر بابا کے بالکل قریب بیٹھ گئے وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہم لوگ بھی دوزانو ان کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

معاف کرنا بیٹا میں مراقبے میں چلا گیا تھا جس کی وجہ سے آپ کو زحمت اٹھانا پڑی۔

کوئی بات نہیں پیر بابا امید ہے آپ نے جواب دیتے ہوئے بولے۔

بیٹا اللہ پاک پر بھروسہ رکھو وہ سب ٹھیک کر دے گا میرے علم کے مطابق وہ شیطانی مخلوق آپ کو نقصان دینے کی کوشش میں مصروف ہے لیکن آپ نے اچھا کیا کہ چھٹی لے کر میرے پاس آ گئے جیسا کہ آپ نے بتایا کہ وہ چڑیل بے گناہ انسانوں کا خون بہا رہی ہے اور پورا شہر ڈر اور خوف کی کیفیت میں مبتلا ہے تو بیٹا میری بات دھیان سے سنو ہمیں صرف اور صرف اللہ پاک سے ڈرنا چاہیے اس کی مخلوق سے نہیں کیونکہ ساری مخلوقات اس کی محتاج ہے ہمیں اپنے سارے مسائل کا حل اللہ پاک کی پاک کتاب قرآن مجید میں تلاش کرنا چاہیے آپ لوگ میری بات سمجھ رہے ہو ناں۔

ہم دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ جی پیر بابا ہمیں آپکی بات خوب سمجھ میں آ رہی ہے وہ تھوڑی دیر خاموش رہے اور ایک تعویذ لکھ کر مجھے دیتے ہوئے کہا۔

بیٹا یہ تعویذ اپنے دائیں بازو پر ہر وقت باندھے رکھنا انشاء اللہ اس تعویذ کی برکت سے کوئی بھی شیطانی مخلوق جن بھوت یا چڑیل آپ کے نزدیک نہیں آسکتی میں نے وہ تعویذ لے کر اپنے پاس رکھا تو پیر بابا نے پاس پڑے ہوئے ایک صندوقچے میں سے ایک پرانا خنجر نکالا اور مجھے دیتے ہوئے کہا یہ خنجر بھی ہر وقت اپنے پاس رکھنا یہ کوئی معمولی خنجر نہیں ہے یہ ہمارا آبائی خنجر ہے جو آب زم زم سے دھلا ہوا ہے اس سے پہلے کہ وہ خوفناک چڑیل تم پر کوئی وار کرے میں چاہتا ہوں کہ اس کے وار سے پہلے تم اس پر خنجر سے اس پر

[illegible] تک پہنچا کر مخلوق خدا کو اس کے شر سے بچاؤ۔

میں نے وہ خنجر لے کر پیر بابا سے وعدہ کیا کہ میں اس کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کروں گا اور اس خنجر سے اس خوفناک چڑیل کو مار کر شہر کے لوگوں کو نجات دلاؤں گا انشاء اللہ۔

پیر بابا میرا عزم دیکھتے ہوئے بہت خوش ہوئے اور دعاؤں کیساتھ ہمیں رخصت کیا۔ پیر بابا کی دعا سے میری زندگی میں ایک خوشگوار سی تبدیلی آئی تھی پیر بابا کے دیئے ہوئے تعویذ اور خنجر سے میرے اندر ڈر اور خوف والی کیفیت بالکل ختم ہوگئی تھی۔

میری چھٹی ختم ہوگئی تھی اور میں نے واپسی کی ٹکٹ لی چوبیس گھنٹے کے طویل سفر کے بعد شام کو ہماری ٹرین راولپنڈی ریلوے اسٹیشن پر پہنچی جہاں میرے دوست توفیق اور عدنان پہلے سے ہی مجھے ریسیو کرنے کے لیے موجود تھے جب انہوں نے مجھے دیکھا تو بہت ہی خوش ہوئے اور میرے سامان لے کر ایک ٹیکسی میں رکھا پورا رستہ مجھ سے گاؤں کی باتیں سنتے رہے اور میں ان سے شہر کی۔ توفیق اور عدنان نے بتایا کہ شہر کے حالات جوں کے توں ہیں وہ خوفناک چڑیل خوف کی علامت بنی ہوئی ہے وہ اب تک نہ جانے کتنے لوگوں کی زندگی سے کھیل چکی ہے۔ ان کی باتیں سن کر میں نے کہا۔

دوستو پیر بابا کے تعویذ اور خنجر نے مجھے نیا حوصلہ دیا ہے اب وہ دن دور نہیں جب اس شہر کو منحوس چڑیل کے سائے سے بھی نجات مل جائے گا۔ میری باتیں سن کر وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے یار واقعی تو گاؤں جا کر بدل گئے ہو وہ

رات میں نے سکون میں گزاری اور اگلے دن صبح کو روٹین کے مطابق دفتر کی تیاری میں لگ گیا۔ دفتر والے مجھے دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے فضلو بابا دکھائی نہیں دے رہے تھے دفتر والوں نے بتایا کہ چار دن پہلے اس نے کسی خوف ناک چیز کو دیکھا تھا اور بھاگتے ہوئے گر پڑا جس سے اس کی ایک آنکھ کسی لکڑی سے ٹکرا کر ضائع ہوگئی لیکن حیرت انگیز طور پر اس کی جان بچ گئی اور اب وہ شہر کے ایک ہسپتال میں داخل ہے فضلو چاچا کے بارے میں سن کر مجھے بڑا افسوس ہوا۔ میں نے دفتر سے جلدی چھٹی کی اور سیدھا ہسپتال پہنچا جہاں فضلو بابا ایڈمٹ تھے فضلو چاچا مجھے دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے اس کی ایک آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی جبکہ دوسری آنکھ سے وہ رو رہا تھا چاچا کیسی طبیعت ہے اب اور آپ کی یہ حالت کیسے ہوئی وہ کراہتے ہوئے بولا۔

مت پوچھو صاحب جی بس اللہ پاک نے جان بچالی یہ بھی بڑی غنیمت ہے پر ہوا کیا تھا میرا تجسس اور بھی بڑھ رہا تھا مجھے بے چین دیکھ کر وہ بولا۔

صاحب جی آپ کی چھٹی کے دوران میری بیوی کی طبیعت خراب ہوگئی تھی میں رات کو اس کی دوائی لے کر آ رہا تھا کہ مجھے راستے میں بہت دیر ہوگئی چونکہ ہمارا گاؤں شہر سے کافی دور تھا اور رات کو کوئی گاڑی بھی نہیں مل رہی تھی میں نے جنگل میں سے شارٹ کٹ مارا چلتے چلتے مجھے ایک جگہ جھاڑیوں میں سے کچھ عجیب وغریب آوازیں آنے لگیں میں نے ڈرتے ہوئے جونہی جھاڑیاں ہٹا کر جو دیکھا تو خوف کے مارے میری سانسیں رکنے لگیں میرے سامنے وہی خوفناک

چڑیل کھڑی تھی جس کا ذکر آپ نے کیا تھا وہ اپنی بھیانک نظروں سے مجھے تک رہی تھی میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں اور جونہی وہ میری طرف لپکی تو میں نے بھی پاؤں پر زور دیا اور ایک طرف کو دوڑ لگا دی دوڑتے دوڑتے اچانک مجھے ٹھوکر لگی اور میں دھڑام سے زمین پر گر گیا جہاں میری آنکھ ایک سوکھی ہوئی لکڑی پر لگی اور وہ ضائع ہو گئی۔ میں درد سے چیختا چلاتا ہوا گرتا پڑتا آخر کار اپنے گاؤں پہنچ گیا۔ صاحب جی آنکھ تو ضائع ہو گئی ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ جان تو بچ گئی لیکن ابھی تک میں اس چڑیل کے ڈر کے صدمے سے باہر نہیں آیا۔

فضلو بابا کو میں نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ چاچا سب ٹھیک ہو جائے گا آپ فکر نہ کریں وہ خونی چڑیل بہت جلد اپنے انجام کو پہنچ جائے گی۔

رات کو میں اپنے روم میٹ دوستوں سے اس چڑیل کے متعلق کچھ مشورے کر رہا تھا دوستو۔ اب بہت ہو گیا ہے کب تک ہم ڈر کے سائے میں جیتے رہیں گے لگتا ہے وہ وقت آ گیا ہے کہ مجھے پیر بابا کی بتائی ہوئی باتوں عمل کرنا پڑے گا میرے ذہن میں ایک پلان ہے اس لیے مجھے آپ دونوں کی مدد چاہیے۔

توفیق اور عدنان بولے میرے دوست ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم آپ کی خاطر جان بھی دے سکتے ہیں۔

میں نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا جان دینی نہیں بلکہ اس چڑیل کی جان لینی ہے۔

کیا۔۔ وہ دونوں حیرت سے مجھے تکنے لگے

ہاں دوستو پیر بابا نے کہا تھا اس چڑیل کو وار کرنے سے پہلے ختم کیا جائے اور جب تک یہ خنجر اور تعویذ میرے پاس ہے وہ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی ہے اور تم دونوں کی سلامتی کا ضامن میں ہوں آپ لوگوں کو آنچ تک نہیں آنے دوں گا۔ بس آپ لوگ میرے ساتھ چلیں اور انسانیت کی خاطر ہمیں اس کا مقابلہ کرنا چاہیے اور اس خونی چڑیل کو ختم کر کے انسانی جانوں کے ضیائع سے بچایا جائے اور عظیم نیکی کمائی جائے تو آپ لوگ تیار ہیں۔ ہم تیار ہیں ان کا جواب سن کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔

تو ساتھیو پلان یہ ہے کہ کل رات ہم جنگل میں گزاریں گے ہم تینوں اکٹھے ہوں گے اور ایک پل کے لیے جدا نہیں ہوں گے ہم جنگل میں اسے تلاش کریں گے اور اگر وہ ہمارے سامنے آ گئی تو تم لوگ صرف میری طرف دیکھنا میں اس خنجر سے اس پر وار کر کے ختم کر دوں گا انشاء اللہ اور ہاں ایک اہم بات کرتا چلوں آپ لوگوں نے ڈرنا نہیں ہے میرے پلان پر انہوں نے حامی بھر لی۔ دوسرے دن ہم لوگ دفتروں کو گئے اور شام کو واپس آ گئے تھے ہم لوگ اپنے پلان کو سرانجام دینے کے لیے تیاری کرنے لگے میرے دوستوں کے پاس ان کے لائسنس والے پسٹل بھی تھے جو احتیاطاً انہوں نے لوڈ کر کے اپنے ساتھ رکھ لیے میرے پاس پیر بابا کا دیا ہوا تعویذ اور خنجر تھا اس کے علاوہ ہمارے پاس ٹارچ ڈنڈے اور آگ جلانے کے لیے ماچس اور تھوڑا کھانے پینے کا سامان تھا اب ہم لوگ بڑی بے چینی سے رات ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

ٹھیک رات نو بجے ہم لوگوں نے اللہ کا نام لیا اور اپنی مہم پر نکل پڑے موسم کافی سرد تھا اور آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے ہم لوگ شہر سے

کافی دور گھنے جنگل میں نکل آئے تھے پیدل چلتے چلتے تھک گئے تھے اس لیے کچھ دیر ستانے کے لیے بیٹھ گئے ہم اپنے ساتھ لائے ہوئے کھانے میں سے کچھ کھانا کھایا اور پانی پی کر آپس میں باتیں کرنے لگے۔

یار شکر ہے ہم تین لوگ ساتھ ہیں اکیلا آدمی تو اس بھیانک جنگل میں ویسے ہی مر جاتا عدنان کی بات پر میں نے مسکرا کر کہا۔

ڈرنے کا نام نہیں لینا باقی جو مرضی آئے کہو وہ دونوں بھی مسکرانے لگے بادلوں کی وجہ سے رات کافی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے گھڑی میں ٹائم دیکھا رات کے بارہ بج رہے تھے ویسے تو جنگل میں کافی خاموشی تھی لیکن کبھی کبھار الو کے چلانے اور گیدڑ کے مخصوص آواز نکالنے سے پورا جنگل بھیانک محسوس ہوتا تھا لیکن ہم ایک نیک مقصد کے لیے نکلے ہوئے تھے سو ڈر ہم سے کوسوں دور تھا اب دوبارہ ہم اپنے شکار کے لیے جنگل میں ایک ساتھ چلنے لگے۔ ہماری تلاش ابھی جاری تھی کہ اچانک دور جھاڑیوں میں جنگلی جانوروں کے چلانے کی آوازیں آنے لگیں گیدڑ اور بندر زور زور سے چلا رہے تھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے انہوں نے کسی کو دیکھا ہو۔

دوستو ہوشیار ہو جاؤ۔ میں نے کہا۔

ہم لوگ بھی اس سمت بڑھنے لگے میرے دوستوں نے اپنا اپنا پسٹل ہاتھ میں لے رکھا تھا جبکہ میں سب سے آگے چل رہا تھا چلتے چلتے ہمارے قدم رک گئے ہماری تلاش ختم ہو چکی تھی وہ اچانک ہمارے سامنے نمودار ہوئی اس کا بھیانک چہرہ دیکھ کر میرے دوست نہ چاہتے ہوئے بھی ڈر گئے اور وہ میرے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

دوستو ڈرو نہیں آپ لوگ اسے مت دیکھو بلکہ میری طرف دیکھو کیونکہ مجھے بالکل ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا اس نے زور سے چیخ کر کہا۔

تم لوگ میرا شکار کرنے نہیں بلکہ میرا شکار ہونے آئے ہو یہ کہتے ہی وہ تیزی سے مجھ پر لپک پڑی اور میرا گلا دبانے کی کوشش کرنے لگی۔ پر اگلے ہی لمحے اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ دیا یوں لگا جیسے اس کو بجلی کا جھٹکا لگا ہو میں سمجھ گیا کہ یہ سب پیر بابا کے تعویذ اور خنجر کی برکت سے ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ میرے دوستوں پر وار کرتی میں نے خنجر اس چڑیل کے سینے میں پیوست کر دیا پھر تو پورا جنگل اس کی چیخوں سے گونج اٹھا وہ زمین پر گر گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس میں آگ لگ گئی اور کچھ ہی دیر میں وہ جل کر خاک ہو گئی حیرت انگیز طور پر وہ خنجر محفوظ رہا جسے اٹھا کر میں نے اپنا پاس رکھا میرے دوست اب صدمے کی کیفیت سے باہر آ چکے تھے ہم لوگ اپنی مہم میں کامیاب ہو چکے تھے۔

اگلے دن چڑیل کے مرنے کی خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی لوگوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کافی عرصہ تک ہم تینوں دوستوں کے چرچے ہوتے رہے۔ اب شہر کی رونقیں دوبارہ واپس آ چکی تھیں۔ اور لوگ راتوں کو بھی گھومتے پھرتے تھے کچھ سالوں بعد میرا بھی تبادلہ کراچی میں ہو گیا اور میں کراچی آ گیا۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازیئے گا مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

غزلیں نظمیں

لوگ کہتے ہیں

لوگ کہتے ہیں
دھیرے دھیرے وقت
ہر زخم کو بھر دیتا ہے
تم بھی لوگوں کی کہی
باتوں میں آجاتی ہو
ایک لمحے کیلئے
متحمل ہو کے سوچتی ہوگی
شاید میرے بچپن کا وہ ساتھ
وہی پاگل لڑکا
وہ بھی اب بھول گیا ہوگا
مجھے لوگ کہتے ہیں کہ
دھیرے دھیرے وقت
ہر زخم کو بھر دیتا ہے
بے سبب اپنی جفاؤں پہ
پشیمان نہ ہو
لوگ کہتے ہیں
مگر ایسا ہوتا تو نہیں

ساجدہ یعقوب گھوٹکی سندھ

یہ سرد ہے تو برف ہے
جو گرم ہے تو آگ ہے
چھڑے تو ایک غزل ہے
یہ بجے تو ایک ساز ہے
ملے تو بس جنوں جنوں
جو نہ ملے تو فقط جنوں
نہ سوچیے تو خواب ہے
سہے تو عذاب ہے

ساجدہ یعقوب گھوٹکی سندھ

وقت

گزر ہی جاتا ہے
لمحہ بہ لمحہ
وقت کی باہیں
ان لمحات
کو اپنے اندر بھینچ
لیتی ہے

ساجدہ یعقوب گھوٹکی سندھ

پیاسا ہوں مگر دھوپ کی چاہت ہے
سفر میں
سائے میں چلوں تو مجھے دریا نہیں ملتا
سب عکس ادھورے ہیں کہ سب آئینے جھوٹے
زخمی ہے بدن اور مسیحا نہیں ملتا

ساجدہ یعقوب گھوٹکی سندھ

میں اور میری تنہائی
دونوں سکھ دکھ کی
سہیلیاں ہیں
جب درد حد سے گزر
کر آنکھوں سے
بہنے لگتا ہے
تو میری ساتھی تنہائی
اپنی باہیں پھیلا کر مجھے
اپنی آغوش میں سمیٹ
لیتی ہے

ساجدہ یعقوب گھوٹکی سندھ

ممکن ہو آپ سے تو بھلا دیجئے مجھے
پتھر پہ ہوں لکیر مٹا دیجئے مجھے
ہر روز مجھ سے تازہ شکایت آپ کو
[illegible] بار بتا دیجئے مجھے

ساجدہ یعقوب گھوٹکی سندھ

غزل

یہ سوچ کر ہم حسرت بھری راہوں میں رہے
لے کاش کہ تو ہر وقت میری باہوں میں رہے
محبت بھی تو کسی جرم سے کم تو نہیں ہے
چھپا چھپے تو ہر وقت میری نگاہوں میں رہے
ہر گھڑی گنگناتے ہیں تیرے پیار کے نغمے لبس
بے درد تو ہر وقت میری آہوں میں رہے
یا کچھ نہیں کیا تیرے پیار کی خاطر
ہم ہر وقت تیرے پیار کے گناہوں میں رہے
آئینہ ہے تو اسے ٹھوکر نہ لگ جائے کہیں
ہر وقت وہ میرے دل کی پناہوں میں رہے

شکیل احمد۔ کراچی

غزل

ہم بڑی دور سے آئے ہیں تمہاری خاطر
دل کے ارمان بھی لائے ہیں تمہاری خاطر
ہم نے دریا بھی بہائے ہیں تمہاری خاطر
ہم نے سحر جگائے ہیں تمہاری خاطر
ہم نے ارمان لٹائے ہیں تمہاری خاطر
دوست ہم لوٹ کر آئے ہیں تمہاری خاطر
پیار محبت ہوتی ہے کیا پتہ نہ تھا ہمیں
بال بال دھڑکا ہے آج صرف تمہاری خاطر

شکیل احمد۔ کراچی

چاہت

مجھے تجھ سے فقط چاہت ہے اتنی
صحرا کو ریت سے جتنی
جیسے ساگر کو لہروں سے
جیسے پھولوں کو خوشبو سے
مجھے تجھ سے فقط چاہت ہی اتنی
پیاسی دھرتی کو بارش سے جتنی
جیسے آسمان کو ستاروں سے
انسان کو زندگی سے
مجھے تجھ سے فقط چاہت ہے اتنی
نیند والوں کو راتوں سے جتنی
جیسے سورج کو روشنی سے
جیسے دریا کو پانی سے
مجھے تجھ سے فقط چاہت ہے اتنی
دل والوں کو دل لگی سے جتنی
جیسے آنکھوں کو نور سے
میرے دل کو تم سے
بس مجھے تم سے فقط چاہت ہے اتنی
جیسے دنیا والوں کو پیسوں سے جتنی

شکیل احمد۔ کراچی

اچھا لگتا ہے

تمہارے بارے میں ہر وقت سوچنا اچھا لگتا ہے
ہر پل صرف تم کو دیکھنا اچھا لگتا ہے
جب رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے ہر سو
اکیلے میں تم سے صرف تم سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے
کھوئے رہتے ہیں گزرے ہوئے لمحوں میں ہم
تمہاری یادوں میں گم سم رہنا اچھا لگتا ہے
تمہارے آنے کی جب خبر نہیں ملتی مجھ کو
تمہارے بارے میں سب سے پوچھنا اچھا لگتا ہے
تمہیں پانا ناممکن ہے زندگی میں مگر
پھر بھی تمہارے سپنے دیکھنا اچھا لگتا ہے

شکیل احمد۔ کراچی

خیال

رات کے اس دو بجے پہر
سب کیا ہے بے تابی کا
دل کی نظر سے دیکھوں شاید
یا پھر
اس نے نیند میں کروٹ بدل کر
میرا نام لیا ہے تیزی!

شاہد محمود دانش۔ جھنگ صدر

نظم

ہم تم بن ایسے جیتے ہیں
جیسے زہر پیالہ پیتے ہیں
جیسے غم بادل سا چھایا ہو
آنسو کی صورت بارش ہو
ہم ہر وقت یہ آہیں بھرتے ہیں
ہم تم بن مرتے رہتے ہیں
تیری یادوں کو جب چھیڑا ہو
پھر اس نے ڈالا گھیرا ہو
تیری یاد میں گھوم پھرتے ہیں
ہم تم بن مرے رہتے ہیں
چاہے دنیا ساری اپنی ہو
پر تم نہ ہو تو کچھ نہ ہو
ہر وقت صدا یہ کرتے ہیں
ہم تم بن مرتے رہتے ہیں
ہم تم بن ایسے جیتے ہیں
جیسے زہر پیالہ پیتے ہیں

ابن رفیق

غزل

کبھی ہم بھی خوفناک لیا کرتے تھے
ایک دن میں سارا پڑھا کرتے تھے
کبھی چھیڑتے تھے یاسمین کو تو
کبھی خوشبو سے لڑا کرتے تھے
دیکھ کر اپنے خط اور کہانیاں
بہت ہی خوش ہوا کرتے تھے
اپنا پسندیدہ رسالہ آنے کا دوستو!
پورا مہینہ انتظار کیا کرتے تھے
تعریف کرنے والوں سے ہوتے تھے خوش
تنقید کرنے والوں سے جلا کرتے تھے
کبھی عمران قریشی کو سراہتے تھے
تو کبھی امبر حسین سے گلہ کرتے تھے
خوبصورت حسین مناظر کی بجائے
ہم کو جن بھوت ملا کرتے تھے
شائع کروانے کی خاطر تحریریں خاموش
شہزادہ بھائی کی منتیں کیا کرتے تھے

سہیل احمد۔ جھنگ

غزل

راتوں کے پہر میری آنکھوں کے سپنے نہیں دیتے
غیر دیتے ہیں پیار مجھ کو اپنے نہیں دیتے
کچھ ایسے حالات سے پڑا ہے واسطہ میرا
جو میرے خیالات کو پنپنے نہیں دیتے
دنیا چاہتی مجھے دیکھنا شکست خوردہ مگر
تجھ سے ملنے کے خواب مجھے تھکنے نہیں دیتے
جب بھی انتہائے اذیت پر پہنچتا ہوں کھینچ لیتے ہیں
دوست مجھے مزہ موت کا بھی چکھنے نہیں دیتے
میرا دل کا میری روح تک کو آزما لیتے ہیں مگر
اپنی ذات کے ایک پہلو کو بھی پرکھنے نہیں دیتے
وہ خود تو آرام سے چرا لیتے ہیں میرا دل خاموش
مگر اپنی ایک تصویر بھی مجھے نہیں دیتے

وہ بڑا رحیم و کریم ہے مجھے یہ صفت بھی عطا کرے
تجھے بھولنے کی دعا کروں تو میری دعا میں اثر نہ ہو
کبھی دن کی روشنی چوم کر کبھی چھو کر چاند کی روشنی
یونہی ساتھ ساتھ چلیں سدا کبھی ختم اپنا سفر نہ ہو

زاہد اقبال سحر۔ سمندری

تجھے معلوم کیا ہوگا

تجھے معلوم ہے! فرقت کی شب کیسے گزرتی ہے
تجھے معلوم ہے! تنہائی کی روح میں کیسے اترتی ہے
تجھے معلوم ہے! اجڑات آنکھیں آنسوؤں کی
کیسے کرتی ہیں!
تجھے معلوم ہے! خوابوں کی دنیا لوٹ کر کیسے بکھرتی ہے
تجھے معلوم ہے! احساسوں میں گری کیوں اترتی ہے
تجھے معلوم ہے! اک حرف دعا لب پر یکایک کیوں ابھرتا
ہے
مگر جان وفا تجھ کو خبر کیسے ہوگی
کہ اول روز سے ویران تیرے دل کی دھرتی ہے
تیرے جذبات کی حس دل کے جذبوں سے سکراتی
ہے
تیری سوچیں محبت کے تصور سے ہی ڈرتی ہیں
ایسے میں بتا تجھے کیا معلوم ہوگا
تجھے معلوم ہوگا
فقط یادیں میری جاں زخم دل کے کیسے بھرتی ہیں
فقط اک نام پر دل کی دھڑکن کیوں ٹھہرتی ہے
فقط اک یاد سے شامیں کسی کی کیوں سنورتی ہیں
فقط اک نام کی رٹ ہونٹوں پر کیسے ابھرتی ہے
تجھے معلوم کیا ہوگا یہ من پر کیوں گزرتی ہے
تجھے معلوم کیا ہوگا!
تجھے معلوم کیا ہوگا!

زاہد اقبال سحر۔ سمندری

اگر کبھی میری یاد آئے

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاند راتوں کی نرم دلگیر روشنی میں
کسی ستارے کو دیکھ لینا
اگر وہ نخل فلک سے اڑ کر
تمہارے قدموں میں آ گرے تو
یہ جان لینا وہ استعارہ تھا میرے دل کا
اگر نہ آئے
مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے
کہ تم کسی پر نگاہ ڈالو
تو اس کی دیوار جاں نہ ٹوٹے
وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے
اگر کبھی ہوا کی لہروں پہ ہاتھ رکھنا
میں اس قطروں کے آئینوں میں تمہیں ملوں گا
تجھے گلابوں کی پتیوں میں تلاش کرنا
میں خوشبوؤں میں تمہیں ملوں گا
اگر ستاروں میں اوس کے قطروں میں
خوشبوؤں میں نہ پاؤ مجھ کو
تو اپنے قدموں میں دیکھ لینا
میں گرد ہوتی مسافتوں میں ملوں گا
کہیں یہ روشن چراغ دیکھو تو سمجھ لینا
کہ ہر پتنگے کے ساتھ میں بکھر چکا ہوں
تم اپنے ہاتھوں سے ان پتنگوں
کی راکھ دریا میں بہا دینا
میں خاک بن کر سمندروں میں سفر کروں گا
کسی ان دیکھے ہوئے جزیرے پہ
رک کر تم کو صداؤں میں یاد رکھوں گا
سمندر کے سفر پہ نکلو تو
اس جزیرے پہ ضرور اترنا

زاہد اقبال سحر۔ سمندری

گلاب

ستو جاناں
محبت کرنے والے
آج کے دن ایک دوجے کو
گلابوں کے حسین تحفے تھماتے ہیں
میرے آنچل میں لیکن
پھول تو کوئی نہیں۔ جو تجھ کو میں بھیجوں
مگر
سب سے حسین سوغات ہے جو پاس میرے
وہ تمہارے نام کرتی ہوں
ستو جاناں
میرے ہوتوں کے یہ جلتے گلاب
آج سے......
سمجھو......
تمہارے ہیں

زاھد اقبال سحر۔ سمندری

ماں

آج میں روئی تو بے اختیار روئی
مگر اچانک
میری سماعت سے ایک آواز ٹکرائی
کہ میں جتنا بھی رولوں
جتنی دیر بھی رولوں
مگر مجھے کوئی نہیں یہ کہے گا
کہ چپ ہو جاؤں
کیونکہ اب میری
ماں نہیں ہے

میڈم فضا۔ آلہ آبادی

چلو پھر سے

چلو پھر سے اجنبی بن
جائیں ہم دونوں
کہیں یہ نہ ہو کہ یہ
تعارف روگ بن جائے......
ہماری زندگی کا

میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

ہمیں اب بچھڑ جانا چاہئے
خوابوں کو اب بکھر جانا چاہئے
شبِ ہجراں کا آخری پہر ہے اب تو
وصل حج کو اب نکھر جانا چاہئے
آج تو اس نے بھی آنے کا وعدہ کیا ہے
الجھی ہوئی زلفوں کو اب سنور جانا چاہئے
بن دروازہ دیکھ کر کہیں لوٹ نہ جائے وہ
شام ڈھلے اب گھر جانا چاہئے
راستوں کے نشاں تک مٹ گئے ہیں
بتاؤ فضا اب کدھر جانا چاہئے

میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

میں کیا تھی اس نے مجھے کیا بنا دیا
دکھ میں بھی مجھے ہنسنا سکھا دیا
وہ جو عمر بھر ساتھ چلنے کا وعدہ کرتا تھا
اس نے تو چند لمحوں میں ہی بھلا دیا
لہو دے کر اپنا کیا تھا جسے روشن میں نے
اسی چراغ نے میرے گھر کو جلا دیا
کتنی شدت تھی میری محبت میں

غزل

اس کے سورج کو ڈھلتے دیکھا ہے
ہر موڑ پہ اپنوں کو بدلتے دیکھا ہے
تجھے اپنی اذیت کیا بتائیں ہم
کئی بار اپنے دم کو نکلتے دیکھا ہے
تیرے ساتھ تو دیکھی ہیں بہاریں مگر
تیرے ہجر میں زندگی کو جلتے دیکھا ہے
جب سے تم ملے ہو تب سے ہم نے
گرتے ہوئے خاموش کو سنبھلتے دیکھا ہے

سہیل احمد۔ جھنگ

غزل

[illegible]ف بد نکلا منہ سے تو دعا ہوا
[illegible]نے کہا تو جھوٹ بھی مذاق و صفا ہوا
[illegible] نظر سے پڑی جان صحراؤں میں
[illegible] ایک اداء سے موسم دلربا ہوا
[illegible] تھا تو کچھ بھی نہیں تھا ہمیں
[illegible] ہوا عشق تو پھر بے انتہا ہوا
[illegible]نے میرے بڑھ گئے اندھیرے اور
[illegible] میرے پیچھے پھر ایک دیا ہوا
[illegible]فس دیئے گل و لالہ پیار لئے
[illegible] ہے پھر کوئی کسی سے جدا ہوا
[illegible] جدا لئے پھر آہوں نے
[illegible] کسی دل کا حال برا ہوا
[illegible] کوئی کشتی بھنور میں گھری خاموش
[illegible] کوئی شخص بے آسرا ہوا

سہیل احمد۔ جھنگ

غزل

محبت اس سے انتہا کی رکھتے ہیں
خبر ہر دم اس دلربا کی رکھتے ہیں
ناز لیتے ہیں پیار کو پردوں کی آڑ میں
نظر تیرے شہر کے لوگ بلا کی رکھتے ہیں
اگر وہ رکھتا ہے دشتِ تنہائی میں گھر
تو جاگیر ہم بھی صحرا کی رکھتے ہیں
ہوتے نہیں مایوس تیری بے رخی سے
امید ہر دم تیری رضا کی رکھتے ہیں
ہو گئے ہیں عشق میں اگرچہ فرعون
صفات مگر ہم خدا کی رکھتے ہیں
حضرت خاموش بھی پاگل ہیں پیار کے بغیر
خواہش صرف اور صرف فنا کی رکھتے ہیں

سہیل احمد۔ جھنگ

اُتر گیا

شروع شروع میں میں نے سوچا تھا
کہ یہ عشق کا بھوت بس
چند دنوں میں
اتر جائے گا
اور واقعی ہی یہ اتر گیا مگر
جانتے ہو کہاں اترا...... ہاں روح میں

سہیل احمد۔ جھنگ

غزل

تمہیں دل سے بھلاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
کوئی سپنا سجاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
تمہاری یاد اب دل کو بہت بے چین کرتی ہے
مگر تم کو بھلاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

اب بیگانہ تم تو پانی ہوں تو آ نکھیں بھیگ جاتی ہیں
دن کیسے گزر رہے ہیں پوچھا تھا یہ خط میں اس نے
وطن کیسے گزر رہے ہیں یونہی جب سے جاتی ہوں آنکھیں بھیگ جاتی
ہیں
میں جلتی آنکھوں سے ہنس ہنس کے پاگل ہو بھی جاؤ تو
ستم یہ خود پہ ڈھاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
تمہارا غم میں ہنس کے جھیل لوں لیکن میرے ہمدم
اسے دل میں چھپاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
کبھی تو لوٹ ہی آؤ گے اس نگری میں تم اک دن
دیے ہر شب جلاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

رخسار مدحت۔ لاہور

محبت مر نہیں سکتی

ہزاروں دکھ پڑیں سہنا محبت مر نہیں سکتی
ہے تم سے بس یہی کہنا محبت مر نہیں سکتی
تیرا ہر بار میرے خط کو پڑھنا اور رو دینا
میرا ہر بار لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی
کیا تھا ہم نے شب ہجر میں اک حسین وعدہ
بھلے ہم کو پڑے مرنا محبت مر نہیں سکتی
پرانے عہد کو جب زندہ کرنے کا خیال آئے
مجھے بس اتنا لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی
وہ تیرا ہجر کی شب پھول رکھنے سے ذرا پہلے
بہت روتے ہوئے کہنا محبت مر نہیں سکتی
اگر ہم حسرتوں کی قبر میں دفن ہو جائیں
تو یہ کتبوں پہ لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی
پرانے رابطوں کو پھر نئے وعدوں کی خواہش ہے
ذرا اک بار تو کہنا محبت مر نہیں سکتی
گئے لمحات فرقت کے کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں
وہ پہروں ہاتھ پہ لکھنا محبت مر نہیں سکتی

زاھد اقبال سحر۔ سمندری

آئی جب بھی رات تو نندیا روٹھ گئی
چھائی جب برسات تو نندیا روٹھ گئی
چاند ہوا خاموش ستارے ڈوب گئے
تم نے تھاما ہاتھ تو نندیا روٹھ گئی
دور ہوئے تم جب بھی سانسیں ڈول گئیں
پیار کی جب کی بات تو نندیا روٹھ گئی
کیسا سندیسہ ان کو ہوائیں دے آئیں
بات سے الجھی بات تو نندیا روٹھ گئی
چاہت یاد سے آ گئی راتیں بھاری ہیں
ہوئے ہیں یوں حالات تو نندیا روٹھ گئی

زاھد اقبال سحر۔ سمندری

خوشبو

عکس خوشبو ہوں بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی
کانپ اٹھتی ہوں یہی سوچ کر تنہائی میں
میرے چہرے پہ تیرا نام نہ پڑھ لے کوئی
میں تو اس دن سے ہراساں ہوں کہ جب حکم ملے
خشک پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی
اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس امید پہ دروازے سے جھانکے کوئی
کوئی آہٹ کوئی چاپ کوئی آواز نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں آئے کوئی

زاھد اقبال سحر۔ سمندری

غزل

کبھی یوں بھی آ میری آنکھ میں میری نظر کو خبر نہ ہو
مجھے ایک رات نواز دے مگر اس کے بعد سحر نہ ہو

وہ زمین کی میں نے اسے آسمان بنا دیا
جنون عشق میں کافر ہو گئی تھی فضا
اک انساں کو خدا سے ملا دیا

میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

ساتھ چلتے ہوئے بھی جدا رہے
وفا کر کے بھی ہم بے وفا رہے
ہم کیا ہوتا ہے کبھی دیکھا نہیں
تھے ازل سے تنہا رہے
کسی کو سجدہ کرتے ہم بھی بھلا
ہمارے قریب تو بہت سے خدا رہے
اس نے گھر جلا دیا تھا ہمارا
ہم تو ڈھونڈتے روشنی کے لئے دیا رہے
خود کو مار دیا اس کی خوشی کے لئے
آرزو ہے کہ سدا اس کی بقا رہے
ناراض ہو گئے ہیں ایک دوسرے کیلئے تو کیا ہوا
پہلے ہم بھی آخر آشنا رہے

میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

اپنی پیاری دوست عصمت طاہرہ کے نام

روٹھوں تو مجھے منانا تم
پیار کر کے کبھی مجھ سے نہ مکر جانا تم
دکھ کھائے ہیں میں نے بہت
خلوص کو کبھی نہ ٹھکرانا تم
اجالے کر روشن کیا ہے اسے میں نے
وفا کی شمع کو کبھی نہ بجھانا تم
کرتی ہوں میں تیرے نام اپنے جذبے
میرے جذبوں کی توقیر کر دکھانا تم

مرنے کے بعد یاد رکھیں ہماری دوستی کو زمانے والے
عصمت اس دوستی کو اپنی زندہ مثال بنانا تم

میڈم غنا۔ آلہ آبادی

غزل

یہ فخر تو حاصل ہے میرے ساتھ چلے ہیں
وہ بھی کسی کی یاد میں اب تک تو جلے ہیں
دل دے کر کسی کو تو جلنا ہے مقدر
سوچا تھا خزاؤں میں کبھی پھول کھلے ہیں
اس نے تو اپنی زیست کی روداد ہے کہی
کتنے خورشید تھے سولی میں ڈھلے ہیں
ایک کو بجھا کے تم یہ سمجھتے ہو بجھ گئے
ہم گردش زمانے کی سی چال چلے ہیں
ان کا دیدار دل ناداں پہ بوجھ تھی
ان کو خبر نہ تھی وہ مدتوں بعد ملے ہیں
آگ میں رکھ کر کاغذ کا ٹکڑا اس نے فرمایا
ہم بھی کسی کی یاد میں ایسے ہی جلے ہیں

ممتاز حسین بوٹو۔ سکردو

غزل

کبھی یوں بھی آ میری آنکھ میں کہ میری نظر کو خبر نہ ہو
مجھے ایک رات نواز دے مگر اس کے بعد سحر نہ ہو
وہ بڑا رحیم وکریم ہے مجھے رفعت بھی عطا کرے
مجھے بھولنے کی دعا کرو مگر اس دعا میں اثر نہ ہو
کبھی دن کی دھوپ میں جھوم کر کبھی شب کے پھولوں کو چوم کر
جو نہی ساتھ ساتھ چلیں سفر سدا کبھی ختم اپنا سفر نہ ہو
میرے پاس آ میرے پاس آنے والا اور دل کے قریب آ
تجھے دھڑکنوں میں بسالوں میں کہ بچھڑنے کا ڈر نہ ہو

یٰسین خان۔ نور پور

غزل

نہ بجھا چراغ دیار دل
نہ بچھڑنے کا تو ملال کر
تجھے دے گی جینے کا حوصلہ
میری یاد رکھ لے سنبھال کر
کبھی کیا کہ ایک ہی شخص کو
کبھی سوچنا کبھی بھلانا
جو نہ بجھ سکے وہ دیا جلا
جو نہ ہوسکے وہ کمال کر
غم آرزو میری جستجو
میں سمٹ کے آگیا روبرو
یہ سکوت مرگ ہے کس لیے
میں جواب ہوں تو سوال کر
تو بچھڑ رہا ہے تو سوچ لے
تیرے ہاتھ ہے میری زندگی
تجھے روکنا میری موت ہے
میری بے بسی کا خیال کر
زاہد چتوکی---------------------

غزل

گلشن تھا لالہ زار ابھی کل کی بات تھی
ہر گل پہ تھا نکھار ابھی کل کی بات تھی
اب تو غم حیات بھی دیتا نہیں قرار
تھا حاصل قرار ابھی کل کی بات تھی
آنکھوں میں جن کی کھٹکنے لگا ہوں میں
ان کو تھا مجھ سے پیار ابھی کل کی بات تھی
چاروں طرف اداسیاں بکھری ہوئی ہیں آج
موسم تھا خوشگوار ابھی کل کی بات تھی
کانٹوں کو بھی گریز ہے مجھ سے یہ کیا ہوا
ہمدرد تھی بہار ابھی کل کی بات تھی
زاہد چتوکی---------------------

غزل

کہانی. دردکی میں زندگی سے کیا کہتا
یہ دردجس نے دیا میں اس سے کیا کہتا
گلہ تو مجھ کو بھی کرتا تھا پیاس کا لیکن
جو خود ہی سوکھ رہے اس ندی سے کیا کہتا۔
میرے عزیز ہی مجھ کو سمجھ نہ پائے کبھی
میں اپنا حال کسی اجنبی سے کیا کہتا
زاہد۔چتوکی---------------------

غزل

تمہارے بن نہیں رہتا
مجھے تم سے محبت ہے
ہے تم سے بس یہی کہنا
مجھے تم سے محبت ہے
زبان تو کہہ نہیں سکتی
تمہیں احساس تو ہوگا
میری آنکھوں کو پڑھ لینا
مجھے تم سے محبت ہے
تمہارے نام کردی ہے
یہ پوری زندگی اپنی
بھلے ہی دکھ پڑے سہنا
مجھے تم سے محبت ہے
ہمیں احساس ہے تم کو بھی
ہم سے پیار ہے لیکن
تجھے میرے سامنے کہنا
تجھے تم سے محبت ہے
زاہد۔چتوکی---------------------

مجھے سب کچھ قبول ہے فلک غم میں یار مجھ سے طلب کر
نہ
میں اسے کیسے دل سے جدا کروں جو میری عمر بھر کی تلاش ہے
زاہد۔چتوکی---------------------

غزل

تو مجھے چاہے ایسی قسمت کہاں تھی
کہاں میں کہاں تو یہ نسبت کہاں تھی
تیری بے رخی سے یہ دل مضطرب تھا
میرا حال جانے یہ فرصت کہاں تھی
میری چاہتوں کی تجھے خبر کیا ہو
تو سوچے مجھے تیری فطرت کہاں تھی
تجھے اپنے من سے نکالوں تو کیسے
میں پا لوں تجھے یہ سعادت کہاں تھی
جو بن جاتا میرا ہمسفر کہیں تو
بھلا ایسی اپنی قسمت کہاں تھی
جو ملے تو تو نے نگاہیں جھکا لیں
یہ لوحہ تھا میری شکایت کہاں تھی
تو جو کچھ بھی تھا اک وہم تھا سراب کا
فریب نظر تھا حقیقت کہاں تھی
یٰسین خان۔نور پور

نظم

یہ آنکھیں بھی تو چہرہ ہیں
انتہا بھی ہیں دریا بھی
زباں بھی ہیں قلم بھی
خوشی اور غم کی پیم ترجمان آنکھیں
رہ کر چپ اصل میں بولتی آنکھیں
کر دنیا بھلا کب جانتی ہے آنکھوں کے دکھ کو
یٰسین خان۔نور پور

غزل

گل تیرا رنگ چرا لائے ہیں گلزاروں میں
جل رہا ہوں بھری برسات کی بوچھاروں میں
مجھ سے کترا کے گزر جا اے جان حیا
کل کی لو دیکھ رہا ہوں تیرے رخساروں میں
حسن بیگانہ احساس جمال اچھا ہے
غنچے کھلتے ہیں تو بک جاتے ہیں بازاروں میں
ذکر کرتے ہیں تیرا مجھ سے بعنوان جفا
چارہ گر پھول پرو لائے ہیں تلواروں میں
مجھ کو نفرت سے نہیں پیار سے مصلوب کرو
میں تو شامل ہوں محبت کے گنہگاروں میں
یٰسین خان۔نور پور

غزل

بہت چاہا تھا اسے وہ ملا ہی نہیں
لاکھ کوششیں کیں مگر یہ فاصلے مٹے ہی نہیں
جھولی پھیلا کر مانگا تھا خدا سے اسے
مگر خدا نے میری کسی دعا کو سنا ہی نہیں
ہر اک سے پوچھا سبب تیرے نہ ملنے کا
ہر اک نے بتایا وہ تیرے لئے بنا ہی نہیں
بڑی شدت سے چاہا تھا مگر تو کسی اور کا ہو گیا
شاید کہ اس جہاں میں وفا کا صلہ ہی نہیں
بلال شاعر۔مانسہرہ

غزل

اے دیکھو ذرا آ کے اے چمن سے سوتے والے
کیسے روتے ہیں تیری یاد میں رونے والے
نہیں آیا میری میت پہ کوئی اپنا
میرے قاتل تھے میری لاش پہ رونے والے
تجھ کو آئے گی میرے لہو سے وفا کی خوشبو
میرے لہو سے چہرے کے نشاں دھونے والے
مجھے غیروں سے نہیں کوئی شکوہ
میرے اپنے تھے میری کشتی ڈبونے والے

سپاهی رانا اعجاز احمد۔ شکر گڑھ

انتقام

اگر مقدر تمہیں شکست کی ٹھوکر لگا دے
اور اگر تم لوٹ آؤ
تو میں تمہارے کمزور جسم سے انتقام کی بجائے
تمہاری شکست پر اپنے نام کی مہر لگا دوں گا
اور!
اپنی فتح کی مسکراہٹ تمہارے شکست خوردہ
ہونٹوں پر سجا دوں گا
اور سنو.....!
مایوس مت ہونا
میں تمہارے گرتے آنسوؤں کو
اپنے پوروں کے دامن میں سمیٹ لوں گا
اپنے برہنہ زخموں سے مت گھبرانا
میں تمہارے زخموں کو.....
اپنی چاہتوں کی قبا میں لپیٹ لوں گا
یہی میرے ظرف کا امتحان ہوگا
اور سنو......!
یہی میرا انتقام ہوگا

ذکاء اللہ قریشی۔ کندیال

S کے نام

بڑی چاہت سے تجھے رب نے بنایا ہو گا
وہ مٹی زمین سے نہیں آسمان سے بلایا ہو گا
جب بنائے ہوں گے یہ خوبصورت ہونٹ اس نے
وہ رنگ قوس قزح سے لایا ہو گا
جب بنائی ہوں گی یہ خوبصورت آنکھیں اس نے
تو کئی بار حوض کوثر سے نہلایا ہو گا
جب بنائی ہوں گی یہ گھنی زلفیں اس نے
وہ جنت کی حوروں سے لایا ہوگا
پھولوں اور کلیوں سے زیادہ نازک بنایا اس نے
چاند اور تاروں سے زیادہ حسین بنایا اس نے
جب بنا دیا تجھے اس نے حسن کا اک مجسمہ
تو تجھے دکھانے کے لئے فرشتوں کو بلایا ہو گا
جب اتار دیا تجھے اس نے عرش سے زمین پر
جب تو نے اپنے دیوانے کو بہت رلایا ہو گا

عمران اکرم۔ فیصل آباد

غزل پیار A کے نام

قسم کی قسم ، قسم سے صنم
تجھ کو ہی چاہیں اور چاہیں گے ہم
کر لے یہ زمانہ چاہے کتنے بھی ستم
باز آنے والے نہیں ہیں ہم
اس زمانے کی ہمیں کچھ نہیں پرواہ
بس ہم کو تو ہے A تیرا ہی غم
تیرے لئے ہی جیئے جا رہے ہیں
قسم کی قسم قسم سے صنم
تم کو الفت نہ سہی صنم
چلو نفرت سے ہی کہہ دو آئی لو یو صنم
قسم کی قسم قسم سے صنم
تجھ کو ہی چاہیں اور چاہیں گے ہم

علی اکبر۔ عارفوالا

غزل

تلاش ہے مجھے ایسے دوست کی
کرے جو مجھ سے اپنے دل کی باتیں
جو رکھے مجھے اپنے حسین ارمانوں کی طرح
جو میرے خیال میں گزار دیں راتیں ساری
سمجھے جو میری بے چینی کو میرے دکھ درد کو
جو کر دے مجھ پر نچھاور اپنی چاہتیں ساری

ہر وقت جو رہے میرے ہی نام کا ورد
میرے نام سے وابستہ ہو جس کی محبتیں ساری
روٹھے نہ کبھی مجھ سے میری خطا پر
لٹا دے جو مجھ پر اپنی الفتیں ساری
رکھوں گا اسے اپنی آنکھوں میں سپنوں کی طرح
اس کے نام لکھ دوں گا میں اپنی زندگی ساری

محمد آصف۔ کنگن پور

تیرے نام

آج وہ مدت بعد آئی بھی
بس یہ کہنے
جاناں!
میرے سارے خطوط لوٹا دو
سب تصویریں، قلم، کتابیں
واپس کر دو سارے تحفے
مجھ سے سب کچھ مانگنے والی
جاتے جاتے
میرے کمرے کی چوکھٹ پر
چھوڑ گئی ہے

شاہد محمود دانش۔ باشیانوالہ

اپنا آپ

کئے بہت تھے دامن فطرت میں تیری
پھول اور کچھ میرے ارمان بن گئے

محمد آصف۔ کنگن پور

معصوم

اتنا اکثر پوچھتا ہے
اکثر
اداس کیوں روتی ہو
اتنا اداس رہنا اچھا نہیں ہے
اجڑی اجڑی کیوں رہتی ہو
وہ کتنا معصوم ہے ناں؟

ستارا تبسم شیراز۔ پنڈی گجران

وہ انجان سی لڑکی کچھ بھی نہیں لگتی شیراز
پھر نہ جانے کیوں اسی کی یاد میں آنسو بہاتا ہے دل
تم بھول بھی جاؤ یہ تم کو حق ہے ستارا
میری بات اور ہے میں نے تو محبت کی ہے
میں جس کے لئے پہروں اداس رہتا ہوں
شیراز وہ بھی مجھے ہی بے وفا سمجھتا ہے
کوئی پیار سے نہ دیکھے مجھ کو اب
سارے آنسو تو میں کب کا بہا چکا ہوں

ریاست علی شیراز۔ پنڈی گجران

فرمائش

آخر ایک دن
اس نے مجھ سے کہہ ہی ڈالا
مجھ پر بھی ایک نظم کہو تم
ایسی نظم
کہ
جس میں
میرا نام نہ آئے
میں خود آؤں

اجمل فریاد۔ میرپور

آزاد نظم

مجھے محشر کے روز سر پر کوئی بادل نہیں لینا
مجھے اس دن اپنی کسی نیکی کا کوئی پھل نہیں لینا
تو سن معلا
سنا ہے تو اک محبت ہے

---محمد اسحاق انجم کنگن پور
چلو اب دنیا چھوڑ کے دیکھتے ہیں
سنا ہے لوگ بہت یاد کرتے ہیں چلے جانے کے بعد
---اکرم زخمی روڑ سلطان جھنگ
ہم سے بھلایا نہیں جاتا اک مخلص کا پیار لوگ جگر
والے ہیں جو روز نیا یار بنا لیتے ہیں
---اکمل زخمی روڑ سلطان جھنگ
تجھے بھول کر بھی نہ بھلا سکوں
تجھے چل کے بھی نہ پا سکوں
میری حسرتوں کو شمار کر میری چاہتوں کا صلہ نہ دے
---محمد اکرم بھٹی کنٹھ سرگانہ
سنگ مرمر سے خدا نے تراشا ہے بدن تیرا باقی جو پتھر
بچا اس سے تیرا دل بنا دیا
---ملک ارشد محمود بھلوال
ہاتھ اٹھاؤں تیرا نام نہ لوں کیسے ممکن ہے دوست تو
میری دعاؤں میں شامل ہے آمین کی طرح
---ارشد محسن پوہلہ
تیری مخمور نگاہوں سے ہے رونق سارے جگ
میں ورنہ ساقی تیرے میخانے میں کیا رکھا ہے
---عامر سہل جگر سمندری
دے اتنی لذت اپنے سجدوں میں اے خدا کہ اس بے
وفا دنیا کو یاد کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے
---تنزیلہ حنیف جوگیاں
اس کو بھول جانا ہے یا اسے یاد رکھنا ہے۔ دکھ تو ایک
جیسا ہے بس انتخاب کرنا ہے
---محمد یاسین مجڑ عمر
ایک نوالے کے لیے میں نے کیا جس پنچھی کا شکار جانا
افسوس وہ پرندہ بھی کئی روز کو بھوکا تھا
---محمد یاسین جھنگ
سوچتے ہیں بنا ہی لیں اب
کوئی فرق اداس لوگو کا

کب تک رہو گے آخر یوں دور دور ہم سے ملنا پڑے گا
تم کو اک دن ضرور ہم سے ہم چھین لیں گے تم سے یہ
شان بے نیازی پھر مانگتے پھرو گے اپنا غرور ہم سے
---عائشہ چوہدری
یہ ناز تھا وہ میرا ہے فقط میرا ہے
کبھی یہ ڈر کہ وہ مجھ سے خفا نہ ہو جائے کبھی یہ دعا کہ
اسے ملیں جہاں کی خوشیاں کبھی یہ خوف کہ وہ خوش
میرے بنا تو نہیں

میرا بس چلے خرید لوں اپنے جینے کے واسطے تیرا دل
خرید لوں
کر سکیں جو ہر وقت انتظار تیرا
سب کچھ لٹا کر وہ نگاہیں خرید لوں
---عائشہ چوہدری
کاش کہ تم میرے ہوتے
کاش یہ الفاظ تیرے ہوتے
---شاہد رضا جڑانوالہ
زندگی کو زندگی کے سوا کون جانے گا روئی زندگی ہی
زندگی کی ہم نوا ہوتی ہے
---عبدالجبار روی چوہنگ لاہور
جب کوئی اپنا نہ تھا کوئی غم نہ تھا
ایک اپنا ملا اسی سے ہر غم ملا
---نوید خان ڈاھا عارفوالہ
اگر وہ کلال تھا کیوں آیا میری زندگی میں پیا آج دکھ
ہوا ہے کہ اجڑے اپنے ہی شہر میں
---ذیشان علی پیاسمندی
الزام آوارگی میں چھوڑ دیا اپنا شہر
رونہ پردیس کے قابل یہ چھوٹی سی عمر نہ تھی
---فیض اللہ مجاور نخی سرور
فقط باتیں اندھیروں کی فقط قصے اجالوں کے چراغ
آرزو لے کر نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

---سوہادہ
بکھر کر ٹوٹ جاتے دو یہ دل کی آس کو۔ نہ جانے کس
کی یادوں نے جلا دی دل کی بستی کو
---محمد خادم جھنگ ڈیرہ مراد جمالی
لکڑی کا تیر بن کر کاغذ کی تصویر بن کر گزرے گا کوئی
مسافر تیری گلی سے فقیر بن کر
---اظہر سیف دکھی سکھیکی
وہ جواب طلب ہے مجھ سے کہ بھول تو نہ جاؤ گے مجھ کو
جواب میں کیسے دوں اس کو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
---محمد شفیق کوہادہ
جفاؤں کی ہوا میں وفاؤں کا نام نہیں رہا۔ محبت کے
طلاطم میں اب کوئی کام نہیں رہا
---بشیر احمد بھٹی بہاولپور
غم کی جاگیر ملی ہے وراثت میں مجھے۔ اپنی جاگیر میں
رہتا ہوں خوابوں کی طرح
---مظہر حسین دین پور عبدالحکیم
نہ تو آیا نہ ہی تیرا ایس ایم ایس آیا نہایت ہی بے
قراری
ہے
میرے دل کے اسٹیشن پر غموں کی ریل جاری ہے
---طاہر اسلم مٹھو بلاچ سرگودھا
خواہشوں کے بھی معیار ہوا کرتے ہیں کیسی خواہش
ہے کہ مٹھی میں سمندر ہوتا
---عبادت علی ڈی آئی خان
ہمیں تو موت سے پیار ہے زندگی کی کیا فائدہ یارو
زندگی تو وہ جیتے ہیں جن کے ساتھ جینے والا ہو
---ندیم عباس ڈھکو ساہیوال
میرے مالک کیا کمی ہے تیری خدائی میں عطا کر دے
مجھ کو بھی کوئی پیار کرنے والی
---ندیم عباس ڈھکو
وقت جو بدلا تو دنیا ہی بدل کر رہ گئی
خون کا رشتہ تھا جن سے وہ بھی بیگانے ہوئے
---عابد علی شاہ سانگلہ ہل

کفن میں لپٹی میری لاش کو دیکھ کر روتا نہیں دوستو
وہ فقط آخری ملاقات ہو گی مسکرا کر الوداع کہنا
---ندیم عباس ڈھکو ساہیوال
نہیں چھوڑ سکتے ہم دوسروں کے ہاتھ میں تم کو مہوش
واپس لوٹ آؤ نہ کہ ہم ابھی تک تمہارے ہیں
---غلام فرید حجرہ شاہ مقیم
کسی کی یاد میں اتنا بھی اداس نہ ہوا کرا ے دل لوگ
نصیب سے ملتے ہیں اداسیوں سے نہیں
---نصرت ساغر چیچہ وطنی
منزل تو مل ہی جائے گی بھٹک کر ہی سہی جاوید گمراہ وہ
نہیں جو گھر سے نکلے ہی نہیں
---آصف جاوید زاہد ساہیوال
اک عمر ہے جو تیرے بغیر بتانی ہے مہوش اک لمحہ ہے
جو تیرے بغیر گزرتا ہی نہیں
---غلام فرید حجرہ شاہ مقیم
یوں سیراب بن کر میرے خیالوں میں نہ آیا کرو میں
تمہیں بھول جانا چاہتا ہوں میرا من نہ جلایا کرو
---محمد آفتاب شاد دوکوٹہ
اس نے میرے زخموں کا کیا علاج کچھ اس طرح مرہم
بھی لگایا تو کانٹوں کی نوک سے
---آصف دیپالپور
ہوتی اگر محبت تو وہ پوچھتے ضرور حال ہم سے
ہم اتنے خوش نصیب کہاں کے کوئی ہم سے وفا کرے
---محمد قاسم گوجرانوالہ
میرے روٹھ جانے سے اب ان کو کوئی فرق نہیں پڑ
بے چین کر دیتی ہے تھی کبھی جن کو خاموشی میر
---غلام فرید حجرہ شاہ مق
دل پہ لکھا ہے تیرا نام ساحل کی ریت پر نہیں ا
موت جدا کر سکتی ہے انسان کے بس کی بات نہیں
---وقاص انجم جڑانو
ہر درد و غم کے افسانے بیاں نہیں ہوتے دکھوں کے
عیاں نہیں ہوتے دل زخمی ہے میرا تیرے پیار

جوتیوں لے جزائے ہم پہ مہرباں نہیں ہوتے
-----عابدہ رانی گوجرانوالہ

کتابوں سے دلیلیں دوں یا دل کو سامنے رکھ دوں وہ
مجھ سے پوچھ بیٹھے ہیں محبت کس کو کہتے ہیں
---تحمل حسین خان احمد پور شرقیہ

اس کے دل میں جگہ مانگی تھی مسافر کی طرح اس نے
تنہائی کا اکثر شہر میرے نام کر دیا
-------محمد زبیر شاہد ملتان

تیرا ہاتھ تھام کر پیار کی راہوں میں چلنا چاہتا ہوں
پھر خوشی ملے یا غم میرے اپنے نصیب ہیں
-------عابد شاہ جڑانوالہ

تیری رحمتوں پہ ہے فرق میرے ہر عمل کی قبولیت
نہ مجھے سلیقہ التجاہ ہے نہ مجھے شعور نماز ہے
----تنزیلہ حنیف پٹلہ جوگیاں

اپنے غم منانے کے انداز میں نرالے کبھی گنگنا لیا
کبھی شعر سنا دیا
---شہزاد سلطان کیف ،الکویت

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
،نا جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے
-----اقبال عالی رکن پورہ

میری خواہشیں بھی کچھ عجیب سی ہیں وہ مجھ سے نفرت
کرے تو کرے لیکن محبت کسی اور سے نہ کرے
-----خضر حیات روڑہ تھل

اپنی گلی میں اپنا ہی گھر ڈھونڈتے رہے ہم نجانے کیوں
دل کے شہر کا نقشہ بدل گیا
-----محمد اکمل کنڈ سرگانہ

عشق کو بھی عشق ہو تو پھر میں پوچھوں عشق سے کیسے
تڑپے کیسے روئے عشق اپنے عشق میں
-------فرواخان ملتان

خزاں بھری زندگی سے کبھی تو آؤ بہار کی طرح خشک
دل پہ برس جاؤ برسات کی طرح
-----سدرہ سیف گوجرانوالہ

لوگ کہتے ہیں تو مجھ سے جدا رہتا ہے بچپن کے دم کی تو
میرے دل میں رہتا ہے
-------سدرہ عمران چونیاں

درد سہنے کے عادی تھے ہم سم دنیا کی فطرت تھی ان کو ہر
ظلم خوشی سے برداشت کیا ہم نے کیوں کہ ہم کو ان
سے محبت تھی
-----عابدہ رانی گوجرانوالہ

میری ذات کی سب سے بڑی تمنا تھی کاش کہ وہ میرا
ہوتا میرے نام کی طرح
-------اکمل زخمی جھنگ

لاکھ کوشش کی مگر نکل ہی گئے گھر سے یوسف جنت سے
عادم اور تیرے دل سے ہم
-------ندا علی عباس سوہادہ

بھول جاؤں تمہیں یہ دل مانتا ہی نہیں
تجھ سے کتنی محبت ہے یہ دل بتاتا ہی نہیں
-------سدرہ عمران چونیاں

محبت کرنا جرم نہیں جو کی جائے اصول سے محبت تو خدا
نے بھی کی تھی اپنے رسول سے
-------کوٹھا کلاں کنگن پور

ساون کے ساتھ ساتھ اکثر بھیگ جاتی ہیں یہ آنکھیں
میری کاش اس موسم میں تو چھوڑ دیا ہوتا تیری یاد نے
-----بشارت علی پھول باجوہ

یوں خاک پلکیں جھکا دینے سے نیند نہیں آتی سوتے
وہی ہیں جن لوگوں پاس کبھی کوئی موسم نہ ہو
-----بشارت علی پھول باجوہ

خدا جانے یہ محبت ہے یا عقیدت ہے ہادی دیار دل
میں بہت احترام ہے تیرا
-------حماد ظفر ہادی گوجرہ

دنیا سے کچھ الگ ہے میرے دل کا مشغلہ میں
کانٹوں کو چومتا ہوں پھولوں کو جلانے کے لیے
-------حماد ظفر ہادی

روز روتے ہوئے وہ کہتی ہے زندگی مجھ سے
صرف اک شخص کی خاطر مجھے برباد نہ کر
-------لقمان حسن۔ڈیرہ اسماعیل خان

الجھا رہی ہے مجھ کو یہی کشمکش مسلسل
وہ آ بسا ہے مجھ میں یا میں اس میں کھو گیا
-------لقمان حسن۔ڈیرہ اسماعیل خان

کفن کی گرہ کھول کے میرا دیدار تو کرلو
بند ہوئیں وہ آنکھیں جن کو تم رولایا کرتی تھی
-------لقمان حسن۔ڈیرہ اسماعیل خان

مثل شیشہ ہیں ہمیں تھام کے رکھنا ایس
ہم تیرے ہاتھ سے چھوٹے تو بکھر جائیں گے
-------ساجد انصاری۔جلالپور بھٹیاں

ہم تو پھول کی ان پتیوں کی طرح ہیں ایس
جنہیں خوشی کی خاطر لوگ قدموں میں بچھا لیتے ہیں
-------ساجد انصاری۔جلالپور بھٹیاں

سوکھے پتوں کی طرح بکھرے ہیں ہم تو ایس
کسی نے سمیٹا بھی تو جلانے کیلئے
-------ساجد انصاری۔جلالپور بھٹیاں

عارف رفتہ رفتہ تیری آنکھ جس سے لڑی ہے
جس سے لڑی ہے وہ دور رہتی ہے
-------سید عارف شاہ۔جہلم

ٹوٹی قبر پر بال بکھیرے جب کوئی مہ جبین روتی ہے
اکثر مجھے خیال آتا ہے موت کتنی حسین ہوتی ہے
-------سید عارف شاہ۔جہلم

فکر معاش ۔ماتم جاناں اور غم دل
آج سب سے معذرت کہ موسم حسین ہے
-------محمد وقاص احمد حیدری۔سہگل آباد

دل کا روگ تھا نہ یادیں تھیں نہ ہی یہ سحر تھا
تیرے پیار سے پہلے نیندیں بڑی کمال کی تھیں
-------محمد وقاص احمد حیدری۔سہگل آباد

عطر کی شیشی گلاب کا پھول
کا شہزادہ خدا کا رسول ﷺ

-------افنان محمود رکن

تاروں میں چمک پھولوں میں رنگت نہ رہے گی
ارے کچھ بھی نہ رہے اگر محمد ﷺ کا میلاد نہ رہے گا
-------افنان محمود۔رکن

ادھر آ ستم گر ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں
-------محمد علی چھترو۔آزاد کشمیر

آج کیوں کوئی شکوہ یا شکایت نہیں مجھ سے
تیرے پاس تو لفظوں کی جاگیر ہوا کرتی تھی
-------محمد علی چھترو۔آزاد کشمیر

کن لفظوں میں بیان کروں اپنے دل درد کو علی
سننے والے تو بہت ہیں سمجھنے والا کوئی نہیں
-------محمد علی چھترو۔آزاد کشمیر

ہم جیسے برباد دلوں کا جینا کیا مرنا کیا
آج تیرے دل سے نکلے ہیں کل دنیا سے نکل جائیں
-------محمد علی چھترو۔آزاد کشمیر

یہ شرط محبت بھی عجیب ہے وصی
میں پورا اتروں تو وہ معیار بدل دیتے ہیں
-------وقاص اینڈ شہزاد۔گوجرہ

آنکھوں میں حیا ہو تو پردہ دل کا ہی کافی ہے راجہ
نہیں تو نقابوں سے بھی ہوتے ہیں اشارے محبت کے
-------راجہ کامران راجو۔کسووال

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے پاس رہنے دو
نجانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے
-------رخسار احمد۔کوٹھا صوابی

کبھی نہ ٹوٹنے والا حصار بن جاؤں
تو میری ذات میں رہنے کا فیصلہ تو کر
-------سنبل خان۔کوٹھا صوابی

خوش رہنا بھی چاہوں تو رہ نہیں سکتا
کیونکہ غموں نے میرے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے
-------محمد عدنان۔بہار لنگر

میں کیا خود سے اسے پکاروں کہ لوٹ آ

بچھڑا ہے خبر نہیں کہ میرا دل نہیں لگتا اس کے بغیر
نسیم۔کنکن پور

ہر روز ہم اداس ہوتے ہیں اور شام گزر جاتی ہے
اک روز شام اداس ہوگی اور ہم گزر جائیں گے
اختر علی۔صوابی

میں نے پوجا ہے تجھے تیری عبادت کی ہے
تجھ کو چاہا ہے قسم تم سے محبت کی ہے
عبادت علی۔ڈی آئی خان

تو اشک بن کر میری آنکھوں میں سما جا
میں آئینہ دیکھوں تو تیرا عکس بھی دیکھوں
جو نیازی رہے خواب میں آنے سے بھی خائف
آئینہ دل میں اسے موجود ہی دیکھوں
اسد شہزاد۔گوجرہ

آنکھوں کی طرح راز ہے کھلتا بھی نہیں
وہ سیلاب بھی بن جاتا ہے دریا بھی نہیں
اس مخلص کے پہلو میں سکوں کتنا ہے
جب کہ گرجائیں مندر نہیں کعبہ بھی نہیں وہ
عائشہ رحمن۔کبیروالا

تیرے حسن کا روپ چھا گیا پھولوں کی خوشبو میں
مت چھپ اپنا چاند سا چہرہ اپنی کالی زلفوں میں
سید عارف شاہ۔جہلم

زندگی کے حسین سفر میں انسان بدل جاتے ہیں
ساتھی دامن چھڑا کے کہیں دور نکل جاتے ہیں
محسن عزیز حلیم۔کوٹھ کلاں

کون کہتا ہے تیری چاہت سے بے خبر ہوں
بستر کی ہر شکن سے پوچھو کیسے گزرتی ہے رات
محسن عزیز حلیم۔کوٹھ کلاں

مت بہاؤ آنسو بے قدروں کیلئے
جو لوگ قدر کرتے ہیں وہ رونے نہیں دیتے
مرزا عامر نوید۔منڈی بہاؤالدین

اسی کا شہر وہی مدعی وہ منصف
ہمیں یقین تھا قصور ہمارا ہی نکلے گا
تنزیلہ حنیف۔ٹلہ جوگیاں

یوں تیری چاہتیں سنبھال رکھی ہیں
جیسے عیدی ہو میرے بچپن کی
صدا حسین صدا کیلا کے

دل کی دھڑکن تو فقط ہوش کا تقاضا ہے
یہ دنیا تو سانس لینے کی اجازت نہیں دیتی
رانا بابر علی ناز۔لاہور

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
پرنس عبدالرحمن گجر۔عین رانجھا

ساری زندگی تنہائیوں کی نظر ہوگئی
تمام عمر غموں میں بسر ہوگئی
کیا دیا ہمیں اس زندگی نے
خوشیاں ملی تو دکھوں کو خبر ہوگئی
عابدہ رانی۔گوجرانوالہ

لذت گناہ کی خاطر ہار دی تھی جس نے جنت ہادی
میری رگوں میں بھی اس آدم کا خون ہے
مریز بشیر گوندل گوجرہ

اس نے سمجھا ہی نہیں نہ سمجھنا چاہا
میں چاہتا بھی کیا تھا اس سے اسکے سوا
تنزیلہ حنیف ٹلہ جوگیاں

کسی کے چلے جانے سے کوئی مر نہیں جاتا
بس زندگی کے انداز بدل جاتے ہیں
قمر اعجاز گوندل گوجرہ

میں سجدوں میں تیری عافیت کی دعا مانگوں گا
سنا ہے خدا بیوفاؤں کو معاف نہیں کرتا
غلام فرید جاوید۔حجرہ شاہ مقیم

ہوتی ہوگی میرے بوسے کی طلب میں پاگل آکاش
جب بھی زلفوں میں پھول سجاتی ہوگی
رائے اطہر مسعود آکاش

میرے وعدوں کو اس نے مذاق سمجھا
میرے پیار کو اس نے جذبات سمجھا

اپنے پیاروں کے نام شعر

ندیم عباس ڈھکو کے نام
تیری وفا کو ہم نے بھلایا کب تھا
درد جدائی کا دل سے مٹایا کب تھا
بھلا کر بھول جانا تیری عادت تھی
ہم نے تیرے سوا کسی اور کو دوست بنایا کب تھا
محمد وقاص ساگر۔فیروزہ

صدا حسین صدا کے نام
رابطے ضروری ہیں اگر رشتے بچانے ہیں
لگا کر بھول جانے سے یہ پودے سوکھ جاتے ہیں
ایس ناز آزاد کشمیر

سب کے نام
زندگی میں اتنی غلطیاں نہ کرو
کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہوجائے
تنزیلہ حنیف۔ٹلہ جوگیاں

غلام عباس ساغر کے نام
اے زرا میری ایک امانت رکھنا
اگر میں مر گیا تو میرے دوست کو سلامت رکھنا
سہیل جبار سرسرائے

کائنات کے نام
چلو دیکھتے ہیں خود کو برباد کرکے بھی
کہ بربادیوں میں کون ہمارا بنتا ہے
بنا پھل کے درختوں کو کاٹ دیا جاتا ہے
کسی بے سہارا کا یہاں سہارا کون بنتا ہے
خلیل احمد ملک۔شیدانی شریف

قارئین کے نام
زندگی میں جو چاہو حاصل کرلو مگر
اتنا خیال رکھنا کہ آپ کی منزل کا راستہ کبھی
لوگوں کو توڑتا ہوا نہ گزرے
وقار یونس ساگر۔چیچہ وطنی

ایس کراچی کے نام
تم کو جان سے پیارا بنالیا
دل کو سکون آنکھوں کا تارا بنالیا
اب تم ساتھ دو یا نہ دو تمہاری مرضی
ہم نے تمہیں زندگی کا سہارا بنالیا
غلام عباس ساغر۔جمیل آباد

سلمان سندھو کے نام
پھول درخشندہ تو ہے دیکھنے میں مگر
سلمان بہت دکھ ہوا اسے برگ گل کی جدائی کا
ذیشان علی سمندری

فاطمہ طفیل طوفی کے نام
خدا سے سب کچھ مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اب اٹھتے نہیں ہاتھ اس دعا کی بعد
حکیم طفیل طوفی۔الکویت

جمشید پشاوری کے نام

تجھ کو پانے کی تمنا مٹادی ہم نے
ل سے لیکن تیرے دیدار کی حسرت نہ گئی
فنکار شیر زمان پشاوری

کسی اپنے کے نام

لفظوں کی بناوٹ ہم کو نہیں آتی
کثرت سے یاد آتے ہو سیدھی سی بات ہے
تنزیلہ حنیف۔ٹلہ جوگیاں

اشفاق بٹ کے نام

زہر سے زیادہ خطرناک ہے یہ محبت
کہ اس میں انسان مرمر کے جیتا ہے
رانا بابر علی ناز۔لاہور

صدا حسین صدا کے نام

وہ جو روٹھا ہوا ہے مدت سے
کاش وہ آن ملے عید کے دن
عمران شہزادلاہور

ایس کے نام

یہ ٹھیک ہے نہیں مرتا کوئی جدائی میں
خدا کسی کو مگر کسی سے جدا نہ کرے
پرنس عبدالرحمٰن۔نین رانجھا

کسی اپنے کے نام

بے چین رہی ہے ہردم میری نظر
ڈھونڈتی ہے تجھے ہر جگہ ادھرادھر
نظر آئے تھے ہرگھڑی تو ہی تو
دیکھتی ہوں میں جدھر بھی جدھر
عابدہ رانی۔گوجرانوالہ

دوست کے نام

ہجر لازم ہے تو پھر وصل کا وعدہ کیا
یہ خزاں رت پہ بہاروں کا لبادہ کیا
زخم دے کر نہ تم درد کی شدت پوچھو
درد تو درد ہے کم کیا زیادہ کیا
آمنہ شہزادی۔جہانیاں

حماد ظفر کے نام

خدا نہ کرے آپ کو غم ملے
ہنسی خوشی آپ کو ہردم ملے
جب بھی آئے کوئی بھی غم آپ کی طرف
دعا ہے کہ اس کو راستے میں ہم ملیں
قمر اعجاز مریز بشیر۔ملکوال

سویٹ اے کے نام

نہ میری دعا نے سفر کیا
نہ میرے آنسوؤں نے اثر کیا
تجھے مانگ کے تھک گئے
میرے ہونٹ بھی میرے ہاتھ بھی
رائے اطہر مسعود اکاش

ایس کے نام

بھلادوں گا تمہیں بھی ذرا صبر کرو
رگ رگ میں بسے ہو کچھ وقت تو لگے گا
رانا نذر عباس۔منڈی بہاؤالدین

مجید کے نام

بعد مرنے کے بھی اس نے نہ چھوڑا دل جلانا محسن
اور ساتھ والی قبر پہ پھول پھینک جاتا ہے
محسن علی طاب ساہیوال

آپ کے خطوط

اسلام علیکم۔۔ممبران خوفناک اور رائٹر اینڈ ریڈرز کیسے ہیں آپ سب اور سب کو ربیع الاول کا مہینہ مبارک ہم سب مسلمانوں کے لیے تو نیا سال یہی ہوتا ہے اور ہم اسلام سے ہٹ کر نیو سال جنوری کی بہت مبارکیں دیتے ہیں مگر بہت کم لوگ ہیں جو اسلامی مہینے میں کسی کو وش کرتے ہوں گے خیر میری طرف سے سب کو نیا سال مبارک ویسے بھی دونوں ہی وش ہو رہے ہیں جنوری اینڈ ربیع الاول۔اس کے بعد میرے رائٹر گروپ کے شوقین حضرات ویلکم آپ سب کو جی آیا نوں رونقاں لگ گئیاں نیں جی ۔ویسے بھی سر ریاض احمد بہت بہت شکریہ میرے کارکن کو جواب دینے کا بہت خوشی ہوئی آپ نے رائٹر گروپ کو ویلکم کہا اور ادنیٰ سے انسانوں کو ایک اعلیٰ مقام دے دیا بہت بہت شکریہ۔ماہی راجپوت بہت شکریہ آپ نے تعریف کی۔ندیم بھائی تھینکس آپ کا سٹاف بھی بہت محنت کر رہا ہے اور اللہ سے دعا ہے کہ اللہ آپ کو کامیاب کرے آمین بس ہمارے خوفناک کے پودے کو محنت کا پانی دیتے رہیں انشاء اللہ پھل ضرور ملے گا اور بہت بہت مبارک ہو آپ کی کہانیوں کی۔قم قم نشاد میرج مبارک اب لوٹ آؤ اور آکر دیکھو تو کتنی رونق ہے اس خوفناک کی سجی ہوئی محفل میں جلدی سے کہانی لکھ کر بھیج دیں۔رخسانہ حبیب آپ تو بہت کچھ جانتی ہیں واؤ ماشاءاللہ بہت شکریہ انفارم کرنے کا اور ویلکم ٹو رائٹر گروپ۔مصباح اکرم تھینک یو۔ابوہریرہ بھائی بہت شکریہ تعریف کرنے کا آپ بھی بہت اچھا لکھ رہے ہیں اور آپ کو بھی بہت بہت مبارک ہو۔آپ اپنے شاہین گروپ کے لیے زیادہ سے زیادہ محنت کریں۔شمائلہ جی کیسی ہیں آپ بہت خوشی ہوئی آپ نے میرے رائٹر گروپ کو سراہا اور اس میں آنے کی پیشکش کی آپ کی درخواست منظور ہو چکی ہے اب اگر کہانی لے کر نہ آئی تو دیکھنا ایک جن آپ کے پیچھے لگادوں گی یا پھر خود آپ کے گھر آجاؤں گی آپ کو پتا بھی ہے میرا۔بس جلدی سے ایک بہت پیاری سی کہانی اپنے جیسے پری کی۔صوفیہ ادریس سویٹی آپ بھی نکل آئی میں سمجھی آپ نے خوفناک پڑھنا چھوڑ دیا ہوگا بہت خوشی ہوئی آپ نے بھی رائٹر گروپ کو وش کیا۔۔ویسے قارئین زیادہ اہمیت تو رائٹروں کو ملے گی نا کیونکہ یہ گروپ تو رائٹروں کا ہے اور باقی جو جو بھی وش کر رہے ہیں ان کا شکریہ باقی خط بہت لمبا ہو گیا ہے اس بار اتنا ہی کافی ہے اور آئندہ ماہ پھر نئے لیٹروں کے ساتھ انٹری دیں گے اللہ نگہبان۔۔

کشور کرن پتوکی

اسلام علیکم۔ایمان فاطمہ اور محمد ابرار منڈی بہاولدین سے لکھتے ہیں کہ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے بالکل ہماری طرح تمام رائٹرز حضرات اور خوفناک کو محبتوں بھرا اسلام بے شک سب بہت زبردست لکھ رہے ہیں پہلے کی طرح لیکن کچھ ماہ سے خوفناک لڑائی کا میدان بنا ہوا ہے وارث آصف کی

افواہوں کی وجہ سے میری رائے ہے کہ جو اس وقت ان بے ہودہ افواہوں میں ویسٹ کیا جاتا ہے اسے خوفناک کی ترقی کے لیے استعمال کریں اور دوسروں کی لائف میں انٹرفیئر کرنے سے کچھ نہیں ملتا سو اچھا بولو اور اچھا سنو اور انکل ریاض سے گزارش ہے کہ وہ ایسے معاملات میں خود ایکشن لیں بذات وہ خود ایڈیٹر خوفناک ہیں سٹوریوں میں سب سے پہلے اپنے بھائی ندیم عباس کی سٹوری پر تبصرہ کروں گی واہ بھائی ندیم ویری ویلڈن بہت خوب اور تہہ دل کی انتہا گہرائیوں سے آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں آپ نے اپنی سٹوری میرے نام کر کے مجھے عزت بخشی بہت بہت شکریہ بھائی ندیم اللہ آپ کو صحت عطا فرمائے آمین اور آپ ایسے ہی لکھ کر خوفکان کی محفل میں چار چاند لگائیں اور میری سب سے پسند مصباح کریم میواتی۔ انعم شہزادی۔ فرخندہ جبیں۔ بھائی نادر شاہ۔ ابو ہریرہ بلوچ۔ سب کو سلام امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے اور دولت کے پجاری راجپوت ویری گڈ زبردست تھی امید ہے آگے بھی آپ ایسے ہی لکھیں گی ہمارے بھائی نے تو شاہین گروپ کا نام روشن کر رکھا ہے اور تمام گروپ ممبران بھی اچھا لکھ رہے ہیں اب اجازت چاہوں گی پھر ملیں گے بریک کے بعد۔

ایمان فاطمہ اینڈ ابرار منڈی بہاؤ الدین۔

اسلام علیکم۔ خوفناک کے تمام شاف اور رائٹرز اینڈ نئے لکھاریوں کو میری طرف سے اسلام وعلیکم امید ہے سب خیریت سے ہوں گے ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے اسلامی صفحہ سے والدین کی خدمت بہت خوب لکھا ویری گڈ جتنی تعریف کی جائے کم ہے حماد ظفر ہادی۔ بہت زبردست لکھا آپ نے بیشک یہ دیا ادلے کا بدلہ ہے جیسا کرو گے ویسا بھرو گے آج جو ہم اپنے والدین کے ساتھ کریں گے کل ہمارے ساتھ بھی ویسا ہی ہوگا اور شاید آپ کی اس تحریر سے بہت سے کم عقل بیٹوں کو ہدایت آ جائے اور وہ اپنے والدین کو اولڈ ہوم بھیجنے کے بجائے اپنے گھر کی زینت بنا کے رکھیں اب میرے گروپ کے ممبرز کو محبتوں بھرا اسلام نئے آنے والوں کو ویلکم دل کی انتہا گہرائیوں سے فرخندہ جبیں بہاولپور ویری ویری مس یو ڈولی جانتی ہو آپ کو بھی بہت مس کرتی ہوں اور ایمان فاطمہ جی گجرات تشریف لے آئیں گے پھر بازو تڑوانے کا ارادہ ہے ہاہاہاہا۔ سٹوریوں میں سب سے پہلے شاہین گروپ کے ہیڈ ندیم عباس میواتی چوکی کے خونی صحرا پارٹ تو بہت بہت زبردست تھی آپ نے الفاظ بہت مشکل سے ڈھونڈ کے لائی ہوں قبول فرمائیے گا سٹوری کے کچھ اور الفاظ مٹھاس سے بھرپور تھے بہت اچھے ویری ویلڈن اینڈ بیسٹ آج فور نیکسٹ سٹوری آپی سلمیٰ۔ مس یو امید ہے آپ اور آپ کی فیملی خیریت سے ہوں گی سب کو سلام اور بچوں کے لیے بہت زیادہ پیار۔ وعلیکم اسلام۔ ماہی راجپوت آپ کو بھی محبتوں بھرا اسلام آپ کی سٹوری دولت کے پجاری بہت اچھی کہانی تھی آپ نے کافی اچھے الفاظو میں شارٹ کی اور اینڈنگ بھی زبردست تھا ویری گڈ ایسے ہی اور اس سے بھی بہتر لکھیں خدا آپ کی مدد کرے آمین میں تہہ دل سے شاہین گروپ کے ممبرز کا شکریہ ادا کرتی ہوں جو اپنا قیمتی وقت سٹوریز کے لیے نکال کر گروپ کا نام روشن کرتے ہیں میں جانتی ہوں گروپ کو شکایت ہے کہ میں سٹوری نہیں لکھ رہی ہوں کچھ مصروفیات کی وجہ سے ایسا ہے اب تو سٹڈی بھی آ گئی ہے درمیان میں لیکن پھر بھی ٹرائی کروں گی کے اپنے گروپ اور

فناک کے لیے کچھ لکھ سکوں بہت بہت تھینکس نشا سسٹر ہمیں اتنی عزت بخشنے کے لیے اب اجازت ہوں گی انشاء اللہ نیکسٹ ٹائم پھر حاضر ہوں گی نئے تبصروں کے ساتھ دعا ہے خدا آپ کو ترقی عطا فرمائے ر آخر میں ریاض انکل کا شکریہ یہ ہمارے گروپ کا سپوٹ کرنے کے لیے اور ہم جانتے ہیں انکل جان پ جس گروپ میں مرضی چلے جائیں آپ کے لیے سب ہی برابر ہیں۔

انعم شہزادی گجرات۔

اسلام علیکم امید کرتا ہوں خوفناک کی پوری ٹیم خیریت سے ہو گی میں خوفناک کا پورا قاری ہوں صروفیات کی وجہ سے کچھ عرصہ خوفناک میں حاضری نہ دے سکا دراصل کچھ فرینڈز کی مجھے ریکویسٹ ملتی ہتی ہیں کہ آپ خوفناک میں اپنا نمبر بھی دیا کریں تو میں ریاض انکل سے اس سلسلے میں بات کی ہے اب را نمبر میری نیکسٹ سٹوری کے ساتھ شائع ہوگا جن میری بہنوں اور بھائیوں نے میری سٹوری کی ریف کی ان کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں میری بہن نشاء شہزادی تھینکس سسٹر کشور کرن جی میں آپ ے گروپ میں اپلائی کرنا چاہتا ہوں مجھے آپ کے گروپ میں جگہ ملے گی ویری نائس گروپ آپ کا گروپ ہے۔ میرے ننھے فرینڈ طاہر عباس اور نادر شاہ خوفناک میں حاضری دیں پلیز اور ساتھ میں فناک کی ہیڈ رائٹر رابعہ ارشد آپ کدھر غائب ہیں پلیز جلدی حاضری دیں آخر میں میری طرف سے فناک پڑھنے اور لکھنے والوں کو سلام اب اجازت چاہوں گا اللہ حافظ۔

از میر اعوان گل ڈھوک

اسلام علیکم۔ طاہر عباس شجاع آباد سے میری طرف سے تمام قارئین رائٹرز اور خوفناک کے پورے ٹاف کو سلام قبول ہو سب سے پہلے انکل ریاض کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری دونوں سٹوریاں ائع کی ہیں ستمبر میں مصباح اور ندیم کا خط نہیں تھا پلیز انکل جان ان کے خطوط ہر ماہ شائع کیا کریں لی جادوگر۔ پراسرار حویلی۔ ناگن کی تلاش۔ نمبر ون سٹوریاں تھیں میری طرف سے بہت بہت بارک ہو ان کے علاوہ سبز آنکھیں۔ کالا جادو۔ دوسرے نمبر پر تھیں اور چار سٹوریاں پہلے سے شائع شدہ یں کوئی چاند رکھ میری شام پر۔ بھائی عاصم آپ کی سٹوری بھی اچھی ہے آنٹی ماروی کا کردار بہت اچھا ہے خطوط کی محفل میں آصفہ راجپوت۔ رابعہ پری یعنی پری دیوی۔ عثمان بلوچ۔ نادر شاہ اینڈ صائمہ فرخندہ جبیں۔ انعم شہزادی۔ اور ایمان فاطمہ کے خطوط بہت اچھے تھے پلیز کاشف عبید۔ قاسم رحمان از میر اعوان۔ شاہد رفیق۔ وغیرہ اسد شہزاد آپ کا بھی خطوط کی محفل میں انتظار ہے وارث آصف نے جو شاہین گروپ کے بارے میں باتیں کی ہیں ان کا ہمیں جواب دیا جائے ورنہ ہم سب رسالہ چھوڑ دینگے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا اس کے بعد سب کو سلام۔

طاہر عباس شجاع آباد

اسلام علیکم۔ جب کتوبر کا شمارہ مجھے ملا تو یہ دیکھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ ٹائٹل پر میری کہانی کا نام تھا ساری کہانیاں ہی بہت اچھی تھی وارث آصف کی کہان بازیگر کی یہ عالی قسط اچھی تھی آر کے ریحان خان کی کہانی ڈر کے آگے جیت تھی پلیز آخری قسط میں ہیرو اور ہیرون کو الگ مت کیجئے گا خواجہ عاصم کی

کہانی کوئی چاند رکھ میری شام پر کہانی بہت اچھی تھی شاہد رفیق کی کہانی خوفناک جن اور عثمان غنی کی کہانی تیراراستہ چھوڑوں ناں کی اگلی قسط کا انتظار رہے گا کچھتاوہ کہانی جو کہ فاطمہ کرل کی یہ کہانی بھی بہت اچھی ہے کامران شکیل۔ شکیل احمد ارم ارسہ۔ احسان سحر۔ کاشف عبید کاوش۔ قاسم رحمان۔ کی اس رسالے میں شائع ہونے والی کہانیاں بھی کمال کی کہانیاں تھیں محمد ندیم عباس میوانی پتوکی۔ انعم شہزادی گجرات۔ صائمہ بہاولپور۔ ابو ہریرہ بہاولنگران سب کا بہت شکریہ کے سب نے میری کہانی کی تعریف کی ہے اور اس سے مجھے اور لکھنے کا حوصلہ ملا ہے نومبر کے رسالے میں بھی کہانیاں اچھی تھیں آر کے ریحان خان کی سٹوری ڈر کے آگے جیت بہت اچھی تھی آپ کی یہ سٹوری اور خوفناک کی لکیر دونوں ہی مجھے ایک ڈرامے کی یاد دلاتے ہیں اس رسالے کی سٹوریاں خوفناک کی جن میں تیراراستہ چھوڑوں ناں کی آخری قسط بھی بہت اچھی تھی دولت کے پجاری۔ کوئی چاند رکھ میری شام پر روح کی کہانی پری دیوی۔ یہ کہانیاں بہت اچھی تھیں خونی صحرا پارٹ ٹو جو کہ ندیم عباس میوانی اور اسی سٹوری کا پارٹ ون بھی بہت اچھا تھا ڈر کی پہلی قسط بھی اچھی تھی میری طرف سے سب پڑھنے والوں کو سلام۔

ماریہ مسعود بانٹھ

اسلام علیکم۔ کے بعد عرض یہ ہے کہ سب خیریت سے ہونگے سب سے پہلے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو میرا خط پورا شائع کیا امید ہے آپ اس مرتبہ بھی پورا خط شائع کریں گے انکل جی اس ماہ ندیم عباس میوانی مصباح کریم میوانی اور ابو ہریرہ کے خط شائع نہیں ہوئے میں نے تینوں سے بات کی ہے انہوں نے کہا کہ خط تو سینڈ کر دیئے تھے پھر شائع کیوں نہیں ہوئے ان کے بغیر تو خوفناک ادھورا سا ہے پلیز ایسا مت کریں آئندہ ماہ ان کے خط ہونے چاہیے سب سے پہلے پراسرار حویلی پڑھی جو کہ آپی ماریہ مسعود بانٹھ نے لکھی تھی میری طرف سے مبارک ہو آپی جی آپ کو اس کے بعد اپنے پیارے دوست طاہر عباس کی دونوں سٹوریاں پڑھیں بہت اچھی لگیں یعنی سب سے اچھی شمارے میں آپ کی سٹوریاں تھیں خاص طور پر میرے سی بوائے کا کردار اور ہاں نئی سٹوری جلدی لکھو اور پھر تو ایک سٹوری پر نظریں پڑے ہی جم گئیں رائٹر کا نام پڑھا بہت خوشی ہوئی اتنی کہ آج سے پہلے کبھی نہیں ہوئی پیارے سے بیٹھے سے دوست قاسم رحمان کی ناگن کی تلاش اتنی اچھی سٹوری کمال کر دیا آپ نے تو تھینکس فرینڈ جی مجھے یاد کرنے کے لیے بہت پسند آئی آپ کی سٹوری آپ کے شہر میں آئے تھے ہم مگر نمبر نہ ہونے کی وجہ سے بات نہیں ہوئی خیر کوئی بات نہیں پھر کبھی۔ کالا جادو ایس مصباح اکرم آپ کی سٹوری نے بھی کافی خوش کیا بہت اچھی لگی پر آپ براد ہو سسٹر پلیز بتانا ضرور۔ سبز آنکھیں کائنات شہزادی کی سٹوری میں ندا کا کردار بہت پسند آیا اب بات ہو جائے شائع شدہ کہانیوں کی خونی چڑیل عدنان عاشق کی سٹوری پہلے بھی خوفناک میں چھپ چکی ہے خوفناک سایا مسٹر سلیم اختر کی سٹوری دو ہزار تیرہ میں شائع ہو چکی ہے موت کا سایہ ساحل دعا بخاری کی موت کی دستک کے نام سے جنوری دو ہزار چودہ میں شائع ہوئی ہے لوگ مسٹر کامران شکیل کی راہ حق کا مسافر کے نام سے جنوری چودہ میں شائع ہو چکی ہے اس کے علاوہ حسن کا جادو محمد سلیم اختر کی موبائل کارٹون میں موجود ہے جیسے ہمارے گھر میں بچے بڑے شوق سے دیکھتے ہیں انکل جی چار سٹوریاں شائع شدہ ہیں آخر کیوں۔ انکل جی پلیز دوسرے رائٹرز حضرات کو بھی جگہ دیں اور پلیز دوستو جو سٹوری ایک بار شائع ہو جائے اسے دوبارہ مت بھیجا کریں ایسا کرنے سے پرہیز کریں اور جو رائٹرز حضرات غائب ہیں پلیز واپس آ جائیں خالد شاہان۔۔ خوشبو سلیم قادری۔ اقراء لاہور۔ شہاب شیخ۔ نیلم خاتون۔ مہر النساء۔ زیب النساء۔ عمران رشید۔ رابی خان۔ سکندر حبیب۔ کوثر اسماعیل۔ تم تم نشاد۔ عائشہ سحر عرف فری۔ سونیا لطیف۔ انیلا غزل ابناس سعادت۔ اشرف۔ آمنہ کنول۔ افرا ناز۔ کاشف عبید۔ ذکر۔ عثمان غنی۔ علی نصیب۔ غلام جی ساغر۔ ایس امتیاز۔ اور بہت سارے دوست ہیں پلیز جلدی واپس آ جائیں ہاں تو میرے ہیرو اسد شہزاد آپ کہاں گم ہو یاد ہے مجھے آپ نے ہی لکھنے پر مجبور کیا تھا ورنہ تو صرف پڑھتا تھا۔ اور میری جان میرا خط پڑھتے ہی واپس آ جاؤ۔ اور راز میر جی جلدی سے رابی سے مل جاؤ تک مجھے سکون ہو۔ شاہد رفیق آپ تو بہت بیزی ہو نا اور یار کچھ تو خیال کرو ہمارا۔ کاشف عبید آپ کہاں گم ہو پلیز یار لوٹ آؤ اس کے علاوہ ظفر۔ معاویہ۔ واجد حسین سہو۔ شہزاد ملک آ رائیں۔ ماجد اقبال عرف عروشی۔ اصغر علی یوسف۔ تنویر بولا۔ اور میری جان نشاء اینڈ صائمہ آ جاؤ میرے پاس مجھے تمام دوستوں کے خطوط کی محفل میں انتظار رہے گا۔ اور شاہین گروپ میں آپی فرخندہ میں تو آپ کو بہت یاد کرتا ہوں میں نے ہر خط میں آپ کا نام لکھا ہے پر میرا کوئی خط بھی پورا شائع نہیں ہوا سوائے دسمبر کے انکل جی میری بات کا جواب ضرور دینا اگر جواب نہ دیا تو ہمارا گروپ خوفناک کو چھوڑ دیگا وارث آصف نے جو باتیں ہمارے گروپ کے بارے میں کی ہیں ان کا ہمیں جواب چاہئے میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ آصف اتنی گھٹیا سوچ کا مالک ہے جن کے بارے میں اس نے باتیں کی ہیں آل ریڈی میں نے ان تمام سے بات کی ہوئی ہے ہم نے ایک اچھا دوست سمجھ کر اسے اپنے گروپ میں شامل کیا تھا لیکن اس کی اصلیت کا پردہ تو آپی مسکان ایوب نے چاک کیا ایک تو انکل جی اگر آپ نے جواب نہ دیا تو ہمارا شاہین گروپ رسالہ چھوڑ دے گا اس کے بعد شاہین گروپ کے لیڈر ندیم عباس۔ مصباح کریم۔ انعم شہزادی۔ ایمان فاطمہ۔ ماہی راجپور۔ سلمیٰ۔ آپی نادیہ۔ اقراء۔ راشدہ۔ ماہ نور۔ آمنہ۔ فرخندہ۔ پیا سحر۔ عثمان بلوچ۔ ابو ہریرہ۔ احسان سحر۔ طاہر عباس۔ ظفر۔ صائمہ۔ نشاء۔ سہیل اختر۔ یوسف وغیرہ۔ سب کو سلام اس بار انکل جی میری سٹوری لگا دیں اس ماہ میں شیطانی محل کا راز کا ایک حصہ بھیج رہا ہوں اور اسلامی صفحہ اور کچھ اشعار وغیرہ بھی پلیز دل کرے تو شائع کر دینا اور میرے خطوط کا جواب ضرور دینا اس کے بعد سب کو سلام۔

ایم نادر شاہ۔ شجاع آباد ملتان

محترم ایم نادر شاہ آپ کی اطلاع ہمیں موصول ہو چکی ہے اور ہم نے آپ کی اس بات کا جواب دے چکے ہیں ہم سے یہ جواب اس سے پہلے ہی طلب کر لیا گیا تھا جو کہ ہم دے چکے ہیں اور رہی بات لیٹر شائع کرنے کی جو بات ادارے کو مخاطب کر کے کی جائے وہ ہم پڑھ لیتے ہیں اور جوابات خطوط اور قارئین کے لیے ہو ہم وہ شائع کرتے ہیں کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں جو ہمیں شاٹ کرنی پڑتی ہیں اور اس بار آپ کے شاہین گروپ میں سے کسی کا لیٹر بھی ہمیں موصول نہیں ہوا جو لیٹر ملے وہ سب کے سب شائع

ہو گئے ہم کسی کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں کرتے اور نہ ہی کسی کا لیٹر باقی رکھتے ہیں سب کے سب شائع کر دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ریاض احمد لاہور

اسلام علیکم اتوار کی شام بازار میں چکر لگا تو خوفناک نے اپنا دیدار کروایا اتنا اچھا سرورق رسالے کی رونق بڑھا رہا تھا یہ دیکھ بے حد افسوس ہوا اتنے اچھے رسالے سے دور رہا وہ بھی دو ماہ اگر میرا بس چلے تو کبھی بھی غیر حاضری نہ کیا کروں مگر ہا[illegible] پبال لگنے کی وجہ سے اتنا عرصہ دور رہنا پڑا بہت سے نئے رائٹر جلوہ بکھیرے ہوئے ہیں بہت خوشی ہوئی میں ان سب کو ویلکم کہتا ہوں اللہ کرے ایسے ہی یہ رسالہ لوگوں کے دلوں پر راج کرتا رہے بہت سے دیوانے ہیں خوفناک کے جب میں نیا نیا پڑھتا تھا تو خوفناک سے پسینے چھوٹ جاتے تھے مگر اب سب خوفناک ڈر ختم ہو گیا ہے ڈراؤنی فلمیں بھی دیکھنی چاہئے مگر اب سائنس دانوں نے نیا شوشہ اڑایا ہے کہ ڈراؤنی فلمیں دیکھنے سے خون منجمد ہو جاتا ہے اب رخ کرتے ہیں رسلے کی طرف تو سب سے پہلے رائٹر گروپ کی لیڈر آپی کشور کرن جی کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کچھ ہی مہینوں میں یہ گروپ سب سے کامیاب گروپ ہو جائے گا آپی کشور کرن جی میں بھی آپ کے گروپ میں آنا چاہتا ہوں امید ہے کہ آپی جی آپ مجھے ویلکم کہیں گی تو یہ میرے لیے زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہو گی انکل ریاض احمد میں نے بہت سی کہانیاں لکھ کر رکھی ہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں وہ ارسال کردوں اب سے سب تنقید بند اچھا انسان بننا ہے مجھے سب کے دلوں میں جگہ بنانی ہیں یہی کچھ مجھے میرے ماں باپ نے سکھایا ہے شاید میری غلطی کی وجہ سے میری کہانیاں شائع نہیں ہو رہی اب انشاء اللہ ہر ماہ باقاعدگی سے حاضری دیا کروں گا آپ کی رائے کا طلبگار۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تنظیم عباس زخمی۔کسوال

محترم تنظیم عباس آپ کو رائٹر گروپ میں ویلکم کہا جاتا ہے اور اور اگر آپ رائٹر گروپ میں آنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے آپ اپنی سٹوریز پوسٹ کریں ہم انہی جلد ہی شائع کرتے جائیں گے آپ فکر نہ کریں آپ کی کہانیاں انشاء اللہ شائع ہوں گی اور ہم ہر کسی کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اور ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ سب کی کہانی شائع ہو مگر کچھ ادارہ کے مجبوریاں بھی ہوتی ہے البتہ آپ اپنی کہانیاں پوسٹ کریں ہم لگاتے جائیں گے شکریہ۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ریاض احمد باغبانپورہ لاہور

قارئین اس بار ہمیں لیٹر بہت کم موصول ہوئے ہیں جو کہ شاہین گروپ اور رائٹر گروپ کے چند ایک کارکن کے لیٹر تھے جو ہم نے شائع کردیئے ہیں اور قارئین کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اپنے خطوط کو جلد از جلد پوسٹ کیا کریں تاکہ ہمیں ویٹ نہ کرنا پڑے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ادارہ خوفناک لاہور

اسلام علیکم۔ادارہ خوفناک اور تمام قارئین سب کو میری جانب سے سلام اور ڈھیروں دعائیں میں آپی کشور کرن جی کا بہت مشکور ہوں انہوں نے مجھے رائٹر گروپ کے کارکن میں شامل ہونے کے لیے ویلکم کہا اور سر ریاض احمد کا شکریہ ادا کرنے کے لیے تو الفاظ بہت کم ہیں سر آپ کا بھی تھینکس آپ نے میرے لیٹر کا جواب دیا اور اتنی محبت سے پیش آئے کہ دل کرتا ہے بس لکھتا ہی چلا جاؤں اور میں دعا

کرتا ہوں کہ رائٹر گروپ اور خوفناک ہمیشہ ترقی کی منزل عبور کرتا رہے۔۔۔۔عبدالشکور لاہور۔

اسلام علیکم۔پیارے انکل جی اور خوفناک سٹاف ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ سلام قبول کریں۔میں سر ریاض احمد کی مشکور ہوں انہوں نے میرے خط کا جواب دیا اور میرا قلم پھر سے اٹھ گیا اور پیاری سی آپی کشور کرن جی آپ کیا سمجھتی ہیں میں آپ کو بھول گئی ہوں آپ کوئٹہ تو کیا دنیا کے جس کونے میں مرضی چلی جائیں آنا تو ہے ہی نہ آپی جان میں آپ سے بہت اداس ہوں ایک بار پلیز ایک بار پتوکی کا چکر لگا لیں پلیز میری پھوپھو۔ساجدہ عابدہ اور ہم سب بہن بھائی بلکہ مما بھی بہت مس کرتی ہیں آپ کو میں تو سمجھی کی آپ ہمیں بھول گئی ہوں گی مگر خوشی اس بات کی ہوئی کہ آپ نے سب کے نام لکھ دیئے جو کہ میں نے سب کو دکھائے بھی اور پڑھائے بھی آپی کن لفظوں میں آپ کا شکریہ ادا کروں آپ نے مجھے رائٹر گروپ کے کارکن میں شامل کیا ہے اب تو میں کوشش کروں گی کہ رائٹر گروپ میں الٹا پلٹا مار کے ہی بیٹھ جاؤں اور کہانیوں کی لائنیں لگا دوں۔آپی ایک بات ہے جب سے آپ سے رابطہ ختم ہوا ہے آپ کے گھر میں سے کوئی بھی ہمارے گھر کی طرف نہیں دیکھتا ایک بار آئیں تو پھر میں خود آپ کو لینے آؤں گی باقی ہم سب کی طرف سے آپ کو سلام اور ڈھیروں دعائیں۔اگلے خط میں ملاقات ہو گی۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔راشدہ میواتی پتوکی۔

اسلام علیکم۔ادارہ خوفناک میں سب قارئین کو سلام۔سر ریاض احمد کا محبت کے لفاظوں میں چاہت کی چاشنی گھول کر شہد میں ڈبو کر قلم کی نوک سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور مکھیوں سے دور ہٹ کے لکھتا ہوں کہ کہیں اتنا میٹھا دیکھ کر مکھیوں کا جھتہ اپنا ڈیرا جما کر نہ بیٹھ جائے اور میرے انکل تک خط پہنچنے سے پہلے ہی اس کے میٹھے میٹھے الفاظ مکھیوں کی خوراک بن جائیں نہیں نہیں انکل جانی آپ فکر نہ کریں میں اس کو پارسل کروں گا میرے لفظوں کے موتی بکھرنے سے پہلے آپ کے قدموں تک ضرور پہنچیں گے تاکہ اگر بکھرے بھی تو یہ الفاظ اپنا حق ادا کر کے ہی ختم ہوں مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ نے میرے خط کا جواب دیا اور مجھے رائٹر گروپ میں شامل ہونے کے لیے ویلکم کہا تھینکس سر اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وتندرستی عطا فرمائے اور آپ کی ہر دلی مراد پوری فرمائے آمین۔۔میری پیاری آپی کشور کرن آپ سنائیں کیسی ہیں آپی آپ کا بہت شکریہ آپ نے میری ریکویسٹ قبول کی۔اور مجھے رائٹر گروپ میں ویلکم کہا بہت بہت شکریہ آپی آپ کا بھائی آپ شکر گزار رہے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مدثر حسین عاطف شہزاد

اسلام علیکم۔سر جی میں کافی عرصہ سے خوفناک کی قاری ہوں مگر پہلی بار لکھنے کی ہمت پیدا ہوئی ہے وہ بھی خوفناک کے گروپز کو دیکھ کر میں نے کوشش کی ہے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے پیارے دوست خوفناک نے ترقی کی منزل قدم بقدم عبور کرتا ہوا آسمان کی بلندیوں پر ضرور چمکنے لگا ہے اور اس رسالے کی وجہ سے آج ماشاء اللہ تمام گروپز دل لگا کر محنت کر رہے ہیں میں شکریہ ادا کرتی ہوں ایسے گروپز کے لیڈرز کا جو اتنی اچھی سوچیں رکھتے ہیں سب سے پہلا گروپ تو آپی کشور کرن ہے۔اس کے بعد ندیم عباس میواتی شاہین گروپ۔ان تمام گروپز کے لیے دعا ہے اللہ ان سب کو کامیاب کرے آمین

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تہمینہ ہنجرائے کلاں

دسترخوان

تحریر۔ کشور کرن۔ پتوکی۔

سبزی کے سینڈوچ

اجزء۔ گاجر دو عدد۔ مٹر ابلے ہوئے آدھی پیالی۔ بند گوبھی آدھا پھول۔ ڈبل روٹی ایک عدد۔ گاڑھی کریم پون پیالی۔ مکھن دو چمچ۔ انڈا نیم ابلا ہوا ایک عدد۔ کالی مرچ پسی ہوئی چائے کا چوتھائی چمچ۔ نمک حسب ذائقہ لیموں کا عرق ایک چمچ۔

ترکیب تیاری۔ تیز چھری سے ہر سلائس کے کنارے کاٹ لیں بند گوبھی دھو کر باریک باریک کاٹ لیں گاجریں کدکش کر کے نمک والے پانی میں ابال لیں مٹر ابال کر چھیل دیں نیم ابلا ہوا انڈا کالی مرچ نمک اور گاڑھی کریم یہ تمام چیزیں مکس کر کے پیسٹ بنا لیں اور سلائس کے ایک طرف لگائیں درمیان میں سبزیاں رکھ کر اوپر دوسرا سلائس رکھیں ویجی ٹیبل سینڈوچ تیار ہے۔

آلو اور مٹر کے سموسے

اجزء۔ آلو ایک پاؤ۔ مٹر کے دانے آدھا پاؤ۔ نمک حسب ذائقہ۔ کالی مرچیں گرم مصالحہ ہرا پودینہ حسب ضرورت۔ گھی حسب ضرورت۔

ترکیب تیاری۔ آلو اور مٹر کو الگ الگ ابال لیں اور آلو کو چھیل کر موٹا موٹا مسل لیں اب اس میں نمک گرم مصالحہ اور کالی مرچیں پیس کر ڈالیں۔ مٹر بھی شامل کر دیں پودینہ کاٹ کر ڈال دیں تمام اشیاء ملا کر یکجان کر لیں۔ میدہ میں نمک اور تھوڑا سا گھی ڈال کر پانی کے ساتھ سخت گوندھ لیں اس کے پیڑے بنا کر بیلیں درمیان سے کاٹ کر سموسے کی شکل دے کر اس میں آلو مٹر کا امیزہ بھریں اس طرح تمام سموسے بنا کر گھی میں تل کر براؤن کر لیں تیار ہیں۔

قیمے والے سموسے

اجزء۔۔ قیمہ ایک کلو۔ ٹماٹر ایک پاؤ۔ ادرک دو انچ کا ٹکڑا۔ سبز دھنیا آدھی گٹھی۔ سبز مرچیں چار عدد۔ ایک پیاز ایک عدد۔ میدہ آدھی پیالی۔ نمک مرچ حسب ذائقہ۔ گھی حسب ضرورت۔

ترکیب تیاری۔ نمک اور مرچ ڈال کر قیمہ گلا لیں بھون کر خشک کر لیں اب تمام ہرا مصالحہ اور ٹماٹر باریک باریک کاٹ کر قیمہ میں ملا لیں میدے میں دو چمچ گھی اور تھوڑا سا نمک ڈال کر سخت سا گوندھ لیں پیڑے بنا کر باریک باریک بیل کر سموسے کے ورق تیار کریں ایک ورق لے کر اسے تکون نما بنا کر اس میں قیمہ کا مرکب بھریں اور کنارے جوڑ دیں اسی طرح باقی کے سموسے بھی بنائیں اور گھی میں ہلکی آنچ پر تل کر براؤن کریں اور نکال کر گرما گرم پیش کریں۔